بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو تفسیر

المقام المحمود

املاء: امام عبید اللہ سندھی

راقم: مولانا عبد اللہ لغاری (مکۃ المکرمہ میں لکھا گیا)

ناشر: غلام مصطفٰی قاسمی
ڈائریکٹر، شاہ ولی اللہ اکیڈمی
صدر۔ حیدر آباد۔

جلد اوّل

سورہ فاتحہ سے سورہ آلِ عمران تک

اردو تفسیر

المقام المحمود

املاء : امام عبید اللہ سندھی رح

راقم : مولانا عبد اللہ لغاری

(مکۃ المکرمہ میں لکھا گیا)

جلد اول

سورۃ فاتحہ سے آل عمران تک

ناشر : غلام مصطفیٰ قاسمی
ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر حیدرآباد

نام تفسیر: المقام المحمود (اردو)
املاء: امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی
ناشر: مولانا غلام مصطفی قاسمی
طبع اول: اکتوبر سنہ ۱۹۹۴ء
تعداد: ایک ہزار
مطبع: نفیس پرنٹنگ پریس لجپت روڈ حیدر آباد
قیمت: ۱۰۰/- روپے
ملنے کا پتہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر حیدر آباد

یہ جلد مولوی عزیز اللہ جروار نے تصحیح کرکے شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر حیدر آباد کو دی۔

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ تمام جہانوں کا رب اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ستائش کے قابل ہے۔ کائنات عالم کو پیدا کرنیوالی ایک ایسی ہستی ہے، جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے۔ ربّ کے ذرات سے لے کر اشرف المخلوقات (انسان) تک تمام اس کے تابع ہیں (اس کی مثال عدالت عالیہ ہے کہ ہر اپیل کا فیصلہ وہاں سے ہوتا ہے) اس کی صفتیں یہ ہیں:

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

بے حد مہربان نہایت رحم والا

باپ اپنی اولاد کو کس شفقت اور پیار کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تمام عالم میں سب سے زیادہ عزیز اسے اپنی اولاد ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی اولاد کو بعض اوقات کسی بات پر سرزنش کرتا ہے۔ اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اس کی اولاد کی اصلاح ہو جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہے کہ وہ اپنی بندوں کو شفقت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور کبھی کوئی غلطی ان سے سرزد ہوتی ہے تو باپ یا استاد کی طرح سرزنش کے طور ان پر کوئی مصیبت ڈال دیتا ہے، اس میں بھی یہی راز مضمر ہوتا ہے کہ میرے بندے اپنی غلطی کی اصلاح کریں۔ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر عیسائی خدا کی ذات کو باپ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب آگے چلئے ماں اپنی اولاد کو کس شفقت کی نگاہ سے دیکھتی ہے؟ اگر قصور پر استاد سزا بھی دے، ماں کی ماتا اس سزا کو برداشت نہیں کر سکتی اور جھٹ شکایت کے لئے تیار ہو جاتی ہے اسی جذبہ کے ماتحت ہنود ماں کو "ماتا دیوی" کہتے ہیں۔ غرض ان دونوں جذبات کو مدنظر رکھ کر اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ماں باپ سے بڑھ کر اپنی مخلوقات کو عزیز رکھتی ہے کما یدل علیہ واقعۃ امراۃ فقدت ولدھا و واقعۃ طیرٍ اخذ صحابی فرخہ (رواھما البخاری) اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ایک (۱۰۰) حصوں میں سے ایک (۱) حصہ دنیا پر نازل کیا ہے، جس کا نتیجہ ماں باپ کی اپنی اولاد سے محبت، انسان کی انسان سے محبت، حیوان کی حیوان سے محبت ہے۔ اب اگر کوئی شخص تمام دنیا کی کائنات کی محبت کو ازل سے لے کر ابد تک جمع کرے اور پھر اس مجموعہ کو ایک سو سے ضرب دے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ آمدم برسر مطلب اب جب انسانی سوسائٹی بن گئی تو ضرور ہے

کہ انہیں ان میں تعلقات قائم ہوں اس لئے حکم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات رحیم ہے اسی طرح اس کے بندوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہیے ہر ایک کا حق دوسرا غصب نہ کرے اتفاق اور ایک جہتی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر زیادتی کریگا تو حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مالک ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۳

مالک روز جزا کا

یعنی بندوں کو اس نے پیدا کیا ہے تو ان کا وہ حساب بھی ایک دن لے گا حساب لینے سے یہ مراد نہیں کہ انسان کو سزا دی جائے بلکہ وہ ذات تو غفور رحیم ہے مدعا یہ ہے کہ انسان کی آلودگی کو دور کر کے اسے دوسری زندگی یعنی جنت میں از سرِ نو زندگی بخشی جاوے۔

(دیکھو اول سورہ ملک فقرہ نمبر ۶)

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۴

خاص تیری عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

ہم نے تمام کائنات کو دیکھا اور اس سے اندازہ لگایا کہ اس تمام عالم کے اوپر ایک ذات ہے ہم اپنا سرِ نیاز اسی کے آگے خم کرتے ہیں کیونکہ وہی ہمارا مالک اور کارساز ہے اور اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔ یہ بڑی بڑی توند والے جس قدر دنیا میں ہیں انہوں نے انسان پر ظلم و تشدد کر کے انسانی حقوق کو غصب کر لیا اور انسانوں سے اپنی بندگی کرانے لگے اے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں اور اب تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں کہ ان سے بچائے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۵

بتلا ہم کو راہ سیدھی

اے اللہ! جب تو نے ہمیں بصارت عطا کی تو ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہمت اور توفیق دے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن پر نعمتیں نازل ہوئیں ان کے چار مراتب ہیں نبی صدیق شہداء اور صالحین (سورۃ النساء آیت نمبر ۶۹) مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار ہم کو ایک ایسی سوسائٹی عطا کر جس کے اراکین ان چاروں مراتب والے ہوں۔

غرض مراد ہے ان لوگوں کا راستہ جنہوں نے قرآن مجید یعنی فطرت الٰہی کے قانون کی پابندی کی اور پھر دنیا میں کامیابی کی زندگی بسر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءؓ راشدین جو فتنہ عثمانؓ کی شہادت تک سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ہمارے لئے نمونہ ہیں ان کے بعد جو کوئی ان کے طریقہ پر عمل کرے وہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کا مصداق ہے اس واسطے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام نازل کیا ہے۔

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ۷

نہ جس پر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے

قال النبی علیہ السلام المغضوب علیہم الیہود والضالین النصاریٰ یہود پر غضب اس لئے نازل ہوا کہ انہوں نے تورات کی آیات مسخ کر ڈالیں اور ان کے معانی اور مطالب اپنے مطالب پر ڈال لئے۔ بعینہ اہل اسلام کے چند علماء بھی اسی طرح کر رہے ہیں اور معانی کو اپنے سانچے پر ڈال رہے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھٹکتے ہوؤں سے مراد آج کل کا نوجوان طبقہ ہے جو گو سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے مگر سیدھا راستہ پانے کی جستجو کر رہا ہے اس لئے امید ہے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اور مغضوب علیہم کے راستہ سے ان لوگوں کا راستہ مراد ہے۔ جنہوں نے قرآن حکیم یعنی فطرت الٰہی کے قانون کی نافرمانی کی اس لئے وہ دنیا میں کامیاب رہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہے جو لوگ اس نمونہ کو سمجھتے ہیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا نمونہ فتنہ سے قبل تک مگر اس پر عمل کرنے کی ہمت نہیں رکھتے یا اللہ ہمیں ان لوگوں کا طریقہ نہیں چاہیئے وہ الضالین ہیں اسی طرح جو لوگ اس نمونہ رسول اللہ علیہ وسلم اور خلفاءؓ راشدین کو سمجھتے نہیں ہیں ان کا بھی طریقہ نہیں چاہتے خواہ وہ کس قدر بھی سمجھدار کیوں نہ ہوں۔

اس سورۃ کا نام فاتحہ ہے اور ایک حدیث میں اس کا نام صلوٰۃ بھی آیا ہے یعنی اَلَّذِیۡ فِیۡہِ قَسَمۡتُ الصَّلٰوۃَ الخ اور اس سورت کے بہت نام مگر اس کی تاریخ نزول یقیناً نہیں کہی جا سکتی ایک عقلی بات ہے کہ پہلے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی اس میں ہے۔ اَرَاَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡہٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی تو نماز ابتدائی نبوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صحابہؓ پڑھتے تھے تو عقل میں بات نہیں آتی کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے اس لئے گمان ہوتا ہے

کہ سورہ فاتحہ ابتدائے نبوت میں نازل ہوئی ہو واللہ علم مگر کوئی روایت نہیں ملتی۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی مثل نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں ہے وغیرہ وغیرہ الک تو یقیناً سمجھا جاتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ بعد اقرأ کے نازل ہوئی ابن مسعودؓ اپنے قرآن میں سورۃ الفاتحہ اس لئے نہیں لکھتا تھا کہ وہ تو نماز کے لئے سکھلائی گئی ہے تو تمام باتوں سے یقین ہو جاتا ہے کہ جب سے نماز فرض ہوئی اسی وقت یہ سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ① ا: ال ۳۰ م: ۳۰ مجموعہ ۷۱ ل۔ م کو جدا جدا کرنے میں رنگ دور کا معلوم ہوتا ہے۔ اول بعثت سے شمار کرو۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ (اس کتاب میں کچھ شک نہیں)

یہ آیات مدینہ میں نازل ہوئیں ان کے نزول سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے وہاں دس گیارہ برس کے عرصہ میں ایک نئی زندگی پیدا کردی اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اللہ کے رسول اور خدا کی کتاب کے سوا کسی بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ کفار مکہ اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے غلام مسلمان ہو کر خدا اور اس کے رسول کی طرف متوجہ ہوں اور کفار کے بتوں کا صاف انکار کریں غرض انہوں نے مسلمانوں کو ہر طرح سے تکالیف دینی شروع کردیں اس لئے وہاں سے تنگ ہو کر آپ اور مہاجرین کی جماعت جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ فاروق اعظمؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ تھے۔ مدینہ منورہ تشریف لائے مسلمانوں کی آمد کے وقت مدینہ میں یہود اور مشرکیں موجود تھے یہود کی صحبت سے مدینہ کے مشرکین بھی تورات پر اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے مگر وہ اسے صرف بنی اسرائیل کے لئے مخصوص سمجھتے تھے۔ غرض کسی نہ کسی رنگ میں تورات کے سب قائل تھے۔

اب تورات کا قرآن مجید سے مقابلہ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ تورات کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تعلیم دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرعون کے پنجہ

سے اپنے آپ کو آزاد کرالیا اور شام کا زرخیز علاقہ انہیں عطا کیا گیا۔

اب تورات کے مقابلہ میں بتلایا جاتا ہے کہ اسی سے قرآن پر عمل کرنے والوں کی ترقی کا اندازہ کرو کہ انکا رسول انہیں اس کتاب کی پیروی سے اس رتبہ پر لے آیا کہ وہ سوائے خدا کے کس کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے غرض آفتاب آمد دلیل آفتاب والا معاملہ ہے یعنی جس طرح سورج نکلتا آتا ہے اسی قدر اسکی گرمی بڑھتی جاتی ہے اسی طرح اس کتاب پر عمل کرنے والوں کی مثال ہے کہ وہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں مسلمانوں کی ترقی پہلی امتوں سے کئی گنا بڑھ کر ہے اسی طرح یہ کتاب باوصف

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾

راہ بتلاتی ہے کہ لوگ متقی ہیں

(یہ کتاب ایسی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے) اس قسم کے متقی پیدا ہوئے۔ جن کی ترقی کا اوپر ذکر کیا گیا جس طرح کہتے ہیں کہ اس عورت کے دودھ سے اس پہلوان نے پرورش پائی حالانکہ ماں کا دودھ اس نے شیرخوارگی میں پیا تھا مگر اس کی نشوونما اسی دور سے ہوئی اسی طرح اس کتاب پر غور و خوض کرنے اور اس پر عمل کرنے سے اس قسم کے لوگ پیدا ہوئے یعنی اس کتاب کی تعلیم ایسے متقی لوگ پیدا کرتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا

موسیٰ علیہ السلام نے ایک عرصہ تک اپنی قوم کو تعلیم دی اور اس کے بعد جب انہیں احکام الٰہیہ کی پیروی کی دعوت دی تو انہوں نے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کہا وحالة المسلمین تعلیم القرآن اَنَّهُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ حدیث میں ہے کہ نماز اس طرح پڑھو گویا کہ خدا کو دیکھ رہے ہو مطلب یہ ہے کہ ایمان بالغیب سے ایمان بالمشاہدہ کی طرف رسائی حاصل کرے اس کی صورت یہ ہے کہ بہیمیت کے گاڑھے گاڑھے پردے اس سے دور ہو کر ملکیت کا نور اس پر ظاہر ہو جائے اور عالم قدس سے اس پر یقین کا ترشح ہو جائے اور جتنی چیزوں کا ذکر وہ زبان سے سنے سب وہ چیزیں اس کو مشاہدہ ہو جائیں مومن بندہ جو ہمیشہ بہیمیت سے مدافعت کرتا ہے اور ملکیت کا ساتھ دیتا ہے اس حالت کا اس قدر مشتاق ہو جاتا ہے جس طرح ہر عنصر اپنے مکان طبعی کا مشتاق ہوتا ہے جس طرح ہر ذی حس ان چیزوں کی طرف جسے اس

جس کو لذت حاصل ہوتی ہے مشتاق ہوتا ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلوٰةَ

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو

بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ جب تم مصر سے بچ کر نکلو اور شام میں داخل ہو تو شہر میں داخل ہو تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے شکرانے کے نفل ادا کرو کہ اللہ تعالے نے تمہیں غلامی سے نجات دی اور پھر حکومت عطا کی اب اس کے احکام کی تابعداری کرتے رہو مگر اس کی پابندی نہ کر سکے وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ الخ اور قرآن حکیم پر جو جماعت کاربند ہے اس کی یہ حالت ہے کہ دعاء کے لئے انتظام اور قاعدہ سے کھڑے ہوتے ہیں اللہ تعالے پر انہیں اعتماد ہے اور ہر ایک چیز کے اس سے خواستگار ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

اس کتاب کو ماننے والے اپنی ضرورت سے زیادہ چیز کو اپنی جماعت کے لوگوں پر خرچ کرتے ہیں یہودیوں میں بری عادت تھی کہ من وسلوی کے متعلق جو حکم تھا کہ روزانہ کھا لیا کرو اس پر کاربند نہ رہ سکے اس لئے کہ انہیں توکل نہ تھا اور دوسرے دن کے لئے پس انداز کرنے لگے یہودی آج تک دنیا میں سود خوری میں مشہور ہیں یہ لوگ جماعت النسانیہ کو اپنا کنبہ تصور کرتے ہیں۔ انفاق ہوتا ہے اپنے عیال پر۔ دفی حق الیہود ولقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء۔ غرض ان ہی آیات میں قرآنی تعلیم اور تورات کی تعلیم کا مقابلہ کر کے دکھا گیا ہے کہ پہلی کتابوں کے متبعین اس قسم کے لوگ پیدا ہوئے جو بات بات پر لغزش کھاتے اور قرآن حکیم کے تابعین اس قسم کے متقی پیدا ہوئے۔ کیا اب بھی اس کتاب کے متعلق کسی کو شک ہو سکتا ہے؟ غرض اس آیت میں تین باتیں سکھلائی گئیں اللہ تعالی پر ایمان نماز زکوٰۃ۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ نازل ہوا تیری طرف

جو تجھ پر نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ہم نے تجھے خلافت کیلئے روانہ کیا ہے اور ہم تجھے جو

حکومت چلانے کے لئے حکم دیا ہے ان لوگوں میں اس کی پوری قابلیت موجود ہے یعنی مسلمان ان کو مکی زندگی میں "قومی حکومت" چلانے کا ڈھنگ بتلایا گیا اور وہ واقعی اس کے اہل نکلے۔ یہ جماعت متعصب نہیں ہے ان کے پاس کسوٹی موجود ہے مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کو اس سے پہچان کر ان پر عمل کرتے ہیں کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اخذہا حیث وجدہا

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے

پہلی قوموں کے لئے جو ہدایات آئیں مسلمان ان کے قائل ہیں یعنی "قومی حکومت" کو چلانے کا طریقہ تو مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں سیکھ لیا اور انتظامی ادارات میں "بین الاقوامی قوانین" کو سمجھنے کی مکمل قابلیت انہوں نے مدینہ طیبہ میں حاصل کر لی غرض یہ ان کی دوسری قابلیت کی تعریف ہے قاعدہ تو یہ ہے کہ ایک پیر کے مرید دوسرے پیر کو نہیں مانتے مگر اس کتاب کے مومن دوسری کتابوں پر یقین کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی حکومت کے لئے مبعوث ہوئے مگر ان کی قوم میں یہ قابلیت پیدا نہ ہو سکی اس لئے وہ "بین الاقوامی حکومت" قائم نہ کر سکے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ناکامیاب رہے مگر آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "بین الاقوامی حکومت" پیدا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کام کے چلانے کے اہل ثابت ہوئے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں

اب مسلمانوں کی شرح کا جملہ ہے آدمی جس قدر دنیاوی سیاست میں دخل دیتا ہے اسی قدر وہ آخرت سے زیادہ دور ہو جاتا ہے آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات مطالعہ کیجئے تو آپ نہایت کامیاب سیاست دان اور ایک قابل جنرل تھے مگر اس کے ساتھ ہی جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کھانا کھاتے پانی پیتے اٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے غرض ہر وقت کوئی نہ کوئی دعا پڑھتے رہتے تھے آپ اپنے خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ تھے غرض اس جگہ بتلایا گیا کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی یہ حالت ہے کہ اس قدر دولت وجاہ و حشمت کے باوجود وہ خدا کی یاد سے کبھی غافل نہیں اور آخرت پر ایمان رکھنے کی بھی

نشانی ہے گویا ان چاروں آیات میں "دنیا کی سیاست اور آخرت" کی کڑی کو ایک زنجیر میں منسلک کر دیا گیا۔

(۵) اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

وہی لوگ ہیں ہدایت پر

آدمی اس وقت ہدایت یافتہ کہا جاتا ہے کہ جب اسے جو کتاب ملی اس پر عمل کر کے وہ اس سے مستفید ہو۔ دنیا میں جس قدر امتیں ہیں ان میں سب سے بہتر یہی امت ہے۔

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے (کامیاب)

کامیاب کوئی قوم اپنی کتاب پر عمل کر کے مسلمانوں سے بازی نہیں لے جا سکتی یعنی اس کتاب کی ہدایت سے ایسے آدمی پیدا ہوئے جن کے اوصاف اوپر بیان کئے گئے ہیں اس لئے یہ کتاب سب سے زیادہ ہدایت دینے والی ہے۔ غرض ان جماعتوں کے پیدا کرنے کا ذکر ہے جو اس کتاب اللہ نے پیدا کر دیں جن کا نام آگے چل کر مہاجرین اور انصار ہوا یہی جماعت مسلمانوں کی "مرکزی طاقت" قرار پائی اور یہی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے مشن کو چلانے والی قرار پائی۔

قرآن حکیم کی تعلیم نے مکہ کی سوسائٹی میں لوگوں میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مکہ میں ابوجہل اور ابولہب جیسے آدمی اس سے مستفید نہ ہو سکے آگے قرآن مجید اس کا جواب دے رہا ہے کہ یہ لوگ تو قرآن شریف کی تعلیم کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے اگر اس کی تعلیم کو سنیں اور اس پر غور کریں تو پھر دیکھیں کہ طبیعتوں میں کس قدر انقلاب پیدا ہوتا ہے مگر انہوں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کہ اس کی تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کریں گے اس کی وجہ یہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

یعنی اس تعلیم سے انکار کرتے ہیں اور ادھر دل سے غور بھی نہیں کرتے ایسے لوگ اس پروگرام کو نہیں مانیں گے ایسے لوگوں کا بیان سورہ مدثر اور نون میں ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ

ع ۱ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۷

مُہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے ~~عذاب ہے~~ بڑا عذاب ہے۔

یہاں کفار کا ذکر ہے جن کو سچی بات کے سننے سے اس قدر نفرت تھی کہ وہ صداقت کو سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے وہ اپنے کان اس طرف متوجہ ہی نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے دل کو صداقت کی طرف مائل ہونے دیتے تھے (سورۂ الاعراف آیت ۱۷۹) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں آنکھیں رکھتے ہیں کان رکھتے ہیں مگر ان سے دیکھتے سنتے نہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک سمجھدار آدمی ہے مگر بری عادتوں میں پڑ کر ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے کہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے جیسے انسان نے نکاح کرنے کی غرض و نہایت یہ تھی کہ اس سے اولاد پیدا ہو مگر ایک اچھا بھلا توانا آدمی ہے مگر برے کاموں میں پڑ کر اس کو آتشک لاحق ہو گیا ہے اس کا علاج ڈاکٹر نے یہ کیا کہ اس عضو کو ہی کاٹ ڈالا تاکہ بیماری آگے نہ بڑھنے پائے اب اگرچہ اس کی صحت وغیرہ سب کچھ اچھی ہے مگر تولید کی قوت نہیں اسی طرح ان کفار کا مرض لاعلاج ہے یعنی ان میں صداقت سننے کا مادہ ہی فنا ہو چکا ہے۔

غرض ایک نہایت مفید اور عظیم الشان تعلیم انہیں دی جا رہی ہے مگر یہ کم بخت اس کی طرف توجہ ہی کرتے اللہ تعالٰے نے ان کی بدعملی کی انہیں سزا دی یعنی ان پر لعنت کی۔ قرآن میں تو تاثیر تھی مگر لوگوں نے اس تعلیم سے فائدہ ہی نہ اٹھایا ناحق اپنے آپ کو تباہ کر دیا ہر ایک دل پر اللہ تعالٰے کی طرف سے مہر نہیں لگتی بلکہ ان سنگدل لوگوں کے قلوب پر مہر لگتی ہے جو نبی کی تعلیم کی پرواہ ہی نہیں کرتے نہ ہی ان کے دل سچائی کی طرف راغب ہوتے ہیں اور نہ ان کے کان حق بات کو سننا پسند کرتے ہیں اور نہ آنکھوں سے سچ اور جھوٹ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا

هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹ فِىْ قُلُوْبِهِمْ

مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا
فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت کے پر اور وہ ہرگز مومن نہیں۔ دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپکو۔ اور نہیں سوچتے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو کہتے ہیں، ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ تھا کہ مکہ کے لوگ مثلاً ابوجہل وابولہب وغیرہ کو یہ کتاب مستفیض نہ کر سکی اس کا جواب گذر چکا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مدینہ کے لوگ تو مسلمان تھے نماز بھی پڑھتے تھے مگر وہ اس کے ساتھ منافق بھی تھے ان پر قرآنی تعلیم نے کوئی اثر نہ کیا آگے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

مدینہ کے بہت سے لوگ بظاہر تو مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں مگر درحقیقت وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں جیسے عبداللہ بن ابی مدینہ طیبہ میں ایک بارسوخ آدمی بنا اور آپ کی ہجرت سے پہلے وہ مدینہ کے لوگوں کا سردار بننے کو تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اس کا اور چند آدمیوں کا خیال تھا کہ ہم مسلمان ہو کر اونچی جاہ وحشمت اور عہدہ جلیلہ حاصل کر لیں گے جو ہمیں قبل اسلام حاصل تھے مگر اسلام نے اس تمیز کو سرے سے ہی اڑا دیا اور اس لئے اس کی بجائے متقی اور صالح ہونے کی شرط لگائی اسلئے ان لوگوں کو سخت ناگوار گزرا اور عداوت پر اتر آئے۔ مرض سے مراد ہے ان کے دل کے اندر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے اور ان کی سرداری کی امید ہونے سے جو درد اٹھا اللہ تعالےٰ انکے مرض کو بڑھاتا ہے یعنی جوں جوں اسلام کی ترقی دیکھتے ہیں ان کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے اسی طرح ان کا دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دوا کی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ

لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

جان لو وہی ہیں خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے۔

یہ لوگ مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کی جماعت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مدعا یہ تھا کہ اس طرح ان دونوں جماعتوں میں پھوٹ ڈال دیں گے اگرچہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے مگر درپردہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف منصوبے باندھتے تھے اور اس طرح ہمیشہ مسلمانوں کے دشمنوں کو مدد دیتے رہتے تھے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب ملاقات کرتے ہیں شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ہنسی کرتے ہیں۔

شیاطین سے مراد ان کے بڑے بڑے سردار غرض آیت ۸ تا ۱۴ تک بتلایا گیا کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صرف اس لئے آتے ہیں کہ ان سے مذاق کریں نہ کہ قرآن حکیم سننے کے لئے اگر قرآن کو پڑھتے پھر اس پر غور کرتے تو اس کی تعلیم ان پر اثر کئے بغیر نہ رہتی مگر اس کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا تو ان کا مقصد ہی نہیں پھر قرآنی تعلیم سے کیا اثر ہو مثلاً ایک لڑکا سکول جاتا ہے وہاں ہم جماعتوں سے ہنسی مذاق کرتا اور کھیل کود کر واپس گھر آجاتا ہے تو اب اگر یہ لڑکا تعلیم حاصل نہ کرے تو کتاب کا کیا قصور رہا۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے، اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں

"باپ کی شفقت" "استاد کی تعلیم" اور "عادل بادشاہ کا انصاف" ان تمام صفات کے مجموعے کو لاکھوں اور کروڑوں سے ضرب دیجئے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تھوڑی سی جھلک دکھلائی دے گی۔ عادل بادشاہ مجرم کو

ہمیشہ اس کے جرم کی نوعیت پر سزا دیتا ہے جرم سے زیادہ کبھی سزا نہیں دیتا اسی طرح انسان کی بد اعمالیوں کی سزا کا حال ہے انسان جس قدر جرم کرتا ہے اسی قدر اس کو سزا ملے گی یہ خیال غلط ہے کہ ہر فعل کی سزا جہنم ہے موجودہ صورت میں قرآنی تعلیم جو فطرت پر مبنی ہے وہ انسان کے آگے پیش کی جا رہی ہے مگر ان میں سے چند بدبخت (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) اس فطرتی تعلیم پر ہنسی اور مذاق کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کارندے بھی اسی طرح ان لوگوں کا مذاق اڑائیں گے یعنی اللہ تعالےٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ ان اسباب کے ذریعہ ان کی تذلیل ہو گی مثل مشہور ہے کہ موجودہ لال قلعہ اور دہلی کی جامع مسجد شاہ جہان بادشاہ نے بنوائی حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ اس نے صرف حکم دیا تھا اور شہر کی تعمیر کرنے والے انجنیر اور کاریگر تھے اسی طرح اللہ تعالےٰ کے حکم سے ان لوگوں کی ہنسی اڑائی جائے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ استہزار کیا ہے : اس آیت کے اخیر میں ہے وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ یعنی ان کی سرکشی کی رسی دراز کر دی جائے گی یعنی وہ ہنسی مذاق میں مصروف ہیں اور ادھر اسلام دن بدن ترقی کر رہا ہے اور وہ اسکی تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں بعض اوقات کوئی تحریک ابتدائی درجہ میں شروع ہوتی ہے اور مخالفین دھڑا دھڑ اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں اس وقت مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ انسان ان کے اعتراض کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے اور اعتراضات کو نظر انداز کر دے اسلئے کہ اگر اس بحث میں پڑ جائیگا تو اصل مطلب فوت ہو جائے گا۔ ہاں جب یہ ابتدائی دور سے نکل جائے : تو اس وقت اعتراضات کے جواب دینے کا وقت آ جاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝١٦

سورۃ ۱

یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری اور نہ ہوئے راہ پانے والے۔

منافقین کی اب دو قسمیں بتلائیں ایک وہ جو اسلام سے پہلے سردار تھے اور اب انہوں نے اسلام صدق دل سے قبول کر لیا کہ وہ مسلمان ہو کر بدستور سردار بنائے جائیں گے مگر اسلام تو اس قانون کا قائل ہی نہیں وہ صالح اور متقی لوگوں کو سردار بنانے کا روادار ہے انہیں اب چونکہ یقین ہو گیا کہ ان کو سرداری نہیں ملے گی تو وہ ناامید ہو گئے تو اسلام کے متعلق ان کے دل میں کدورت آگئی ان کی مثال ایسی ہے کہ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے تو اس تجارت میں منفعت نہیں ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ
مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے بہرے، ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔

اب بتلایا جاتا ہے کہ ہنسی مذاق کرنے والے لوگ دو قسم کے ہیں ایک تو جنہوں نے اسلام کی تعلیم کو دیکھا مگر چند ذاتی اغراض کی وجہ سے اسلام کی پیروی چھوڑ دی یعنی ان کے پاس روشنی پہنچائی گئی انہوں نے روشنی دیکھی مگر غفلت یعنی ذاتی اغراض کے باعث وہ روشنی بجھ گئی۔ مطلب یہ کہ کسی نے آگ جلائی اور پھر بجھ گئی ان کے دل میں ایمان کی روشنی آئی مگر ان کی ذاتی ہوس یعنی بیرداری کے خیال نے اس روشنی کو بجھا دیا اب نہ تو وہ قرآن حکیم کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ رسول کریم کی پیروی کرتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے ہدایت کا راستہ ترک کر کے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے اب ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ اندھیرے میں پڑے ہوئے ہیں ان کو کچھ نظر نہیں آتا ذھب اللہ بنورھم یعنی ان کے دیکھنے کی آنکھ ماری گئی اب اندھی ہو گئی آگ جلانے پر جو کوشش تھی وہ رائیگاں ہو گئی۔

صم بکم عمی روشنی نہ ہونے کے باعث وہ اندھے ہو گئے اور حق کو باطل سے تمیز نہ کر سکے ان کے کان تھے کہ حق کی بات سنتے پھر اسے پرکھتے مگر انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہ کی۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ
مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا
أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ

یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا۔ قریب ہے کہ بجلی اُچک لے اُن کی آنکھیں جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اب دوسرے منافقوں کا ذکر ہے ایک پیر کے پاس مرید جاتے ہیں تو فرض نماز کے علاوہ وہ نفل تک وہاں ترک نہیں کرتا مگر جب گھروں میں واپس آجاتے ہیں تو نفل کجا فرض بھی ندارد ان کی مثال دی کہ بجلی چمکی تو انہوں نے راستہ دیکھ لیا یعنی مرشد کی محفل میں نماز پڑھ لی اگر بجلی نہ چمکی تو یہ اندھیرے میں ہیں یعنی آپ خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۳/۲

اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر یہ اپنے آپ کو درست نہ کریں یعنی قرآنی تعلیم پر مکمل طور پر عمل نہ کریں تو ان کی حالت بھی پہلے منافقوں کی طرح ہو جائے گی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

دوسری منافق جماعت کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی حالت کو سدھارو اور قرآن حکیم پر غور کرو۔ پہلی بات یہ کہ ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس کے سوائے تمہارا کوئی حاکم نہیں لعلکم تتقون تاکہ تم عدالت قائم کر سکو گے (دیکھو سورت سجدہ)

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ

أَندَادًا وَّأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے پھل میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔

آسمان و زمین اور پھل وغیرہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے پیدا کیں فَلَا تَجْعَلُوا سو اس کے سوائے کسی کو حاکم نہ مانو وہی تمہارا حقیقی بادشاہ ہے اس کے قبضہ قدرت میں تمام عالم ہے۔

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾

اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔ اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔ پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔

کل ۲ اسما ۱- قانون الٰہی ۲- آیات

اگر تم اس کتاب یعنی قانونِ الٰہی کی پابندی نہیں کرتے ہو جس قدر پہلی امتیں گزریں ان کے کتب مقدسہ سے کوئی باب نکالو اور پھر اس کا اس کتابِ الٰہی (قرآن) سے مقابلہ کرو پھر تم دیکھو گے کہ کونسا قانون الٰہی آج واجب العمل ہے چوتھی صدی ہجری تک مسلمانوں کا خیال تھا کہ سورت سے مراد قانون الٰہی ہے مگر چوتھی صدی کے اخیر میں جب مسلمانوں نے صرف و نحو تصنیف کی اور قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت پر نظر کی تو انہوں نے اس کو (یعنی قرآن) علم ادب میں ایک نایاب چیز پایا اور سورت سے مراد آیات یعنی فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا اس قانون الٰہی کا مثل تم دوسری کتب الٰہیہ سے نہیں لا سکتے تو لامحالہ تمہیں اسی قانونِ الٰہی کی طرف رجوع ہونا پڑے گا۔

فَاتَّقُوا الخ اس کے بعد بھی اگر تم اسے نہ مانو تو یقیناً تم اپنے لئے آگ خرید رہے ہو اسلئے اگر تم اس قانون الٰہی پر عمل کرو گے تو تم دنیا کی حکومت کے وارث بن جاؤ گے اور اگر اس سے روگردانی کرو گے تو تمہارے لئے اس دنیا میں ذلت اور اگلی دنیا میں نارِ جہنم وَقُودُهَا النَّاسُ الخ انسان جہنم کی آگ کا ایک قسم کا ایندھن ہے۔ بخاری میں

انسان کو ایک قسم کی آگ لگی ہوئی ہوتی ہے اور اس کا تمام جسم اس سے گرم یعنی آگ ہوا ہوا ہوتا ہے اسی طرح جہنم میں بھی اس کے دل سے آگ نکلے گی جو اس کی بداعمالیوں کے سبب سے جس طرح بدپرہیزی یا خلاف عادت یعنی خلاف فطرت کام کرنے سے انسان بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح بداعمالیوں کے باعث اس کے اندر سے آگ بھڑکے گی اور وہ اس قدر تیز ہوگی کہ اگر اس میں پتھر بھی ڈالے جائیں تو وہ پانی پانی ہو جائیں جس طرح بخار والے آدمی کے پاس آدمی بیٹھ نہیں سکتا اسی طرح یہاں بھی ہے (مزید شرح کیلئے دیکھو سورۃ الہمزہ)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا

هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب ملے گا ان کو وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دئیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے اور ان کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے۔

جنت = باغ اور ان کی زرخیز زمینیں

قانون الٰہی کی پابندی کرنے والوں کے انعامات کی تفصیل بیان کی ہے جنّٰت تجری اس سے مراد شام و عراق کی زرخیز زمینیں اس دنیا میں ہیں جنت کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ قانون الٰہی کی پابندی کرنے والوں کے لئے یہاں بھی جنت اور آگے بھی جنت ہے ہر جگہ خوش خرم ہیں۔

علم الکلام ص ۱۳۹ تا ۱۴۳ مصنفہ علامہ شبلی میں ہے کہ "عالم جسمانیات اسباب و علل اثر و مؤثر کا سلسلہ ہے" مثلاً سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک نزلہ ہے املتاس مسہل ہے اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات میں بھی قائم ہے نیک و بد جس قدر افعال ہیں ان کا نیک یا بد اثر روح پر مرتب ہوتا ہے اچھے کاموں سے روح کو خوشی ہوتی ہے برے افعال سے انقباض۔ آلودگی اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چرائی اب اگر وہ شخص

عذاب و ثواب (سر سید شبلی)

جسکی وہ چیز تھی معاف بھی کر دے تو چوری کرنے سے اس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتا، غرض اچھے افعال سے روح میں جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور برے کاموں سے جو شقاوت، حاصل ہوتی ہے اس کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ امر و نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہو گا اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو غصہ آئے گا اور وہ انتقام لے گا بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائے اس کی اولاد نہ ہو گی طاعت و معصیت کی وجہ سے جو عذاب و ثواب دنیا اور آخرت میں ہوتا ہے اس کی بالکل یہی مثال ہے لہٰذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیوں ہوتا ہے۔ گویا یہ سوال کرتا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیوں مرتا ہے خدا نے جن باتوں کا حکم دیا ہے یا جن باتوں سے روکا ہے اسکی مثال یہ ہے جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے و مضر چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہیں کرتا تو اس کو ضرر ~~پہنچتا~~ ہوتا ہے یہ ضرر صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بدپرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ مریض نے چونکہ حکم کی نافرمانی کی اس لئے ضرر ہوا حالانکہ ضرر کی اصلی علت بدپرہیزی ہے فرض کرو کہ طبیب بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا تاہم بدپرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا اسی طرح خدا گناہوں کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا تاہم گناہوں کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا عذاب و ثواب اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن حکیم میں جا بجا اشارے بلکہ تصریحات مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں (۱) کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ہاں اگر تم کو علم یقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے امام غزالی اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی دوزخ خود تمہارے اندر موجود ہے (۲) ویستعجلونك بالعذاب وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین امام غزالی اسکی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ خدا نے یہ نہیں کہا کہ دوزخ آئندہ محیط ہو جائے گی بلکہ یہ کہا کہ ابھی اسی وقت محیط ہے (۳) انا اعتدنا للظالمین نارا احاط بھم سرادقھا امام غزالی فرماتے ہیں کہ خدا نے یہ نہیں کہا کہ آئندہ گھیرے گی بلکہ یہ کہا کہ اس وقت گھیر لیا ہے امام غزالی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یا تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن حکیم سے صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے جس طرح بہائم کو گیہوں میں سے صرف بھوسہ ہاتھ آیا ہے (یہ عبارت مولانا کی تقریر نہیں ہے)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا
وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ
يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

بے شک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے گمراہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو۔ اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو۔ جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدے کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو اور فساد کرتے ہیں ملک میں وہی ہیں ٹوٹے والے۔

شاہانہ کلام میں اگر چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں دی جائیں تو اسے عیب سمجھا جاتا ہے مگر یہ تو کلام الٰہی ہے اس میں اعتراض کی گنجائش تھی کہ قرآن میں مکھی اور مچھر جیسے ناتوان جانوروں کا ذکر کیا جا رہا ہے مکھی اور مچھر کی مثال سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا ایسی ادنیٰ مثالیں دینے سے مدعا یہ ہوتا ہے کہ ضعیف الاعتقاد لوگ جو اعتراض کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان کی تمیز ہو جائے حالانکہ اگر وہ مکھی اور مچھر کی مثال پر غور کریں تو ان کو اس سے بہت سے سبق ملیں گے مثلاً اللہ تعالیٰ کے سوائے جس قدر معبود سمجھے جاتے ہیں وہ مکھی سے بھی کمزور ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو فاسقین سے تعبیر کیا جا رہا ہے اگلی آیت میں فاسقین کی تشریح بیان کی گئی۔

یاایہا الناس اعبدو الآیۃ اس آیت میں قرآن حکیم کا پروگرام ذکر کیا گیا ہے اور باقی قرآن حکیم اس پروگرام کی تفصیل ہے۔ لوگوں نے طرح طرح کے ڈورے ڈال کر نوع انسانی کو غلام بنانے اور اس کی عقل کو کج فہم بنانے کے لئے تجویزیں سوچ رکھیں۔ کہیں تو اس کا نام "طرز حکومت" رکھا اور کہیں اس کا نام "وطنیت" رکھا اور کہیں اس کا نام مذہب رکھا غرض انسان کو سوچنے کے لئے تمام راستے بند کر دیے اب قرآن حکیم نوع انسانی کو آزاد کرنا چاہتا ہے جب انسان خدا کو بھول کر راستہ ڈھونڈنا چاہتا ہے خسارے میں پڑ جاتا ہے پہلے 16

پہلے قرآن حکیم کی تعلیم ہے کہ اے انسانو تم خدا کے بندے اور غلام بن جاؤ اپنے اوپر کسی انسان یا فرشتہ کو حاکم مت بناؤ حاکم اور رب اور خالق فقط ایک خدا ہے جیسے انسانی فطرت اس کی گواہ ہے پرورش کرنے والا وہ ایک خالق ہے دوسروں کے دست نگر مت بنو جب تم کو اس نے پیدا کیا تو تمہاری پرورش کا سامان وہی کریگا اعطی کل شیئ خلقہ ثم ہدی اور الذین من قبلکم قبل زمانی یا نہیں ہو سب کو اللہ نے پیدا کیا اور اس کی پرورش کرنے والا وہی قدوس ہے ہمنا ہے تو دولت مندوں کو اپنا پرورش کرنے والا مت بناؤ نہ کسی ولی مرشد کو اپنا مربی سمجھو تم اس بات میں ان سے کم نہیں ہو اور کسی زندہ یا مردہ پھندے میں مت پھنسو تم کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے آزاد رہو جب انسان کسی سوسائٹی اور مجمع میں داخل ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ نظام سوسائٹی میں برابر رتبہ مساوی ہونا چاہئے نہ یہ کہ دولت مندوں اور بڑے آدمیوں کی بات سنی جاوے اور میرے نظریہ کی کوئی وقعت نہ ہو تو انسان کی اس خواہش کو اگر نہ مانا جائے تو انسان اس سوسائٹی سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور سوسائٹی کی بربادی اس سے ہوتی ہے اسلئے انسان کا آزاد رائے کا حق ماننا یہ پہلا زینہ اصلاح اور ترقی کا ہے احسن نظام جب قائم ہوتا ہے جب آزاد رائے سے مساوات پیدا ہوتی تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ تم اللہ سبحانہ کے غلام بن جاؤ اس کے سوا کسی دوسرے کو اپنے اوپر حاکم مت بناؤ تو اس سے تقویٰ پر پہنچ جاؤگے تقویٰ کے معنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تقویٰ یہ امور ہیں ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی الایۃ جو ہر روز جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے اس آیت کو حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہؒ نے خطبہ میں داخل فرمایا ہے تو کہا جاتا ہے کہ خدائے قدوس کے بندے بن جاؤ تو تم خلافت پر پہنچ جاؤگے ایتاء ذی القربی بڑے معنی رکھتا ہے اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جو شخص جس چیز یا رتبہ کے قریب ہو اس کو وہ حق دیا جائے کہ وہ حقدار ہے یہاں تک تو آزاد رائے کا پیدا کرنا مقصود تھا اور آیت الذی جعل لکم الارض فراشا الخ میں پیٹ کی گذران اور مکان اور پینے کے لئے پانی اور ہوا کا ذکر ہوتا ہے کیوں کہ انسان کو ایک آزاد رائے کی ضرورت ہے۔ اور دوسری ضرورت کھانے پینے وغیرہ کی ہے انسانی ضرورتوں کو شمار کرو اور تحلیل کرتے جاؤ تو ان دونوں ضرورتوں پر جاکر ختم ہوں گی تو اب انسان کو فرش کی ضرورت ہے جس پر بیٹھ کر کام کاج شروع کرے تو زمین پر حق تعالیٰ نے مساوی طور پر حق دیا اور فرماتا ہے کہ اے انسانو تمہارے لئے مساوی طور پر زمین کو فرش بنایا یعنی تمہارے لئے زمین فری اور آزاد ہے اور والسماء بناء آسمان کی روشنائیوں اور ہواؤں کو تمہارے لئے مساوی طور پر بناء بنایا اس میں سب شریک ہو یہ روشنائی اور ہوا جیسے دولت مندوں کا حق ہے ویسا ہی تمہارا بھی

انسان آزاد ہے

حق ہے اور یہ فری اور آزاد ہے انزل من السمآء مآءً تو پانی بارش سے برستا ہے اس میں ہر ایک مساوی طور پر حصہ دار ہے فاخرج بہ من الثمرات تو ان اسبابوں سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کا ثمرہ نتیجہ تمہارا رزق ہے اس سے تمہارے زندہ رہنے کے اسباب ہیں سہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

اب ... یہ توقع ہے کہ ... تجعلوا للّٰہ اندادا انداد ند کے معنی ہیں ضد اور مقابل یعنی اللّٰہ تعالےٰ نے جیسے ان چیزوں کو آزاد رکھا اور تمہارے زندہ رہنے کے لئے آزاد بنایا ہے تو تم کو چاہیئے کہ ... ان کو بت بناؤ اور اللّٰہ تعالےٰ کے بالمقابل اس کی بادشاہی مت بناؤ تاکہ وہ ان تمام چیزوں پر قبضہ کرکے خود مختار ہو جائے اور انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرکے ان اشیاء کو جو تمہارے لئے پیدا کیا تھا اس پر بندش ڈال کر تم کو غلام بنائیگا پنجابی میں ضرب المثل ہے کہ بار نہ کٹ پیٹ چاگھٹ زمین پر قبضہ کرے گا اور ثمرات اور رزق پر محصول لگائیگا غرض زمین کو آزاد رکھو جو اس پر کام کرنا چاہے اس کو آزادی دلواؤ وانتم تعلمون یہ لوگوں کی ضمیر سے اپیل ہے کہ تم علم اور سمجھ والے ہو کر ایسا کام کرتے ہو زمین کو آزاد رکھنے کا علم ہر ایک انسان میں ہے آگے فرماتے ہیں وان کنتم فی ریب اگر قرآن حکیم کی تعلیم میں تم کو ریب ہے کہ یہ منزل من اللّٰہ نہیں تو قرآن حکیم جو تعلیم دے رہا ہے اس کے برخلاف لاؤ ... لوگ جو کیپٹلسٹ ہوتے ہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی یہ تعلیم آزادی کی کیسے منزل من اللّٰہ ہو سکتی ہے یہ تو تخریب ہے اور دولت مندوں کی تباہی اور بربادی تو کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایک سورت مثلاً یا ایہا الناس سے لے کر انتم تعلمون تک کی لاؤ جس میں ہو کہ انسان آزاد رہائے نہ ہو اور اللّٰہ تعالےٰ کے سوائے دوسروں کے غلام بن کر رہو اور پیٹ و سکنت کے محتاج رہو زبردست اور مستبد حاکم ہوں ایسی سورت ایک لاؤ اور جو سمجھ دار آدمی ہوں لاؤ جو اس پر شہادت دیں مگر ایسا ہرگز نہ کر سکو گے تو اللّٰہ سے ڈرو مثل کے معنی یہ نہیں کہ دوسرے لفظوں میں اس معنی کو دہراؤ کیونکہ یہ معنی تو مطلب قرآن حکیم ہے بلکہ اس تعلیم کے برخلاف لاؤ ان لہم جنت الخ متشابہ کا مطلب واللّٰہ اعلم بالصواب رنگ برنگی ہے کہ گلستاں نہ جائے دل تنگی است ازواج کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے واللّٰہ اعلم بمراد کلامہ کہ فاحشہ عورتیں نہ ہوں گی ~~ان اللّٰہ لا یستحی الایۃ~~ یضل بہ کثیرا الایۃ جس کالج کے طلبہ نصف پاس ہوں تو اس کے پروفیسروں کو اعلیٰ محنتی اور اس کورس کو اعلیٰ کورس سمجھا جاتا ہے مگر آگے پھر اس کی بھی تقلیل

بیان ہوئی وما یضل بہ فاسق بدچال لوگ جن کی بدچال اظہر من الشمس ہے اگر گمراہ ہوں تو وہ پہلے بھی *

* گمراہ ہی تھے یعنی جو تعلیم نہیں پاتے وہ فاسق ہوتے ہیں -

ینقضون عہد اللہ کسی مجبوری اور معذوری سے اگر کوئی شخص پورا نہ کر سکا تو وہ دوسری بات

ہے اس جگہ ان فاسقوں کا ذکر ہے جو صرف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں ذرا سا موقع پایا جھٹ وعدہ توڑ دیا

ویقطعون ما امر اللہ الخ صلہ رحمی نہیں کرتے یعنی اپنے والدین اور عزیز و اقارب سے اچھا برتاؤ نہیں کرتے

ویفسدون فی الارض احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتے بلکہ ملک کے انتظام میں خلل ڈالتے ہیں ھم الخسرون

یہی لوگ فاسق صریحاً نقصان میں ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۲۸)

کس طرح کافر ہوتے ہو خدا تعالےٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو

پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے قانون عطا کیا مسلمانوں نے اس پر عمل کر کے ترقی کی اب تم دیکھتے ہوئے سمجھتے ہوئے

اسی قانون سے منحرف ہونے کا خیال کس طرح دل میں لا سکتے ہو قانون الٰہی سے منحرف ہونا گویا خدا سے انکار

کرنا ہے جب تمہیں قانون الٰہی پر اعتبار نہیں تو تم اللہ تعالیٰ پر کیسے یقین کر سکتے ہو وکنتم امواتا الخ تمہاری

حالت نہایت گری ہوئی تھی مگر قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے تم دوبارہ زندہ ہو گئے مطلب یہ ہے کہ قانونِ الٰہی

کو ہر وقت مدِ نظر رکھو یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے قانون کا خیال تمہیں ہر لحظہ ہے مثلاً گندم کا دانہ لیجئے اسے

زمین میں بوتے ہیں تو بالکل سڑ جاتا ہے مگر بارش یا پانی کے باعث اسے دوبارہ زندگی ملتی ہے اور وہ دوبارہ

اگتا ہے یعنی جب گندم کا دانہ بویا جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ موسم میں بویا جائے اور ہر طرح

کی پیش بندی اور اس کی حفاظت کی جائے زمیندار ہر ممکن طریقہ سے اس کی نگہداشت اور پرورش کرتا ہے

تب کہیں جا کر وہ ثمر ور ہوتا ہے اسی طرح قوم کی زندگی کا حال ہے قوم میں بھی اسی طرح بیج بویا جاتا ہے

زمیندار یعنی قوم کے بزرگ قوم کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے ہیں تو پھر کہیں

قوم گندم کے دانہ کی طرح دوبارہ زندہ ہوتی ہے انسان دانہ گھاس کھاتا ہے وہ زمین سے پیدا ہوتا ہے

دانہ سے نطفہ ہوا۔

ثم یمیتکم الخ تم دیکھتے ہو کہ اپنی پیدائش سے لے کر زندگی بھر میں تم اپنے خدا کے ساتھ وابستہ

ہو اس کے قانون پر عمل کر کے تم دنیا میں ہر قسم کی ترقی کر سکتے ہو مرنے کے بعد جو زندگانی ہے اس میں بھی تم اس سے وابستہ ہو پھر تم اپنے اللہ تعالےٰ کا کیسے انکار کر سکتے ہو۔ غرض بتلایا جا رہا ہے کہ قانونِ الٰہی کی پیروی سے قوم زندہ ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی
السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (٢٩) ع ٣

وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان۔ اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسا قانون دیا کہ اس پر عمل کرنے سے تم زمین کی چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ دریاؤں سے نہریں نکال کر کھیتی باڑی سے زمین کو شاداب کر سکتے ہو سمندر میں جہاز و کشتی تیرا سکتے ہو ہوا میں ہوائی جہاز چلا سکتے ہو اس کے ذریعہ پنکھا گھما کر مشین چلا سکتے ہو وغیرہ۔ ثم استویٰ الی السماء الخ اس کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا یعنی جس طرح تم قانونِ الٰہی کی پابندی سے زمین کی چیزوں سے استفادہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح آسمانی برکتوں سے مستفید ہو سکتے ہو غرض آیت ۲۱ سے ۲۹ میں قرآن کی حقانیت بتلائی گئی کہ قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے زمین و آسمان کی برکتوں سے انسان استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔

(۳۰) سے لے کر ۳۹ تک بتلایا جا رہا ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرے اور اس پابندی کا نتیجہ حکومت کا عطا ہونا ہے یہ ایسی چیزیں نہیں کہ انسان کے سر پر خواہ مخواہ ٹھونس دی جائیں بلکہ انسانی فطرت انسان کو اس طرف مجبور کرتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا
اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ
بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٣٠)

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہائے۔ اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو فرمایا بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

موسم گرما میں جب سورج عین نصف النہار پر ہو تو کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں کہ سورج کی طرف نظر بھر کر دیکھے اور ایک ساعت اگر وہ بالفعل اس کی طرف نگاہ کرے تو اس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اور اس حالت میں اگر وہ کسی دوسری طرف نگاہ کرے گا تو اس کو تاریکی ہی دکھلائی دے گی غرض یہ راز تھا جس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی نگاہ سے پردہ میں ہے انسانی آنکھ میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ ذات اقدس کا جلال دیکھ سکے آنکھ اٹھائی نہیں کہ خیرہ ہوئی نہیں اب ضروری ہے کہ اس کی ذات اقدس اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہو جو اس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے اس درمیانی واسطہ کو ملائکہ کہتے ہیں یہود و نصاریٰ ان کے قائل ہیں۔ ہندو دھرم میں "دیوتاؤں" کے نام سے بھی مانے جاتے ہیں۔ غرض دنیا کے مذاہب ان کے وجود کے کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں۔

آدم سے مراد "نوع آدم" ہے اسکی فطرت میں خلافت یعنی حکومت کا مادہ ودیعت کیا گیا ہے اس کے لئے اس کا مقابلہ فرشتوں سے ہوا۔

قالوا اتجعل الخ اس سے انکار نہیں کہ انسان دنیا میں مفسد ہے اور قتل و غارت بھی کرتا ہے مگر اسے جیسا کہ آیت ۳۱ سے معلوم ہوگا ایک وسیع علم دیا گیا ہے اس لئے فرشتوں کا اندازہ کہ انسان صرف مفسد ہی ہے غلط تھا انسان میں اگرچہ بدی کا مادہ بھی ہے مگر اس میں نیکی کی سرشت بھی رکھی گئی ہے اگر انسان نیکی کی طرف متوجہ ہے، تو وہ بدی پر غالب رہے گا اور اس طرح فرشتوں سے بھی متصل ہو جائے گا آگے چل کر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس فرشتوں کے روبرو اسی قوت نیکی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ
بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ
اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور سکھا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو۔ بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا۔ فرمایا اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیئے اس نے ان کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے نے آدم کو چیزوں کی خاصیتیں اور ان کے نتائج سے آگاہ کیا اور اسی طرح آدمؑ کو علم دے کر اسے فرشتوں سے فوقیت دی حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب لکھتے ہیں کہ جس طرح ایک خاص وقت میں زمین میں خرما کی گٹھلی کو داب دیں اور ایک تدبیر خاص اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس خرما کے نوع اور اس زمین اور اس پانی اور اس وقت کے موسم کی تاثیر جانتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ خوب اگے گی اور اس کی حال سے اور بعض بعض باتیں اس کو معلوم ہو جاتی ہیں اس قسم کے علم کی استعداد آدم علیہ السلام کو دی گئی جس کی مدد سے وہ سمندر میں جہاز تیراتا ہے ہوا سے پنکھا گھما

(۳۲ تا ۳۳) ان کا جب فرشتوں کا مقابلہ ہوا تو اللہ تعالے نے اسے اسماء الٰہیہ بتلائے جس سے وہ فرشتوں پر برتر رہا ہے اور ان سے گوئے سبقت لے گیا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان علم اور حکومت میں فرشتوں سے ممتاز ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا انسان میں قابلیت دی گئی کہ وہ ہر ایک چیز کے خواص کو پہچانے فرشتوں کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا اور جب وہ ان چیزوں کے خواص سے آگاہ ہی نہیں تو وہ حکومت کیا خاک کریں گے؟ انسانوں کو یہ تمام خاصیتیں دی گئی اور اس سے وہ ہر ایک چیز کو پرکھ سکتا ہے اسی لئے وہ حکومت کے قابل ٹھہرا مثلاً اگر انسان ایک غیر آباد جزیرے میں تربیت پائے جو شہروں سے بالکل دور ہو اور کسی سے کسی قسم کا راہ و رسم نہ رکھے تو وہ طبعی طور پر آہستہ آہستہ ترقی کرے گا زراعت کا انتظام تک چلا سکے گا اور اسی طرح اس غیر آباد جگہ کو آباد کرے گا اور پھر آہستہ آہستہ ایک شہر کی بنا رکھ کر حکومت کی تیاری کرے گا غرضیکہ یہ علم تھا جو انسان کو اللہ تعالے نے عنایت کیا انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے حواس دیئے ہیں کہ وہ ان سے ہر ایک چیز کے متعلق اندازہ لگا لیتا ہے مثلاً ناک سے ہر ایک چیز کو سونگھ لیتا ہے کان سے ہر بات کو سنتا ہے آنکھ سے فاصلہ دراز کی چیزیں دیکھتا ہے دماغ سے ہر ایک قسم کے سرٹیفکیٹ کا کام لیتا ہے غرضیکہ اس علم کی بنا پر اسے حکومت عطا کی گئی۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو۔

دنیا پر انسان۔ جن۔ ملائکہ کو پیدا کیا گیا ان تینوں پر ایک حاکم مقرر کرنے کی مصلحت تھی۔ فرشتے تو درحقیقت انسان کے معاون کے طور پر ہیں اور جنات بھی فرشتوں کی مانند نظر سے اوجھل ہیں اسلئے انسان کو حاکم بنایا گیا۔ سجدہ کے معنی ہیں جھکنا خواہ رکوع اور سجود سے ہو مدعا یہ تھا کہ سجدہ کرا کر انسان کو سب پر فضیلت دی جائے اور سب کو اس کے ماتحت رکھا جائے غرض آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات سے افضل کیا اور حکم رانی کے لئے منتخب کیا اور دوسروں کو کہا گیا کہ تمہارا سر اطاعت انسان کے آگے۔ انسان کو اختیارات دیئے گئے اور ساتھ ہی اسے غلام رہنے کی تاکید بھی کی گئی اسے قانون الٰہی دیا گیا تاکہ اسے دنیا میں نافذ کرے اس کا نام خلیفہ یا نائب ہے۔ خلیفہ کو فطری قانون کو اپنے اوپر تسلیم کر کے حکومت کرنی سکھلائی گئی یعنی وہ قانون فطرت کے ماتحت رہے گا اسے ہدایت کی گئی کہ وہ قانون عمومی اور قانون الٰہی کا پابند رہے اسی لئے اسے خلیفہ یا اللہ کا نائب کیا گیا حکومت تو اللہ کی ہے اور اس کے جو قوانین فطرت رائج کرنے خلیفہ کا کام ہے کہ ان کو دنیا میں رائج کرے۔ رسول ہے ترجمان۔ رسول کا کام ہے کہ اللہ تعالٰے کے احکام کی ترجمانی کرے۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا
الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ

اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم۔ پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے۔

اسکے بعد آدم و حوا کو جنت میں رکھا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا پر رکھا تو مدعا یہ تھا کہ حکومت کرے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آدم کو تمام کائنات عالم پر برتری اور فوقیت دینی منظور

تھی اس لئے اللہ تعالےٰ چھٹے سپارے میں فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے جس نے ای آدم ۲
تجھ کو دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا آدم کو باغ میں رکھا جہاں اسے راحت کے ہر قسم کے سامان مہیا
تھے تکلیف اور مصیبت کے نام سے اس کے کان نا آشنا تھے اللہ تعالےٰ نے اسے حکم دیا کہ باغ میں سے
جس قدر میوہ تم چاہو کھاؤ اس کے ساتھ ہی حکم ہوا کہ تم کو اس باغ میں نہ تو پیاس ہی محسوس ہوگی اور نہ تم
اپنے آپ کو برہنہ پاؤ گے جس سے تمہیں تن پوشی اور ستر پوشی کی ضرورت پڑے نہ تو بھوک و پیاس محسوس ہوگی
نہ سورج کی تپش تمہیں پریشان کرے گی غرض آدم علیہ السلام کی راحت کے تمام سامان اس جگہ مہیا کر دیئے گئے
اس سے بڑھ کر آدمؑ کی تسکین کے لئے حواء کو آپ کے ساتھ رکھا جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۱۹ میں مذکور ہے
اور حکم دیا کہ اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم اپنی جان پر بہت ظلم کرو گے۔

ارشاد: فرشتوں کو سجدے کا حکم

۲ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ تمام
ملائکہ کو ایک جگہ جمع کیا گیا اور پھر انہیں حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے آگے گر پڑو اور سجدہ کرو بلکہ مدعا یہ تھا کہ
ملائکہ جو اللہ تعالےٰ اور انسان کے درمیان ایک قسم کا واسطہ ہوتے ہیں ان پر انسان کو افضل دکھایا جائے۔ جب
انسان اپنے علم اور روحانی طاقت کے زور سے مکمل انسان بن جاتا ہے تو نیکی کی قوت جو فرشتوں میں ہوتی ہے
انسان اس پر غالب آجاتا ہے اور بدی کی طاقت جو انسان میں بدستور رہتی ہے مگر نیکی کی قوت سے مغلوب
رہتی ہے فرشتوں میں صرف نیکی کی قوت ہے برائی کا مادہ ان میں پیدا ہی نہیں کیا گیا جب انسان کی نیکی کی قوت۔
بدی پر غالب آتی ہے تو وہ فرشتوں سے افضل ہوتا ہے غرض اسی طرح فرشتوں کے روبرو انسانی فضیلت
کا مظاہرہ کیا گیا ابلیس نے چونکہ سجدہ نہیں کیا اس لئے وہ درگاہ الٰہی سے راندہ گیا غرض یہ بنا تھی جس پر آدم علیہ
السلام اور ابلیس کے درمیان درمیان نفاق کی آگ بھڑک اٹھی اللہ تعالےٰ نے آدم کو تنبیہ کی کہ اس سے خبردار
رہیو یہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے اور پھر تمہیں رنجیدہ اور آزردہ نہ ہونا پڑے اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ باغ میں رکھنے سے مدعا یہ تھا کہ آرام اور عافیت اور خوشی و خرمی سے زندگی بسر کریں جس میں کسی قسم کی
تکلیف اور مصیبت نہ ہو۔ ۲۱

درخت = ازدواجی تعلقات قائم کرنا

اب سوال یہ ہے کہ درخت سے کیا مراد ہے۔ قرآن حکیم نے مرد اور عورت کے تعلقات کو نہایت
لطافت اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷ میں ہے ھن لباس لکم الخ یعنی عورتیں تمہارا
لباس ہیں اور سورۃ البقرہ آیت ۲۲۳ میں نساءکم حرث لکم یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں بالجملہ
حضرت آدم علیہ السلام کو پیدائش کے بعد جب باغ میں رکھا گیا تو انواع و اقسام کے میوہ جات اور ہر قسم کی خوش و

خوری کے مہیا ہونے کے باعث نشو و نما پرورش پاکر جوانی کو پہنچ رہے تھے اور ان میں خواہشات نفسانی کا پیدا
ہونا ضروری امر تھا اس لئے پہلے ہی تاکید کر دی گئی تھی کہ دیکھو کہ اس درخت یعنی زن و شو کے تعلقات کو چھونا
یعنی اس کی طرف مائل نہ ہونا شیطان تو انسان کا دشمن چلا آتا تھا اور آدم کو دھوکہ دینے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا
جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۲۱ میں ہے اس نے قسم کھا کر آدم اور حوا کو ان کے محسن ہونے کا یقین دلانا
شروع کیا جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۲۰ میں مذکور ہے۔ شیطان نے قسم کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اگر تم زن و
شو کے تعلقات قائم کر دگے تو تمہارا نام قیامت تک زندہ رہے گا اور تمہاری سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوگا
جس طرح شجر نشو و نما سے پھلتا اور پھولتا ہے اسی طرح تمہاری نسل بھی قیامت تک پھولتی پھلتی رہے گی۔
شجر سے جو لوگ شجرہ نسب تعبیر کرتے ہیں اس میں بھی راز مضمر ہے ہاتھ بھی ان کا پیدا کرتا ہے نشو و نما دیتا ہے اور پھر بھی دیتا ہے
حکمت ربی بھی یہی تھی کہ انسان کی نسل پھلے اور پھولے جب اس طرح کنبہ ہو جائے گا تو اس سے سوسائٹی
پیدا ہوگی اور بعد میں حکومت کرنے کا مادہ پیدا ہوگا۔ ماں جب بچے کا دودھ چھڑانا چاہتی ہے تو پستان کے
اوپر کڑوی سی چیز لگا دیتی ہے تاکہ بچہ خود ہی دودھ سے نفرت کرے اور بچے کو وہم و گمان بھی نہ ہو کہ اس کی ماں
اس سے دودھ چھڑانا چاہتی ہے اسی طرح حکمت ربی بھی اس امر کی مقتضی تھی کہ نسل آدم کا سلسلہ بڑھے اور
وہ ناممکن تھا جب تک کہ آدم علیہ السلام اور حوا میں میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ ہوں غرض آدم علیہ
السلام شیطان کے سبز باغ دکھانے میں آگیا اس وقت بہیمیت کا غلبہ ہوا اور ملکیت پر غالب آگئی
اور شیطان کی قسم پر اعتبار کر کے اس شجرہ کے نزدیک گیا جس سے منع کیا گیا تھا یعنی بیوی سے ہم بستر ہوئے
جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۲۱ و ۲۲ میں مذکور ہے ایک تو شیطان نے قسم کھا کر فریب دیا دوسرا آغاز جوانی
تھی ان سے حکم کی نافرمانی ہوگئی اس طرح اللہ تعالیٰ کے عتاب میں آگئے اللہ تعالیٰ کی ذات غفور و رحیم ہے ان کی
ندامت پر انکی خطا سے درگزر کیا گیا یعنی اس نافرمانی کا اثر ان کے دل سے دور ہوگیا اور جب تک ان پر یہ گناہ
کا اثر طبع میں تھا تو کچھ سوچ سمجھ نہ سکتے تھے اور ارتفاقات کی طرف توجہ نہ تھی جب ان کو معلوم ہوگیا کہ یہ خطا
نہ تھی بلکہ اسی خطا کا اثر ہم بھی ہماری فطرت میں رکھا ہوا ہے اور بخشش کی رحمت ان کے دل کو تسلی
دینے لگی اب وہ زمین و آسمان پر غور و فکر کرنے لگے اور تمام وسائل کو سوچنے لگے کہ کس طرح حیات کا بقا اور
روحانیات کی ترقی ہوگی اب باقی رہی یہ بات کہ یہ بہشت آسمانی تھی یا زمین پر آسمانی بہشت میں شیطان کا
داخل ہونا ممکن نہیں اس لئے امام ابن القیمؒ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ زمین پر آسمانی قوتوں (مثالی قوتوں)
سے پیدا ہوئی تھی اور دوسرا یہ کہ آسمانی بہشت تھی مگر آدم میں دو قوتیں تھیں ملکیت بہیمیت اور معراج

کے معنی ہیں کہ شئی اپنی معدن میں پہنچ جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی کہ ملکیت اپنی معدن میں پہنچ گئی اور بہیمیت بھی اس کے ساتھ تھی تو جب آدم اور حوا کو معراج ہوا تو زمین پر آ جاتے کیونکہ ملکیت اپنی معدن میں تھی روح اپنی معدن میں تھا اور جسم خاکی معراج کو زمین پر آئی یہاں شجرہ

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾

اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔

اس کے بعد آدم و حوا کو اس جنتی حالت سے نکالا اور ان کو غیر آباد زمین میں آباد کیا گیا اور رکھا گیا کہ تم کھیتی باڑی کرو اور اپنی روزی آپ پیدا کرو اس کے ساتھ ہی تاکید کر دی کہ اگر ہمارے احکام کی تابعداری کرو گے تو پہلے جنت سے بھی اعلیٰ جنت تم کو عطا کی جائے گی غرض ان کو پہلی جنت سے نکالنے میں بھی مصلحت تھی کہ اگر قوانین الٰہیہ پر کاربند رہیں گے تو اس سے اعلیٰ جنت ان کو دی جائے گی ایسا کئی دفعہ ہوا کہ کھیت کے ڈھیل چلا دیئے گئے تو اس سے کھیت میں اعلیٰ قسم کا کھاد تیار ہوتا ہے اسی طرح آدم علیہ السلام کے نکالنے میں اس کی بہتری کا راز مضمر تھا۔

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا۔

اللہ نے انسان کو کلمات سکھلائے جن سے اس کو تسکین ہوئی پھر وہ اپنی کھیتی باڑی میں اور جسمانی مادی اور روحانی ترقی میں لگ گیا۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾

ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب۔ پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

انہیں جنت سے نکال کر زمین پر رکھا گیا۔ اور کہا گیا کہ محنت اور مشقت کرو اور کھاؤ پیؤ
جمیعًا سے مراد ہے آدم علیہ السلام اور اسکی زوجہ اور اس کی اولاد جو جنت میں پیدا ہوئی۔

فامّا یاتینکم منی ھدًی اس قسم کی غلطیوں کے واسطے آئندہ کے لیئے اس طرح روک تھام کی جاتی ہے کہ تمہارے پاس ہماری طرف سے نبی آئیں گے اگر ان کی پیروی کرتے رہو گے تو جس طرح آدم علیہ السلام کو از سرِ نو پاک کر کے بزرگی دی گئی اس طرح تمہارے مراتب بلند کیئے جائیں گے۔

ع ۴

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۹

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانیوالے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کے بعد بھی جو قانونِ الٰہی کی پابندی نہیں کرے گا ان کے لیئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم ہے خالدون خلود بمعنی ٹھہرنا یا اقامت کرنا یا عرصہ دراز تک اقامت کرنا اس لئے خالدون کے معنی ہوئے اقامت کرنے والے اور ابد الاباد تک اقامت کرنا مراد نہیں جیسا کہ غلط خیال عام ہو گیا ہے۔

اصحاب النار جب ایک قوم جہنم کو مانتی ہی نہیں تو اسے جہنم کا خوف دلانے سے کیا فائدہ۔ مطلب یہ ہے انسان کو قانونِ الٰہی دیا گیا مگر اس نے اس اعلیٰ قانون کی نہ پیروی کی نہ قدر کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں اب وہ مامون و محفوظ نہیں ہے ان کا مال۔ جان۔ عزت اسلامی نقطۂ نگاہ سے اب محفوظ نہیں اب ان کی یہ تمام چیزیں خطرے میں ہیں اس لئے کہ اسلام کے امن کی آغوش میں وہ نہیں رہے وہ ہر وقت اس خطرے کو محسوس کرتے ہیں یہی آگ ہے جس میں وہ جل رہے ہیں یعنی ان کو تسکین قلوب حاصل نہیں اور اس سے بھی ایک بڑی آگ ہے جو ان کے لئے اگلی دنیا میں ہے۔ مثلاً ایک امیر نے ایک محل بنایا اور باغ رکھا اور اس میں استراحت کے کمرے اور [illegible] اور کھانے پینے کے اسباب رکھے اور اس کی رہائش عام کر دی گئی اور ایک قانون اسکی رہائش کے لئے لکھ کر دروازہ پر لٹکا دیا کہ فلاں جگہ سونا اور فلاں جگہ پائخانہ پھرنا اور فلاں رکابی میں جو طعام ہے وہ اول کھانا وغیرہ تمام قانون سہولت کے لئے لکھ کر لٹکا دیئے اور آخری لکھ دیا کہ جو شخص خلاف ورزی کرے گا اس کو یہاں سے نکال دیا جائے گا تو مثلاً ایک شخص استراحت کے کمرے میں پائخانہ پھرتا ہے تو ایسے شخص کو محل سے نکال دیا جائیگا اس دنیا جہان کو بھی اسی طرح خیال کرو کہ اسکے رہنے کے قانون انبیاء علیہم السلام بنا دیئے ہیں اور جو خلاف ورزی کریگا اس کو ذلت سے نکال دیا جائیگا۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ

أَوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ (۴۰)

اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے اور تم پورا کرو میرا اقرار تو میں پورا کروں گا تمہارا اقرار اور مجھ ہی سے ڈرو۔

نعمت، علم اور حکومت یعنی قومی حکومت اسے اللہ تعالٰی کی نعمت سمجھتے ہیں دماغ کی ترقی کے لئے دین کا ہونا ضروری ہے اور دین کو قائم کرنے کے لئے حکومت ضروری ہے اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کو حکومت دی اور جب تک وہ قانونِ الٰہی پر کاربند رہے اس وقت تک حکومت ان کے قبضہ میں رہی اور جب نافرمان ہوگئے تو حکومت ان سے چھن گئی اور ان کے بجائے قانونِ الٰہی پر عمل کرنے والی قوم یعنی مسلمانوں کو عطا کی گئی اس سورت کی چند پہلی آیات میں ذکر کیا گیا ہے کہ عربوں کی حالت اس قرآن یعنی قانونِ الٰہی پر عمل کرنے سے سدھر گئی اب قرآن حکیم بتلا رہا ہے کہ اسلام سے پہلے بہت سی متمدن اور مہذب قومیں دنیا میں گذر چکی ہیں جیسے یہود و نصاریٰ مگر ان کا تمدن ایک برباد شدہ چیز ہے جو اس زمانہ میں رائج نہیں ہو سکتا اور نہ اس وقت اس پر عمل ہو سکتا ہے اس وقت ایک اور مکمل قانونِ الٰہی کی دنیا کو ضرورت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (اوفوا بعھدی) جو دنیا کو راستبازی اور امن اور تمدن کا سبق دے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرآنِ حکیم نازل ہوا۔ موجودہ زمانہ میں پہلی کتابوں سے اس وقت کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس زمانہ کی ضروریات کی متکفل بھی قرآن ہی ہے غرض عہد اللہ سے مراد ہوتی ہے کتاب اللہ اس کتاب اللہ کے ذریعہ قوموں سے اللہ تعالٰی معاہدہ کرتا ہے کہ یہ کتاب تم کو دی جاتی ہے اس کے احکام پر پورے طور سے عمل کرو تم تم کو دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں اور آخرت میں جنت عطا کروں گا تو اب کہا جاتا ہے کہ تورات کو قائم کرو اس میں جو احکام ہیں ان پر پورا پورا عمل کرو تو ضرور تم کو احتیاج ایسے قوانین کی پڑے گی جو قرآنِ حکیم بتلا رہا ہے تو پھر اس زمانہ میں حکومت قائم کر سکو گے۔

نعمت علم حکومت

عہد اللہ ۔ کتاب

وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ (۴۱)

اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے بچتے رہو۔

تورات میں پیشنگوئی ہے کہ بنی اسرائیل جیسے موسیٰ کی مانند ایک نبیؑ ان کے بھائیوں سے آئیگا بنی اسرائیل کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ایسا نبی موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہیں آیا حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ وہی نبی تھا (انجیل یوحنا) مگر جب وہ نبی آگیا تو بنی اسرائیل پر فرض تھا کہ وہ اس نبی پر ایمان لاتے مگر وہ ایمان نہیں لائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ نبوت ہی میں فرمایا تھا کہ وہ مثیلِ موسیٰ علیہ السلام ہیں اور قرآنِ حکیم اس کے متعلق متعدد بار ذکر کرتا ہے۔ کتابِ استثنار باب ۶ آیت ۱ تا ۲ میں ہے "اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور ساعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشین شریعت ان کے غرض تورات کی اس بشارت کوہِ سینا کو جناب موسیٰ سے اور کوہ ساعیر کو جناب عیسیٰ سے اور کوہ فاران کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نسبت دی (کتابِ پیدائش تورات آیت ۱۰ و ۱۳ باب ۱۶) میں ہے کہ "خداوند کے فرشتے نے ہاجرہ سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا اور وہ "وحشی" آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔" (اسماعیل کا ترجمہ ہے سمع ایل یعنی خدا نے سنا) اور تورات میں جو "وحشی" کا لفظ ہے اصل میں ترجمہ کرنے والے کی غلطی ہے اس جگہ لفظ ہوگا "بیابان کا رہنے والا ہوگا" یعنی کہ بیابان کے رہنے والا ہوگا تو ہمیشہ اس کی اولاد لڑائی بھڑائی کرنے والی ہوگی۔ (اور کتابِ پیدائش آیت ۷ تا ۸ باب ۱۶ میں ہے) "اسماعیل کی پیدائش پر خداوند ابراہیم سے مخاطب ہوا کہ "میں تجھے برومند کرتا ہوں اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان ان کی پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا (کتابِ پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۸) اسماعیل سے سیدنا ابراہیم کو اس قدر محبت تھی کہ جب اسے اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی تو ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل تیرے حضور میں زندہ رہے۔

تب خدا نے کہا کہ "اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سن لی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اسی سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا (کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰) حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کتاب یوحنا یعنی،

فارقلیط

انجیل میں ہے آیت ۱۴ فقرہ ۱۶ میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں فارقلیط (ترجمہ میں
اسے مددگار دکھلایا ہے) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے آیت ۱۶ " فارقلیط (اس کا مددگار
ترجمہ کر دیا گیا ہے) جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب باتیں سکھلائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے
کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا باب ۱۴ آیت ۲۶ "جب وہ فارقلیط (انجیل میں "مددگار" ترجمہ
کر دیا گیا ہے) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میری گواہی دے گا اور
تم بھی گواہ رہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ باب ۱۵ آیت ۲۶ و ۲۷ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا
تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (بائبل میں "مددگار" ترجمہ کر دیا گیا ہے)
تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ اگر جاؤں گا تمہارے پاس بھیج دوں گا (باب ۱۶ آیت ۷ و ۸) لیکن جب وہ
فارقلیط آئے گا تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے
گا وہی کہے گا (باب ۱۶ آیت ۱۳ کتاب یوحنا) غرض اب تورات اور انجیل کی پیش گوئی کی تکمیل اسی
سے ہو سکتی ہے کہ اس نبی (نبی امّی) کا دنیا میں ظہور ہو مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی
کے مطابق "وہ نبی" دنیا میں آتا ہے تو بنی اسرائیل اس سے منکر ہو جاتے ہیں جس کا یہ مطلب ہوا کہ بنی اسرائیل
اپنی کتاب کو خود جھٹلاتے ہیں ایک قانون ایک نبی کے ذریعہ ایک امت کو دیا جاتا ہے مگر نبی ساتھ
ہی کہہ دیتا ہے کہ میرے بعد فلاں نبی آئے گا وہ اس قانون کی تکمیل کرے گا ان کا یہ مطلب ہے کہ قانون
ایک محدود عرصہ تک دیا گیا ہے یعنی دوسرے نبی کے آنے تک ہی یہ نافذ رہے گا۔

یہود نے بہت مدت سے تورات کو غیر معمولی ٹھہرا کے چھوڑ دیا تھا کہ اس کے قوانین اب زمانہ میں
نہیں چل سکتے وہی احکام قرآن حکیم نے بتا کر اس کو عملی صورت میں لایا اور اس قانون پر عمل کرنے کے لئے ایک
بڑی سمجھ دار جماعت پیدا کر دی تو اس سے ثابت ہوا کہ اساسی قانون تورات کے سچے تھے تو یہود کو چاہئے تھا
کہ اس دعوت کو لبیک کہتے مگر انہوں نے چونکہ دیکھا کہ قرآن حکیم ان کے جزیات مخصوصہ قومی کو رد کرتا ہے تو وہ
بگڑ بیٹھے حالانکہ وہ "جزیات" زمانہ میں چل نہیں سکتے تھے وہ جزیات اصولِ اساسی تورات کے نہ تھے دلائکو نواول
کافر بہ اگر تم اس نبی کی نبوت سے انکار کرو گے تو پہلی کتابوں کی پیش گوئیوں میں شکوک پیدا کرو گے اس لئے کہ
اس نبی آخر الزمان کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام (دعائے خلیل اور نوید مسیحا) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام اولوالعزم پیغمبر پیشن گوئیاں کرتے چلے آئے ہیں غرض "انکار احکام القرآن یستلزم
انکار احکام التوراۃ وھو کفر متفق علیہ" اس کے مرتکب تم اول امت بنو یعنی پیشوائے کافرین مت بنو۔

ولا تشتروا بایاتی ایک مذہبی سوسائٹی ہے وہ چند مذہبی قانون جو بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں ان پر جماعت کو آگاہ نہیں کرتی اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ لوگ اس پر عمل درآمد نہ کرسکیں اور جب انہوں نے لوگوں کو احکام بتلائے لوگوں نے عمل نہ کیا تو وہ مذہبی سوسائٹی کی ساکھ نہ رہی اس لئے وہ آئندہ اس قسم کے سخت قوانین یا کسی اور قسم کے قوانین لوگوں کو نہیں بتلاتے گویا وہ اپنی اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ایک قلیل کی رقم پر فروخت کر رہے ہیں وایای فاتقون تقویٰ کے معنی ہیں قانونِ انصاف کی پابندی کرنا یعنی میرے قانون کی پابندی کرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر۔

انسان کے مدِنظر دو باتیں ہیں ایک مقصد بالذات دوسرا ذرائع مقصد مثلاً جہاد مقصد ہے اور "حج" اور نماز اور زکوٰۃ ذرائعِ مقصد حج اس لئے تھا کہ اس سے مسلمانوں میں فوجی قوت نمایاں ہو اور انہیں میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھنے کا موقع مل سکے۔ نماز اس لئے تھی کہ میدانِ جنگ میں سخت مصروف ہونے کے باوجود خدا کی یاد سے مسلمان غافل نہ رہیں اور زکوٰۃ سے مراد تھا کہ ہر ایک اپنے لئے بافراط سامانِ جنگ خرید سکے اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے گو یہ بھی فرائض سے ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا اس کا نام سچ میں جھوٹ ملا دینا ہے۔ بنی اسرائیل کو دینی حکومت عطا کی گئی مگر انہوں نے اسے اب دنیاوی حکومت کے سانچے میں ڈھال دیا اس میں صرف سہل اور مطلب کے قوانین نافذ کئے باقی کو ترک کر دیا اسلئے حکم ہوتا ہے کہ سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ اور نہ ہی اصلی قوانین یعنی سچ کو چھپاؤ۔

تورات میں نبی آخر الزمان کی آمد کے متعلق صاف پیش گوئی تھی مگر اسے اب بنی اسرائیل اپنے الفاظ میں تاویل کرنے لگے اور اسی طرح سچائی کو جھوٹ سے ملاتے تھے اور فارقلیط کی تاویل کر دی ورنہ فارقلیط کے صحیح معنی احمد ہیں جیسے خطباتِ احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خاں میں ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾

اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ۔

ان ابتدائی فرائض کو ٹھیک مطلب کے لئے ادا کرو جس سے اصلی مقصد پورا ہو وارکعوا جماعت

اصلی مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہے اور کوشاں ہے تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ یعنی جن لوگوں کو دیکھو کہ وہ نماز اور زکوٰۃ ٹھیک اور درست طریقہ پر ادا کرتے ہیں تم ان کے ساتھ فوراً شامل ہو جاؤ یہ ہی بین الاقوامی طریقہ ہے خاشعون دیکھو سورت الاعلیٰ پارہ ۳۰

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَٰشِعِينَ ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿٤٦﴾ ع ٥

کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔ اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر۔ جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اگر عام لوگوں میں امام مسجد یہ خیال پھیلائے کہ جمعرات کے دن مُردوں کی روحیں کھانے کے لئے آتی ہیں تو اس طرح لوگ جو اس عقیدے کے قائل ہیں وہ بھی خوش رہتے ہیں اور امام مسجد کی روٹی کا ذریعہ بھی قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی آدمی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ ایک گمراہ کن خیال ہے تو نہ صرف عام مسلمان ہی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے بلکہ امام مسجد بیچارے کا تو حلوا مانڈہ بھی بند ہو جائے گا۔ اب بنی اسرائیل کے علماء کو حکم ہوتا ہے کہ اگرچہ تمہیں نقصان ہی اٹھانا پڑے تم پھر بھی اس حالت میں بھی قانونِ الٰہی کو پھیلانے کے لئے مکمل جدوجہد کرو اس راستہ میں اگر مشکلات بھی پیش آئیں تو ان پر صبر کرو اور پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے اس کام کی طاقت و ہمت بھی صرف انہیں لوگوں میں ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید ہوتی ہے اور انہیں اس بات کا خوف ہے کہ کل اللہ تعالیٰ کے روبرو سب کو حساب و کتاب دینا پڑے گا وہاں کسی قسم کی پشیمانی نہ اٹھانی پڑے بلکہ اپنے اللہ کے ہاں سرخرو رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل موجود تھے ان کے لئے ان آیات میں بتلایا گیا کہ اگر وہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے میں مسلمانوں کے ہم شریک ہوں گے تو ان سے حکومت نہیں چھینی جائے گی بلکہ مسلمانوں کے ساتھ حکومت میں وہ بھی شریک ہوں گے۔

الٓمٓ - ۱

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے تم پر کئے۔ اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالم پر۔

نعمت: علم و حکومت یعنی قومی حکومت (بین الاقوامی) وانی فضلتکم ہم نے ایک ایسی کتاب دی جس کے اتباع سے قوموں کے سردار بن سکتے ہیں قوم میں اگر چہ چند افراد قابل ہوں تو قومی حکومت بنا سکتے ہیں اور اگر قوم قابل ہو جائے تو بین الاقوامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروگرام بین الاقوامی حکومت بنانے کا تھا مگر ان کی قوم اس قابل نہ ہو سکی کہ اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی اسلئے آخر کار ان سے حکومت لے لی گئی موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے فائدہ اٹھاتے اس لئے آخر کار تباہ ہو گئے۔

(۱) قرآنِ حکیم میں زیادہ یہود و نصاریٰ کا ذکر آیا ہے اور دنیا کی باقی متمدن قوموں کے حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذکر صرف مثال کے طور پر آیا ہے (۲) قرآن حکیم دنیا بھر کے لئے تعلیم پیش کرتا ہے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً کسی قوم یعنی عرب یا قریش کو دنیا بھر کا شاہنشاہ بنا دیں اس طرح جیسا کہ ہم پہلے سوچتے تھے کہ عرب کا ایک بادشاہ دنیا میں سب سے بڑا ہو گیا تو اس سے ترقی ہو جائے گی مگر اب ہم نے یہ سمجھا کہ یہ خیال غلط ہے اگر قوم ترقی کرکے آگے بڑھے گی تو دوسری قومیں اس کو برباد کر دیں گی ہندوؤں میں برہمن اور مسلمانوں میں سادات اور دونوں کی ایک ہی پوزیشن ہے یہ دونوں بس یہی سوچتے ہیں کہ دنیا بھر میں صرف انہی کی حکومت ہونی چاہیے۔ اور دنیا ہے کہ وہ ان کی بات سنتی ہی نہیں اس واسطے یہ پھر کہتے پھرتے ہیں کہ دنیا میں اب قابل آدمی ہی نہیں رہے جو ہماری قدر کریں (۳) کیا قرآن حکیم کا یہ مقصد ہے کہ سیدوں کے بزرگوں کو شاہنشاہ بنا دیا جائے؟ اور قرآن حکیم اس کو پورا نہ کر سکا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سب سے زیادہ فیل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہے اس لئے کہ سادات کے بزرگ تو شاہنشاہ بن نہیں سکے اس کے بعد دوسرا درجہ آتا ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ جس طرح آج کل ہم برٹش نیشن حکومت کر رہی ہے اس طرح ہم عرب کو تمام دنیا پر حاکم مان لیں عربوں کا اصلی دورِ حکومت صرف دو سو سال یا اڑھائی سو سال رہا اس کے بعد عجمی آگے بڑھے اور وہ برسرِ اقتدار آگئے اب عرب روتے پھرتے ہیں کہ ہماری ترقی رک گئی (۴) اگر قرآن حکیم کا مطلب یہ تھا کہ عرب کو بادشاہ بنا دیا جائے تو سمجھئے کہ قرآن

حکیم نہیں ہوگیا اسلئے کہ عرب جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اپنی حکومت دو اڑھائی سو برس سے زیادہ قائم نہیں رکھ سکے اب اس کے بعد ہمارے سامنے قرآن حکیم کا اصلی مقصد آتا ہے کہ ابراہیمی اصول پر جو فطرت انسانی کے بالکل قریب قریب ہے ایک دینی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) تحریک کامیاب کر کے دکھا دے جس میں تمام قومیں جو ان کے اصول کو قبول کریں مساوی درجہ میں رہیں جو لوگ ان اصولوں پر زیادہ عمل کریں گے وہ مقدم سمجھے جائیں گے خواہ وہ عرب ہوں یا عجمی اس کے متعلق اسلام میں آج تک صاف روایات ملتی ہیں کہ "عرب کو عجم پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے" یعنی جو آدمی سب سے زیادہ متقی ہوگا وہ سب سے زیادہ افضل ہوگا۔ قرآن حکیم نے اس کے متعلق صاف طور پر کہا ہے اِنَّ اَکرمکم عند اللہ اتقاکم یعنی تم میں عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ وہ ہے جو اسی قانون کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ "مگر ہمارا ترجمہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ جو قرآن حکیم کے قانون کے مطابق سب سے زیادہ عدالت کر سکتا ہے" تو اس آیت کی تفسیر میں آج تک روایات بھری پڑی ہیں کہ عرب اور عجم میں کوئی فرق نہیں ہے اب اس سے ہم ایک نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام دنیا میں ایک اصول کو زندہ کرنے آیا ہے اس کو کوئی شخصیت یا قبیلے یا کسی خاص قوم سے تعلق نہیں ہے زمانہ کے حالات کے مطابق جو قوم یا قبیلہ یا شخص ان اصولوں پر زیادہ پابند رہے گا ان کی دنیا میں عزت ہونی لازمی ہے جب وہ ان اصولوں پر کاربند نہیں رہیں گے اور دوسرے لوگ ان کی جگہ لے لیں گے تو اب جو عزت پہلے لوگوں کی تھی اب ان کی وہی عزت ہوگی اور پھر پہلے لوگوں کے پس ماندوں کی عزت نہیں رہے گی (اس لئے کہ انہوں نے قانونی پابندی نہیں رکھی) تو کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ قرآن حکیم ایک انٹرنیشنل اصول قائم کرتا ہے

(۵): اس کے بعد یہ اصول جس کی قرآن حکیم نے ابتدا کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ابراہیمی اصول کی تائید کرتا ہے اسنے کوئی نیا اصول پیش نہیں کیا بلکہ یہ ابراہیمی اصول کی طرف دعوت دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی رکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول اتنے فطری ہیں کہ وہ تمام قوموں میں مسلّم تھے ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جو لوگ تھے وہ بھی اس اصول کے حامی تھے اور بعد میں جو لوگ اچھے پیدا ہوئے تو وہ اس سے زیادہ اچھا بنیادی قاعدہ (قانون) نہیں پیش کر سکے اسی معنی میں ابراہیم علیہ السلام دنیا بھر کا امام ہے۔ اور یہ قرآن حکیم کے مضامین میں سے یہ بات نکلتی ہے

(۶) اب ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والی دنیا میں دو قومیں پہلے سے موجود ہیں یہود نصاریٰ اور ان کے پاس تعلیماتِ الٰہی انبیاء اور اپنی تاریخ کا ایک سلسلہ موجود ہے اور اس میں جس قدر زمانہ کی مسلسل تاریخ پیش کی گئی ہے دنیا کی کوئی اور قوم شاید پیش نہ کر سکی اس میں شک نہیں کہ دوسری قوموں کے تاریخی ٹکڑے

بہترین شکل میں ملتے ہیں مگر ان میں تسلسل قائم نہیں رہتا اب ان تینوں قوموں کو ملا کر (بنی اسرائیل کی دو قومیں یہود و نصاریٰ اور بنی اسماعیلؑ) دنیا کے روبرو ایک انٹرنیشنل تحریک پیش کر دی اور پروگرام کی تمام تفاصیل ان کی ضروریات کو سامنے رکھ کر مقرر کر دیں یہ چیز بھی ایسی ہے کہ قرآن حکیم کے مقاصد میں سے ہے جیسے قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روایات ہیں اور ان کے واقعات ہیں جو مثال کے طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ (۷) یہاں تک ہماری سمجھ پہنچ گئی ہے اس کے بعد ہمیں ایک شبہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم اپنی تعلیم میں ان تینوں قوموں کے علاوہ کسی چوتھی قوم سے غرض نہیں رکھتا جیسا کہ اہلِ علم کی متفقہ ذہنیت پائی جاتی ہے اور دوسری قوموں کو ان تینوں قوموں کے مجموعے کی ڈکٹیٹرشپ مان لینی چاہیے ہم اسی عام خیال کی ترجمانی کر رہے ہیں اور یہ عام علمی خیال ہے جو ہم نے بھی لیا ہے اس پر ہمارا شبہ یہ نیا پیدا ہونا شروع ہوا کہ سب سے زیادہ مذہبی جماعت آج دنیا میں ~~سب سے زیادہ~~ بدھ ہیں اور پھر دوسرے درجہ پر اپنی قدامت کو محفوظ رکھنے والی جماعت ویدک دھرم (ہندو) ہیں ان کی کس قدر پرانی لمبی تاریخ ہے اور یہ اس پر شاندار طور پر چلے آرہے ہیں۔ اب اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ دونوں اگرچہ اپنی شان رکھتے ہیں اس واسطے اب ان کا نام نہیں لینا چاہیے جس قدر ہم نے قرآن حکیم کو دیکھا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی غلطیاں بتلاتا ہے اس سے زیادہ غلطیاں بدھ اور ہندو دھرم میں قطعی طور پر نہیں ہیں۔ ہندوؤں اور بدھوں میں کوئی غلطی ایسی نہیں جو حرف بحرف یہود و نصاریٰ میں بھی نہ ہو تو یہ سبب کافی نہیں ہے کہ چونکہ یہ گمراہ قومیں (ہندو اور بدھ) ہیں اس واسطے ان کا قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں آنا چاہیے۔

(۸) اب ہم نے اپنی طرف سے ایک نظریہ (اسی شبہ کا جواب) بنانا شروع کیا۔ نصاریٰ کی تعلیم میں جس طرح کی رہبانیت پائی جاتی ہے اسی قسم کی رہبانیت بدھوں میں بھی ملتی ہے تو ممکن ہے کہ ان کے اصول قریب قریب ہوں جیسے نصاریٰ میں مسیح کو ایک فرقہ خدا مانتا ہے ویسا ہی بدھوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ "ساکی منی گھوتم" کو خدا مانتے ہیں۔ یہود میں اپنی پرانی رسموں کے ادا کرنے میں جس قدر تشدد پایا جاتا ہے اور وہ اپنے سوائے دوسری قوموں کو بالکل خارج مان لیتے ہیں قریب قریب یہی حال ہندوؤں میں آرمین تہذیب کا ہے وہ اپنی پرانی باتوں کو نہایت سختی سے ادا کرتے ہیں اور اپنے برابر کسی کو نہیں جانتے۔ بت پرستی اور شرک ہندوؤں میں بہت زیادہ پھیل گیا مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے تو یہ ان کی اصل دینی بات نہیں تھی اس قسم کی چیزیں یہود میں بھی ملتی ہیں اگرچہ نسبت کا فرق ہے۔ ہندوؤں میں زیادہ اور یہود میں کم۔ یہود اور برہمنوں کی بہت سی ذہنیتیں ایک ہی قسم کی ہیں جیسے یہ ردی

توراۃ کے الفاظ کو خدا کی زبان سے نکلا ہوا مانتے ہیں اس واسطے عبری (عبرانی) زبان کو دنیا بھر کی زبانوں سے مقدس سمجھتے ہیں اسی طرح برہمن سنسکرت زبان کے تقدس کا اسی طرح قائل ہیں جس طرح کہ یہود نسبی طور پر دین میں عزت قائم رکھنا دونوں فرقوں میں ہے یہود بنی اسرائیل کی نسل کو دین کا حقیقی مالک سمجھتے ہیں اور دوسری قوموں کو خادم کے درجہ پر سمجھتے ہیں اور یہی حال ہندو دھرم کا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین کا حقیقی مالک سمجھتے ہیں اور باقی دنیا شودر یعنی خدمت کرنے والے اب ہندو دھرم میں نسلی برہمن ہمیشہ برہمن ہی ہے۔ اور باقی جو قومیں داخل کر لی جاتی ہیں انہیں صرف خدمت کے لئے ملا لیا جاتا ہے اب ہمارا خیال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں یہود و نصاریٰ کو جو مخاطب کیا ہے اور ان کی غلطیاں بتلائی ہیں یہ اس لئے نہیں کہ یہود و نصاریٰ اس انٹرنیشنل کا جز نہیں بلکہ یہ صرف مثال کے طور پر بتلائی گئی ہیں جیسے نحو میں نصب کی مثال دینی ہو تو بھی زید کا نام لیا جاتا ہے جس طرح ضربت زیدًا اور رفع و جر کی مثال میں بھی زید ہے جیسے ضرب زیدٌ - مررت بزید۔

(۹) عرب چونکہ یہود و نصاریٰ سے زیادہ واقف تھے اور دوسری قوموں سے زیادہ واقف نہ تھے اس واسطے قرآن حکیم میں انہیں قوموں پر زیادہ زور دیا گیا ہے ورنہ تحقیقی طور پر جو درجہ اس انٹرنیشنل میں یہود کا ہوگا وہی درجہ ایک برہمن کا ہوگا اور جو درجہ ایک عیسائی راہب کا ہوگا وہی درجہ ایک بدھ بھکشو کا ہوگا بشرطیکہ یہ لوگ ابراہیمی اصول کو مقصد حیات بنالیں اگر اس طرح ان دو بڑی قوموں کو جس میں ویدک تہذیب ماننے والے ہوں اور زرتشتی (ایرانی) بھی ہمارے نزدیک آرین تہذیب کے ساتھ ہی مانے جاتے ہیں اور بدھ ان دونوں قوموں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ ملا کر اس کو انٹرنیشنل کا جزو بنا دیا جائے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ متمدن دنیا کا کوئی ٹکڑا باقی نہیں رہے گا۔ غیر متحد حصے تمام دنیا میں جہاں جہاں پھیلے ہوئے ہیں ایک رتبہ رکھتے ہیں۔ عرب کے بدو، وسط ہند کے راجپوت ایران کے زرتشتی جزائر کی آبادیاں اور سائبریا کے لوگ سب ایک درجہ پر ہیں یہ سب غیر متحد درجہ رکھتے ہیں یکساں نہیں متمدن قوموں کا فرض ہے کہ غیر متمدن قوموں کو ترقی کی راہ دکھلائیں قرآن حکیم کا جو سیدھا مطلب ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام اقوام کو ایک انٹرنیشنل باڈی میں جمع کر دیا جائے۔

(١٠) ہمارے اس نظریہ کے مطابق ہمیں قرآن حکیم کی باقی تعلیم عمومی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ہم اس کو جن طلباء کے روبرو ذکر کرتے ہیں وہ سن تو لیتے ہیں مگر قدرے ناگواری سے اس لئے کہ عام علماء اس کے متعلق کچھ لکھتے نہیں ہیں اور علماء کے نزدیک ویدک دھرم اور بدھ دھرم کے بزرگوں کو عزت کرنا ناجائز ہے ہمارے ایک دوست نے (مودودی) ایک کتاب لکھی ہے الجہاد فی الاسلام اس نے اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہود و نصاریٰ ویدک بدھ کے مذاہب میں جہاد کی جو اصلی تعلیم ہے اس نے ان مذاہب کی کتابوں سے

نقل کر کے اصل صورت میں پیش کر دی ہے ان میں ایک عجیب بات ہے کہ یہود اور ہندو بالکل ایک ہی
ذہنیت کے صاف دکھلائی دیتے ہیں تو یہ کتاب ایک طرح پر ہمارے نظریہ کو ایک قسم کا ثبوت بہم پہنچاتی
ہے حجۃ اللہ البالغہ پڑھنے کے بعد قرآن کی عالمگیر تحریک کا مصداق ثابت کر کے اس سے کم کسی تحریک
میں رہنے کی طاقت نہیں رہی یعنی اس سے کم درجہ پر ہم کسی تحریک کو مانتے ہی نہیں ۔(۱۱) اس کے بعد بعض
الفاظ ایسے ہیں جیسے کہ مذہبی عہدہ داروں کے نام ہیں اور وہ یہود اور ویدک دھرم والوں میں یکساں استعمال
ہوتے ہیں مثال کے طور لیجئے "کاہن" جو یہود کا سب سے بڑا عہدہ دار ہے جو ان کی عبادت گاہوں کے انتظام
کرنے والا ہے اور ویدک دھرم میں مہا بھارت کے ہیرو کا لقب "کاہن" ہے اب ان دونوں الفاظ میں
کہیں تو اتصال ہو جانا چاہیئے ۔ ہندوؤں نے یہود سے لیا یا یہود نے ہندوؤں سے ہمیں اس سے بحث نہیں ہے
جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہود نے ہندوؤں سے لیا تو وہ مصر کو واسطہ بناتے ہیں ۔ ہندوؤں سے مصریوں نے
لیا اور مصریوں سے یہود نے لیا اب دوسرا خیال یہ ہے کہ ہندوؤں نے یہود سے لیا ۔ ان قوموں نے اتصال کا
کون سا موقع لیا ہے ہمیں ان کی کوئی بات معین نہیں ہے اور اگر یہ نظریہ صحیح بھی مان لیا جائے تو ہماری رائے
میں مقام اتصال کشمیر ہونا چاہیئے ۔(۱۲) ہندوؤں کی دونوں تہذیبوں کا (ویدک دھرم اور بدھ مت) اپنے اپنے
زمانہ میں کشمیر بڑا مرکز رہا ۔ ہندوؤں لٹریچر میں "اندر" بہشت کے راجہ کا نام ہے بعینہ جیسے اسلام نے "رضوان"
نام کا فرشتہ جنت کا خادم مان رکھا ہے تاریخی تحقیق یہ ہے کہ اندر جس کا ہندو لٹریچر میں نام ہے وہ کشمیر کا
راجہ تھا اور کشمیر کو آج تک "جنت کی نظیر کہا جاتا ہے" ۔(۱۳) اسلامی لٹریچر میں بھی اس کے قریب قریب بات
ملتی ہے کہ آدم جب جنت سے نکالے گئے تو روایت یہ ہے کہ وہ اس کے بعد سراندیپ پہنچے ۔ صبح المرجان
میں آزاد بلگرامی نے تفسیروں کی روایات نقل کی ہیں اور ایک دوسری کتاب "آکام المرجان" ہے ان دونوں کتابوں میں
ایسی روایات ملتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب فوت ہونے لگے تو ان کا جی چاہتا تھا کہ ان کو اس جنت کے باغ کا سیب
ملے غرض ان کی طبیعت کی خواہش دیکھ کر ان کی اولاد میں سے چند آدمی شمال کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں
انہیں فرشتہ نے بتلایا کہ تمہارا باپ فوت ہو گیا ہے اس واسطے سیب کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اب
اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں کشمیر سے زیادہ بہتر سیب کہیں نہیں ملتا اگرچہ ان روایات کو ہم خرافات کا
درجہ دیتے ہیں مگر بعض اوقات ان کی تہ میں بڑی حقیقتیں آ جاتی ہیں ۔(۱۴) جس وقت اسلام کشمیر میں آ گیا
اس وقت کشمیر میں بدھوں کی حکومت تھی اور یہی حالت سندھ کی تھی کہ وہاں جب اسلام گیا اس وقت وہاں
زیادہ تر بدھ تھے اور یہ دونوں ٹکڑے اسلام سے معمور ہو گئے بدھوں میں اسلام قبول کرنے کی استعداد زیادہ تھی اور

دونوں ملکوں (کشمیر اور سندھ) میں مسلمانوں کے بڑے بڑے صوفی پیدا ہوئے تو جو اسلام ایک مسلمان صوفی پیش کرے گا اسے ایک بدھ صوفی بہت جلدی قبول کرے گا اب اگر ہمارا یہ خیال صحیح مان لیا جائے تو مسیح علیہ السلام کی زندگی کا جو غائب حصہ ہے (دیکھو سورۃ المومنون آیت ۵۰ فقرہ ۵) اسے اس طرح حل کیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر تک پہنچے اور اسی طرح ان دونوں مذاہب (ویدک دھرم اور بدھ مت) سے اتصال ہوا اور اس کے بعد مسیح علیہ السلام جو تعلیم یہود کی اصلاح کے لئے پیش کرتے ہیں وہ اسی طرح کی ہے جیسے کہ گوتم بدھ نے ہندوؤں کی اصلاح کے لئے پیش کی تھی اس طرح کی مناسبت پر نظر کرنے سے ایک قسم کا تخیل بن سکتا ہے (دیکھو سورۃ مائدہ آیت ۶۹)

مسیح کشمیر میں

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی اور قبول نہ ہو اسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلا اور نہ ان کو مدد پہنچے۔

ایک بادشاہ کے دربار میں ایک مجرم کی رہائی کے چار ذرائع ہیں اول اپنے عوض کسی دوسرے کو پیش کرے کہ درحقیقت یہ بے گناہ ہے اور خطا دوسرے کی ہے۔ اور دوسرے کوئی بادشاہ کے مقربین میں سے اس کی سفارش کرے یا اس کی گذشتہ خدمات کے معاوضہ میں رہائی دلوا دے تیسرے مخلص یا ہدیہ دے کر رہائی حاصل کرے چوتھے کوئی دوسری طاقت اسی بادشاہ سے جنگ کر کے اسے رہائی دلوا دے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں وہاں صرف اپنے عمل ہی کام آئیں گے غرض اس میں بتلایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو علم نبوت اور حکومت عطا کی گئی اور اگر وہ اسکی استعداد حاصل کر لیتے تو یہ نعمت ان کے پاس رہتی مگر ان کے استعداد حاصل نہ کرنے کے باعث یہ نعمت (حکومت) ان سے چھین لی گئی نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نہر ایک

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم کو برا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو۔ اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم نے بنا لیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے۔ پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ تم احسان مانو۔

یعنی انسان کو تعلیم دینے کا یہ طریقہ ہے کہ اسے کام سمجھا کر کام پر لگا دیا جائے اس کام کے سرانجام دینے میں اس سے دو قسم کی غلطیاں سرزد ہوں گی یا تو پیچھے رہ جائے گا یعنی نیچے گر پڑے گا یا حد سے زیادہ آگے بڑھ جائے گا ان دونوں صورتوں میں اسے معافی دینے کے بعد پھر اسے دیکھا جائے گا کہ تیسری دفعہ بھی کام کو سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں اس وقت اسکی قابلیت کا اندازہ لگ جائے گا!

بنی اسرائیل کی پہلی غلطی آیت ۵۱ میں بیان کی جاتی ہے کہ ان کو فرعون سے نجات دے کر حکومت دی گئی اور ان کی پہلی نیچے کی طرف یہ غلطی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ۴۰ دن کے لئے پہاڑ پر گئے تو یہ شرک میں مبتلا ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ... آیت ۵۲ میں انہیں معاف کیا تاکہ جیسی انہیں تعلیم دی گئی تھی اس تعلیم پر عمل کریں! شکر کے معنی ہیں جیسے تعلیم دی جائے بعینہٖ عمل کرے اس آدمی کو شاکر کہتے ہیں یعنی اس نے اس تعلیم کی قدر کی۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔

فرقان یعنی قوت ممیزہ کتاب دی یعنی قانون دیا اور حق و باطل کو تمیز دینے والی قوت دی یعنی انہیں کتاب اور حکمت (فرقان) دی تاکہ یہ سیدھے راستہ کا امتیاز کر سکیں مثلاً سورج کو اگر کتاب سمجھیں اور سورج کو دیکھنے والی آنکھ اسی طرح اسی سورج یعنی کتاب کو دیا اور حق اور باطل کو تمیز کرنے والی آنکھ یعنی فرقان یعنی قوت ممیزہ

عطا کی اسلام میں تین چیزیں ہیں۔ اسلام ۔ ایمان ۔ احسان ۔ احسان کو آج کل کی اصطلاح میں تصوف کہتے ہیں یعنی جس سے حق و باطل کی تمیز کر سکیں جب تک کہ احسان کے نام سے اسے تعبیر کیا جاتا تھا تو یہ گروہ پاک اور بے لوث تھا جو گروہ شر از میں کرنے والا مفسدہ پرداز تھا اسے منافق کہتے تھے اسی طرح اب موجودہ صوفیوں میں بھی دو گروہ ہیں ایک تو محقق صوفی دوسرے دنیادار صوفی جنکا کام ہی صرف دنیا کمانا ہے فرقان کے معنی ہیں صحیح ضمیر عطا کرنا جس سے حق و باطل میں تمیز کر سکیں جب یہ قوت ان سے چھن جاتی ہے تو وہ غرق کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ
عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (۵۴)

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر بے شک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان۔

انقلابی جماعت

یعنی یہ ترک کرنا گویا خودکشی کے مترادف ہے پہلی غلطی کے متعلق یہ تنبیہ کی کہ اپنے آپ کو قتل کریں فاقتلوا انفسکم انقلابی جماعت یا کوئی گری ہوئی جماعت جب کام کرنے کے لئے آمادہ ہوئی ہے تو یا تو پہلے سے بھی گر جاتی ہے یا بہت زیادہ آگے بڑھ جاتی ہے ان کے لیڈر کا کام ہے کہ ان کو درمیانی راستہ بتلائے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی حالت قابل رحم تھی وہ ہر ایک قسم کے ظلم برداشت کرتے تھے مگر اتنی ہمت نہیں تھی کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں اللہ تعالےٰ نے ان کی حالت سدھارنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا وہ قوم کو تعلیم دے رہے تھے اور ان کو سیدھے راستے پر چلا رہے تھے کہ راستہ میں بچھڑے کو پوجنے سے وہ گر گئے اور اسی طرح ان ہی نے جماعتی قواعد کی خلاف ورزی کی اصول کی نافرمانی کی سزا انقلابی جماعت میں واجب القتل ہے مگر اس سزا پر ایسی صورت میں عمل درآمد ہو سکتی ہے جب حکومت اپنی ہو چونکہ بنی اسرائیل میں حکومت نہ تھی اسلئے ان کے ضمیر کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی صدق دل سے توبہ کرتے ہو تو اپنے آپ کو قتل کرو اس سے تمہاری مغفرت ہوگی انقلابی جماعت گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کے ممبر قوانین کی خلاف ورزی

کریں اور جب وہ ایسا کریں تو ان کی سزا واجب القتل ہوتی ہے انقلابی جماعت میں اگر ہر ایک شخص آزاد ہو تو ترقی موہوم ہو جائے گی اس واسطے قتل کی سزا بہت ضروری ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے۔

اب بنی اسرائیل کی تیز گامی کی مثال بتلائی جاتی ہے کہ وہ یا تو اس قدر بڑھ گئے کہ اللہ کو دیکھنے کے خواہشمند ہوئے اور حالت یہ ہے کہ بجلی کی طاقت کی تاب نہیں اور آرزو ہے اللہ کو دیکھنے کی یہ ان کی حد سے بڑھنے کی مثال دی جاتی ہے اس کی سزا بھی وہی قتل ہے۔ غرض انبیاء کی تعلیم اسلئے دی جاتی ہے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو۔

جس طرح مریض کو سکتہ کی حالت میں ڈاکٹر موت کا فتویٰ دیتا ہے حالانکہ مریض کی موت واقع نہیں ہوئی اکثر دفعہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس میں زندگی کے آثار دوبارہ آجاتے ہیں بعینہٖ بنی اسرائیل کی یہی حالت تھی ان پر ایک ایسی حالت طاری کر دی گئی اور بعد میں ان کو اصلی حالت پر لایا گیا قرآن حکیم کی تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ جب ملک الموت انسان کی روح کو قبض کرتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئے ہاں انسان پر سکتہ سی حالت طاری ہوتی ہے تو روحانی طور پر اللہ تعالےٰ کے بندے انہیں دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں شکر کے معنی ہیں کہ جیسی تعلیم دی گئی ہے بعینہٖ اس پر عمل کرے یعنی اس تعلیم کی انہوں نے قدر دانی کی غرض ذکر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ زندگی بخشی شاید کہ وہ شکر کریں یعنی جیسی ان کو تعلیم دی گئی ہے بعینہٖ اس پر عمل کریں اور اپنے تعمیری پروگرام کو مکمل کرنے پر مستعد ہو جائیں۔

بنی اسرائیل کو اخلاقی تربیت دی جا رہی تھی وہ اس جگہ ختم ہوئی اب ان میں صحرائی یعنی فوجی تربیت دی جارہی ہے

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دی۔ اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کو اب صحیح تعمیل حکم کی تعلیم دی جا رہی ہے انہیں سکھلایا جا رہا ہے کہ حکم کی تعمیل فوراً ہونی چاہیئے۔ مگر وہ اس قانون پر کار بند نہ رہ سکے مسٹر گربو بھی یہی لکھتا ہے کہ "موسیٰ یہود کو لے کر ریگستان میں پھرتے رہے یہاں تک کہ ان کی فوجی تربیت مکمل کر کے ان کو لڑاکا جوان بنا دیا" اس بیان کے اسی حصہ سے کہ "یہود کو ریگستان میں اس لئے رکھا گیا تاکہ انہیں فوجی تربیت دی جائے" ہمیں اتفاق ہے وَمَا ظَلَمُونَا اگر وہ اس زمانہ میں اپنے تعمیری پروگرام کی تکمیل کر لیتے تو وہ بہت حد تک ترقی کر جاتے مگر وہ پیچھے رہ گئے اور اپنے پروگرام کی تکمیل نہ کر سکے۔

من و سلویٰ کا بیان

(یہ مولانا کی تقریر نہیں ہے) کتاب خروج کا سولہواں باب یوں شروع ہوتا ہے کہ "پھر وہ ایلیم سے روانہ ہوئے اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت زمین مصر سے خارج ہو کر دوسرے مہینے کے پندرھویں دن سین کے بیابان میں جو ایلیم اور سینا کے درمیان میں ہے پہنچے اور ساری جماعت بنی اسرائیل کی اسی بیابان میں موسیٰ اور ہارون پر جھنجلائی اور بنی اسرائیل بولے کہ کاش ہم خدا کے ہاتھ سے زمین مصر میں جس وقت کہ ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھتے تھے اور روٹی من بھر کے کھاتے تھے مارے جاتے کیونکہ تم ہم کو اس بیابان میں نکال لائے ہو کہ سارے مجمع کو بھوک سے ہلاک کر دو"

اس جھنجلانے کا جو نتیجہ ہوا وہ تیرھویں آیت سے اس باب کے آخر تک یوں بیان ہوا ہے کہ "اور یوں ہوا کہ شام کو بٹیریں ادھر آئیں اور پڑاؤ کو چھپا لیا اور صبح کو لشکر کے آس پاس اوس پڑی اور جب اوس پڑ چکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک ایک چھوٹی چھوٹی گول چیزیں ایسی سفید جیسی برف کا چھوٹا ٹکڑا زمین پر پڑی ہے اور بنی اسرائیل نے دیکھ کے آپس میں کہا کہ مَن ہے کیونکہ انہوں نے نہ جانا کہ وہ کیا ہے تب موسیٰ نے کہا کہ یہ روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تمہیں دی اور بعضوں نے اجنبی قوموں سے جو ان میں ملے ہوئے تھے حرص سے خواہش کی اور بنی اسرائیل سے بھی پھرے اور روئے اور بولے کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چکی یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں مگر یہ مَن سوکھے دھنیئے کے مانند تھا اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا لوگ اِدھر اُدھر جا کر اسے جمع کرتے تھے اور چکی میں اسے پیستے تھے یا اوکھل میں

کوٹتے تھے اور رات جب خیموں پر اوس پڑتی تھی تو مَن بھی ان پر پڑتا تھا۔ بنی اسرائیل جب مصر سے
نکل کر کنعان کی طرف آئے تو جس علاقہ میں سے انہیں گزرنا پڑا وہ بہت غیر آباد تھا اور دور دراز
فاصلہ پر بعض شہر آباد تھے اب تک یہ علاقہ ایسا ہی ہے اب بھی اس علاقہ سے گزرنا آسان نہیں
فلسطین پر انگریزی قبضہ کی وجہ سے اب اس علاقہ میں ریل جاری ہوگئی اور سہولتیں پیدا ہوگئی
ہیں لیکن اس کی غیر آبادی میں فرق نہیں آیا کیونکہ یہ علاقہ آبادی کے قابل زمینوں سے خالی ہے اور
بے آب وگیاہ میدانوں پر مشتمل ہے ترکوں نے جنگ عظیم میں بہت کوشش کی کہ کسی طرح مصر میں داخل
ہو کر انگلستان اور ہندوستان کے تعلقات کو منقطع کر دیں لیکن پانی کی وقت اور سامانِ خورد
و نوش کی کمی کے سبب عقلوں کو حیرت میں ڈال دینے والی قربانیوں کے باوجود وہ اپنے مقصد میں
کامیاب نہ ہو سکے انگریزوں نے بھی شروع میں بہت زور مارا لیکن خشک اور چٹیل میدانوں کی وجہ
سے وہ بھی سویز کے راستہ سے فلسطین میں داخل نہ ہو سکے آخر جنرل ایلنبی نے نیل سے پانی لیکر
سویز کے اوپر سے نلوں کے ذریعہ سے پانی گذارا اور اس علاقہ کو جو بڑے شہروں کے لئے ناقابل گزر تھا
قابلِ سکونت بنا دیا۔ صلیبی جنگوں کے وقت جب فلسطین اور شام کے محاذ پر یورپ کے تمام اقوام کے
منتخب بہادر اس نیت سے ڈیرے ڈالے پڑے تھے کہ اسلام کے بڑھنے والے سیلاب کو روک دیں اس
وقت بھی دشتِ سینا مسلمانوں اور مسیحیوں سے راستہ دینے کا ٹیکس لیتا رہا تھا۔ نویں صدی کے آخر
اور دسویں صدی کے ابتدائی حصہ میں نہ معلوم کتنے اسلامی اور مسیحی لشکر پانی نہ ملنے اور کھانے کی کمی کے
غرض دشتِ سینا ایک ایسا خطرناک علاقہ ہے کہ بڑی جماعتوں کے لئے بھی بغیر خاص انتظام کے
اس میں سے گزرنا مشکل ہے اور اس میں قیام کرنا اور بھی مصیبت ہے پھر بنی اسرائیل نے جو بے سرو سامانی
کی حالت میں مصر سے بھاگے تھے اس علاقہ میں کس طرح گذرے اور کس طرح ایک زمانہ اس علاقہ میں بسر کیا یہ ایک
ایسا سوال ہے جو صدیوں سے دنیا کو حیرت میں ڈال رہا ہے فی الواقع ایک ایسی چیز سینا کے علاقہ میں پائی جاتی ہے
جو شبنم کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور دھوپ کی گرمی میں پگھل جاتی ہے اور تیل سا اس کا مزہ ہو جاتا ہے اور سفید
رنگ کی ہوتی ہے جس کی ایک قسم کو ہمارے ملک میں شیر خشت کہتے ہیں اور دوسری کو ترنجبین اور ہندی میں اسے
یواس شرکرا یعنی جواسے کی شکر کہتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں یہ چیز جواسے کے درخت سے نکالی جاتی ہے لاطینی
میں اسے منا کہتے ہیں اس چیز کی ماہیت پوری طرح طبی کتابوں میں درج ہے ریگستان کے علاقہ میں اور بعض
اضلاعِ سندھ میں مارچ اپریل میں بعض اوقات گز کے درختوں پر بہت سی شکر لگ جاتی ہے وہ بعینہٖ اس شکر کے موافق

ذائقہ اور غذا میں برابر ہوتی ہے یعنی جیسے گنے کا شکر)

کتابِ مقدس کے ترجمہ میں کتاب خروج کی آیت ۱۵ میں سے لفظ مَنّ کے معنی بہت کچھ واضح ہوتے ہیں لاطینی ترجمہ میں ہے کہ جب اسے بنی اسرائیل نے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہا مَنّ ھذا جس کے معنی یہ ہیں کہ (یہ کیا ہے) کیونکہ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ (مَنّ) کیا ہے۔

مختصر یہ کہ عبرانی لفظ مَنّ جو اس چیز کا نام ہوگیا ہے حقیقت میں استفہام (کیا ہے) اور چیز کا یہ نام اس سوال سے پیدا ہے کہ مَنّ ہذا (یہ کیا ہے) اور یہ وہ سوال تھا جو اس چیز کو دیکھ کر بنی اسرائیل کے ذہن میں پیدا ہوا کیونکہ انہوں نے اس وقت اس سے پہلے یہ چیز کبھی نہیں دیکھی تھی اس سوال کو چوں کہ ہر شخص ایک دوسرے سے دھراتا تھا اس لئے ہوتے ہوئے بھی اس کا نام قرار پایا۔ یورپین سیاحوں نے شہادت دی ہے کہ اب تک اس علاقہ میں مَنّ ملتا ہے گو وہ شبنم کے ساتھ نہیں گرتا بلکہ تنیمرکس.. گیلیکا نامی درخت کا رس ہوتا ہے جس کی چھال کو ایک کیڑا جسے آب گا سپیر یا منیفر یا کہتے ہیں چھیدتا ہے تو اس سے یہ رس ٹپکتا ہے بغیر کیڑے کے انسانی ہاتھوں سے درخت کی چھال میں شگاف کر دینے سے بھی یہ رس گر گر کر جم جاتا ہے اور مختلف ممالک میں اس درخت سے مختلف طریقوں سے اسے جمع کیا جاتا ہے سسلی اور خراسان کا مَنّ مشہور ہے ہندوستان میں بھی جواسے کے درخت و بید مَن بناتے ہیں مصر سے مصنوعی بنا ہوا مَن آتا ہے لیکن اطبا اسے پہچان لیتے ہیں۔ برفاڈٹ جرمن سیاح کا بیان ہے کہ سینا میں موجودہ درختوں کی مقدار کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ سالانہ اڑھائی تین سو سیر تک مَن تیار ہو سکتا ہے مگر خیال کیا جاتا ہے کہ پہلے زمانہ میں جنگل زیادہ وسیع ہوتا تھا اور اس سے زیادہ من پیدا ہوسکتا تھا۔

لیکن سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل من پر گزارہ کر سکتے تھے، مَن ایک گوند ہے جو بے بھی مسہل اس، غذا پر انسان چند دن سے زیادہ گزارہ نہیں کر سکتا پھر بنی اسرائیل نے ۴۰ سال تک اس پر کیسے گزارہ کیا؟ نئے یورپی محققین بھی اس سوال کی معقولیت کے قائل ہو گئے ہیں اور اب ان کا یہ خیال ہے کہ من کی جو ماہیت بائیبل میں بتلائی گئی ہے اس میں مبالغہ اور تداخل ہوگیا ہے ان کے نزدیک مَن لچن کے دانوں کا نام ہے جو قحط کے دنوں میں لوگ کھانے لگتے ہیں لچن ایک بوٹی ہے جو سطح کے اوپر ہی اگ آتی ہے جڑ کیلئے اسے زمین کی ضرورت نہیں ہوتی اس وجہ سے چٹانوں کی سطح اور درختوں کی چھال پر اگ آتی ہے اس کی بعض قسمیں پتھروں پر اگتی ہیں خصوصاً چونے کے پتھروں پر اور جب اسے پتھر سے الگ کر دیا جاتا ہے تو جوار کے کچلے ہوئے دانہ کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب یہ بوٹی پک جائے تو اس کے چھلکے جڑ سے الگ ہو کر گول

شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہلکا ہونے کی وجہ سے ہوا انہیں دور دور لے جاتی ہے (یہ تمام عبارت انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا جلد ۳ کی ہے)۔

علماء نباتات کے نزدیک یہ بوٹی کھمب کی قسموں میں سے ہے اگر یورپین محققین کی رائے تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اس کھانے پر گزارہ کس طرح کیا لیکن وہ سوال پھر پیدا ہو جاتا ہے کہ بائیبل کے بیان کردہ من کی ماہیت کے ساتھ اس بوٹی کو کوئی نسبت نہیں نہ یہ بوٹی میٹھی ہوتی ہے نہ اس کا مزہ تیل کا سا ہے اور نہ یہ بوٹی دوپہر کو پگھل جاتی ہے اس سوال کا جواب ہمیں بائیبل اور اس کے متعلقہ کتب سے نہیں مل سکتا یورپین محققین خواہ کتنا ہی زور لگائیں وہ اس سوال کا پوری طرح جواب نہیں دے سکتے کیونکہ وہ اس سرچشمے سے دور ہیں جس سے حقیقی علم عطا ہوتا ہے پس اگر ہمیں صحیح جواب کی ضرورت ہے تو ہمیں چاہیئے کہ قرآن حکیم اور حدیث سے استمداد حاصل کریں قرآن حکیم اور حدیث میں مندرجہ ذیل حقائق من کے متعلق ہیں۔ (۱) الم تر الی الذین خرجوا الی قولہ ثم احیاھم سورۃ البقرۃ (۲) وانزلنا علیکم المن والسلویٰ الآیۃ (۳) بخاری میں سعیدؓ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھمب بھی من کے اقسام میں سے ہے (۴) ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ اعراب کے توہمات کے مطابق باتیں کر رہے تھے کہ کھمب زمین کی چیچک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سن کر فرمایا کہ نہیں کھمب من کے اقسام میں سے ہے الغرض جو چیزیں بنی اسرائیل کو کھانے کے لئے ملتی تھیں وہ ایک چیز نہ تھی بلکہ کئی چیزیں تھیں وہ غذا کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تھیں اور ایسی نہ تھیں کہ غذائیت یا مزے کے لحاظ سے تکلیف دہ ہوں یہ ایک نہایت عجیب بات ہے کہ من کا ذکر قرآن کریم میں تین جگہ پر آیا ہے سورہ بقرہ میں۔ اعراف میں۔ طٰہٰ میں اور تینوں جگہ اس ذکر کے بعد کلوا من طیبات کا فقرہ ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی تردید کرنا مقصود ہے کہ وہ کھانا طبیعت پر بوجھ ڈالنے والا یا غذائیت کے لحاظ سے ادنیٰ قسم کا کھانا تھا جیسا کہ ہم لچن کی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کھمب کی قسم کا پودہ ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں لکھا ہے لچن اور کھمب کے اقسام بالکل آپس میں ملتے جلتے ہیں اور یہ امر ان اقسام کی مشابہت سے جو ایک دوسرے کی طبعی سرحد پر واقع ہے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ لچن خود کوئی اچھا کھانا نہیں ہے۔ بلکہ قحط کے ایام میں مجبوراً اسے لوگ کھاتے ہیں اس کے برعکس کھمب اعلیٰ درجہ کے کھانوں میں سے ہے اور گراں قیمت سے فروخت ہوتی ہے اور خاص طور سے امراء کے لئے بویا جاتا اور فرانس میں تو اس کی اس قدر کھپت ہے کہ پیرس میں ایک زمیندار

دن میں تین سو سے تین ہزار پونڈ تک کھمب منڈی میں فروخت کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور پھر یہ بھی
جلد اگنے والی چیز چنانچہ انگریزی میں اس چیز کو جو جلد ہو جائے "مشروم گروتھ" یعنی کھمب کی طرح پیدا
ہونے والی کہتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جو کھانے سے تنگ ہوں ایسی ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی
ہے جو جلد اُگ آئیں اور جلد استعمال میں آسکیں اب کیا صاحبانِ بصیرت کے لئے عجیب بات نہیں کہ بائبل
کے کثیر نسخوں اور علم طبعیات کے ماہروں کی امداد کے باوجود یورپ بیسویں صدی میں جس نتیجہ پر مَن
کے متعلق پہونچے وہ بھی ناقص صورت میں اس سے اب تیرہ سو سال پہلے نہایت جامعیت کے ساتھ
توضیح کردی گئی غرض اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے دشتِ سینا میں کھمب ترنجبین اور ایسی ہی اور
چیزیں جو جلد تیار ہو جاتی پیدا کردیں جس سے بنی اسرائیل کو باآسانی غذا ملنے لگی اور چونکہ اس کے لئے انہیں
محنت نہیں کرنی پڑتی تھی اس غذا کا نام "مَن" یعنی احسانِ الٰہی سے ملنے والی غذا کہا گیا وہ ایک قسم کی غذا نہ
تھی بلکہ کئی قسم کی غذائیں تھیں کیونکہ حدیث کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ کئی طرح کا "مَن" تھا ان سب میں
ایک مشابہت تھی اور وہ یہ کہ غذائیں ہل چلا کر اور محنت کر کے بنی اسرائیل کو پیدا نہیں کرنی پڑتی تھیں لیکن
چونکہ یہ غذائیں اور بٹیر جو اس وقت کثرت سے اس جنگل میں آگئے تھے شکم میں قبض کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے
ترنجبین بھی کثرت سے پیدا کردی جسے دوسری غذاؤں میں ملا کر کھانے سے ان کی صحت درست رہتی تھی
لہٰذا یہ حقیقت ہے "مَن" کی جس کا کثرت سے ان ایام میں پیدا ہونا ایک معجزہ تھا لیکن خود اس کا وجود اس دنیا کی
چیزوں میں سے تھا وہ ایسی غذا تھی جسے ایک عرصہ تک کھایا جا سکتا تھا اور اس کی مصلح ترنجبین بھی ساتھ
ہی پیدا کردی گئی تاکہ جنگل کی خشک غذا صحت کو نقصان نہ پہنچائے اس تشریح کے ساتھ سب سوال حل ہو
جاتے ہیں۔ یہ بھی کہ مَن کو لوگ دیر تک کس طرح کھاتے رہے اور یہ بھی کہ سال بھر کس طرح ملتی رہتی تھی اور یہ
بھی کہ وہ تیل کی طرح بھی تھی اور اس سے روٹیاں بھی پکتی تھیں اور پھلکیاں بھی بنائی جاتی تھیں کیونکہ وہ ایک
چیز نہ تھی بلکہ کئی چیزوں کا نام "مَن" تھا۔ اقتباسات از ارض القرآن۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ
وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں اور کھاتے پھرو اُس میں جہاں چاہو۔ فراغت سے اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے تو معاف کر دیں گے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو۔

صحرائی زندگی سے اب دیہاتی زندگی کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور جس مشن کے لئے انہیں مقرر کیا گیا تھا وہ اسے پورا نہ کر سکے انہیں دو قانون پیش کئے گئے ایک شہر کے باہر سجدہ دوسرا اپس انداز نہ کرنا تو دونوں

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا

عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو کہہ دی گئی تھی ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر۔

ہوس کر کے زیادہ کھانے سے وبائی بیماریوں میں مبتلا ہوئے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے۔

اب دیہاتی زندگی سے شہری زندگی کی طرف بڑھ رہے ہیں ان کے لئے بارہ چشمے جاری ہوئے اور ہر ایک قبیلہ اپنے چشمے سے پانی لے رہا ہے بعینہٖ شہری زندگی کا حال ہے شہر میں محلے ہوتے ہیں ہر ایک محلے میں جدا جدا آبادی اور کنوئیں ہوتے ہیں اس جگہ بھی وہی قانونِ الٰہی برکار بند نہ رہ سکے جیسا کہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین سے ظاہر ہے کہ زمین پر فساد یعنی قانون شکنی مت کرو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَ

عدسها وبصلها ۖ قال أتستبدلون الذي هو أدنى بالذي
هو خير ۚ اهبطوا مصرا فإن لكم ما سألتم ۗ وضربت عليهم
الذلة والمسكنة وباءو بغضب من الله ۗ ذلك بأنهم
كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق ۗ
ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون ﴿٦١﴾ ع ۷

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے۔ اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو۔ اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے اللہ کا غصہ لے کر۔ یہ اس لئے کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

ان کی قانون شکنی کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ وہ کسی حکم پر بھی عمل نہ کر سکے اتستبدلون الخ یعنی تم ایک اچھی زندگی پر خراب زندگی کو ترجیح دیتے ہو یعنی تمہیں سپاہیانہ سادہ زندگی بسر کرنی چاہیئے مگر تم اس کے بجائے شہری یعنی آرام دہ زندگی کی طرف مائل دکھلائی دیتے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سپاہیانہ زندگی کے اوصاف تم میں مفقود ہو جائیں گے اور تم ہر جگہ مغلوب ہو جاؤ گے ذالك بانهم كانوا يكفرون الخ یعنی اسرائیل ہر جگہ لغزش کھا رہے تھے حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ان کی تعمیل نامکمل تھی اسلئے ہر جگہ غلطی کھا رہے ہیں۔ اپنی کتاب سے منہ موڑ رہے ہیں احکام سے نافرمانی کر رہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کر رہے ہیں نبی انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے ہیں اس لئے بنی اسرائیل اپنے نبیوں کے خلاف جھٹ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کو ناحق قتل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں غرض بنی اسرائیل بین الاقوامی پروگرام کے مرتب اور مکمل کرنے میں ہر جگہ ناکامیاب ثابت ہو رہے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٦٢

بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا ان میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ہے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

صابی، ایرانی جس میں ایرانی (ترکستانی) بھی شامل ہیں۔ ہندو جن میں برہمن مذہب یعنی ویدک دھرم اور بدھ (جینا ترک) مذہب شامل ہیں۔ ترجمہ: الخ یہاں ابتدائی مدارج ایمان بتلائے گئے ہیں جیسے کہا جائے کہ "الانسان حیوان ناطق" پھر آگے انسان مفکر کی قسمیں ہیں اعلیٰ ادنیٰ اسی طرح مذہبی آدمی ہونے کے لئے یہ اوصاف ضروری ہیں اس سے کم مذہبی جماعت نہیں کہلاتی اور نہ نجات کی مستحق ہے (یہ مولانا کی تقریر ہے)

ایمانداروں سے مراد مسلمان۔ یہود و نصاریٰ سے یہود و عیسائی صابی معنی ہیں رجوع کرنے والا اسلام کے عہد میں دو مشہور مذاہب یہودیت و نصرانیت تھے قرآن مجید نے ان کا نام تو صاف طور پر لیا ہے اور باقی مذاہب جن کے نام مٹ چکے ہیں یا جو چراغ سحری کے مانند چند روز کے مہمان ہیں ان کے نام مجمل طور پر کسی جگہ بتلائے گئے ہیں اور کسی جگہ ذکر نہیں کئے گئے اس لئے کہ قرآن مجید دنیا کے مذاہب کی تاریخ نہیں ہے۔ قرآن مجید اس بات کو بہت زور سے کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ڈرانے والے نہیں آئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا میں ہر قوم کے پاس نبی اور رسول آئے جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت امام ربانی وغیرہ بزرگان سلف اس امر پر متفق ہیں کہ ہندوستان میں رام چندر اور کرشن جی ان ہی کے زمرہ سے تھے۔ مگر اب مشکل یہ ہے کہ اہل ہنود نے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دی ہیں جو ان کی زندگانی کا خاکہ ایک نہایت مہیب شکل میں پیش کرتے ہیں کرشن جی کی کتاب گیتا تصوف کے متعلق ایک بہت بلند پایہ کی کتاب ہے یہ انکی یادگار ہے ویدک مذہب یہودیت سے اور بدھ مذہب نصرانیت سے بہت مشابہ ہے (گیتا میں ہے کہ بہت سے لوگ مجھ کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجتے ہیں تو میں ان سے بیزار ہوں" خود کرشن جی کی اپنی تقریر

ایک خاص امت ہی نجات کی مستحق ہے قرآن اس کا انکار ہے صحیح نہیں -
قرآن اور دیگر مذاہب

میں جس میں ارجن کو مخاطب کیا ہے چاند اور سورج وغیرہ کی پوجا کرنے والوں سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے" (کتاب عرب و ہند سید سلیمان) [illegible]

بدھ مذہب کے دینی پیشوا دنیا سے الگ ایک گوشۂ تنہائی میں رہتے ہیں اسی طرح عیسائیت میں بھی راہب تارک الدنیا ہو کر دنیا سے الگ رہ کر خدا کی یاد کرتے ہیں۔ زرتشتی مذہب جو اہل ایران کا تھا اس کے پیروؤں کا بھی یہی حال تھا غرض قرآن مجید بتلاتا ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اور ان کے پیرو خدا اور قیامت کے قائل ہیں وہ اگر نیک عمل کریں تو اللہ تعالےٰ ان کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا ان کو ان کے اعمال کا معاوضہ ضرور دیتا ہے اسلئے ان کو کسی قسم کا فکر و غم نہیں ہوگا غرض اس آیت نے ایک معیار قائم کر دیا کہ اس دائرہ کے اندر رہ کر جو آدمی نیک عمل کرے گا اللہ تعالےٰ اس کو اس کا احسن بدلہ دیگا اس خیال کا کہ ایک خاص امت ہی نجات کی مستحق ہے اس آیت نے قلع قمع کر دیا اسلام کی تعلیم دیکھئے کہ یہود مسلمانوں سے دشمنی پر تلے ہوئے ہیں مگر اسلام ان کے نیک آدمیوں کی تعریف کر رہا ہے دشمنوں کے اوصاف بیان کرنا تو در کنار ہمیشہ ان کی برائیوں کو آشکارا کیا جاتا ہے اس سے اسلام کی رواداری کا اندازہ لگ سکتا ہے اس آیت سے ظاہر ہوا کہ خدا اور قیامت پر ایمان رکھنا اسلامی عقائد میں سے ہے نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو بھی صرف زبانی عقیدہ پر نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ وہ نیک عمل نہ کریں حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء سے فرمایا کہ اے فاطمہ اس گمان میں مست رہیو کہ میں رسول کی لڑکی ہوں بلکہ قیامت کے دن صرف عمل صالح پر نجات منحصر ہے اسلام سکھلاتا ہے کہ اگر ایک غیر مسلم خدا اور قیامت پر ایمان رکھے اور نیک عمل کرے تو اس کے لئے بھی ویسا ہی معاوضہ ہے جیسا کہ ایک مسلمان کے لئے اسلام نے غیر مذاہب کے نیک لوگوں کی نہ صرف تعریف ہی کی ہے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے غرض آیت نے قوموں کی یک جہتی اور اتفاق سے رہنے کا ایک ایسا سبق دیا کہ اور مذاہب ایسی تعلیم دینے سے قاصر ہیں امن اور چین کی دنیاوی زندگی اور روحانی زندگی جو اسلام سکھلاتا ہے کسی اور مذہب میں بمشکل ملے گی اسلئے کہ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے آگے سر نیاز خم کرنے والی تعلیم سوائے اسلام کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے اس آیت نے ایک زبردست ہیجان طبیعتوں کے اندر پیدا کر دیا اور تمام دنیا کے انسانوں کو ایک جا جمع کر دیا اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بلال حبش سے اٹھے اسی کی برقی قوت تھی جس نے سلمان فارسی کو جنبش دلائی یہی کلام معجزہ نما جو روم سے سہیل جیسے برگزیدہ انسانوں کو حجاز میں لائی غرض اسی آیت نے ایک بین الاقوامی سوسائٹی پیدا کر دی جس میں دوسرے مذاہب کے لوگ کشاں کشاں آئے اور۔

حریت اور مساوات کے سبق سیکھ کر دنیا میں وہ کام کئے کہ دنیا آج تک انگشت بدندان ہے دنیا میں جس قدر آل پارٹیز کانفرنسیں ہیں ان کی تہ میں اسی آیت کا جذبہ کام کر رہا ہے برہمو سماج لیجئے غرض سب کو اسی آیت نے سبق پڑھایا تو اب کی مجلس اقوام اسی آیت کا ایک مجمل سا خاکہ ہے جس میں مختلف اقوام شامل ہیں غرض اسی آیت نے دنیا کو مساوات اور اخوت کا سبق دیا ہے اور تمام قوموں سے پیار اور رشتہ اخوت باندھنے کا طریقہ بتلایا ہے دنیا کے تمام مذاہب کو لیجئے ہر ایک مذہب اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے اور دنیا بھر کی خرابیاں دوسرے مذاہب کے سر تھوپتا ہے مگر اسلام کس رواداری کو برتتا ہے اور دوسروں کو کس عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے قرآن حکیم دوسری قوموں کے نیک لوگوں کی ہر جگہ تعریف کرتا ہے مثلاً سورۃ المائدہ آیت ۶۶ میں ہے ومنہم امۃ مقتصدۃ الخ حتی کہ مشرکوں کے متعلق قرآن حکیم نے کہا ان کے بتوں کو برا مت کہو سورۃ الانعام آیت ۱۰۹ قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہے واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الی قولہ معرضون (سورۃ البقرہ آیت ۸۳) اس جگہ قرآن مجید نے اعتراف کیا ہے کہ گو اکثر لوگ اطاعت سے منحرف ہو گئے مگر چند آدمی پھر بھی ایسے ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

اسلام نے تو خدا کے احکام کے آگے سر نیاز خم کرنا ہی نیکی کا معیار مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۱۲۵ میں ہے اس سے بہتر مذہب کس کا ہے جس نے اپنے آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کا تابعدار بنا دیا اور دوسروں سے نیک سلوک کرتا ہے اور ابراہیمؑ کے ملت کا پیرو ہے وہ ابراہیم جو حنیف تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دوست بنایا وقالت الیہود والنصاریٰ۔ لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ۔ لانہم ابناء اللہ واحباءہ وقالت الیہود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباءہ (سورہ المائدہ آیت ۱۸) وقال القرآن فی جوابہ۔ بلی من اسلم وجہہ للہ وھو محسن الخ (سورۃ البقرہ ۱۱۱) یعنی جو اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھلائی۔ یہ ایک ایسا شخص ہے جس کا اجر خدا کے ہاں ہے اسے نہ کسی کا فکر اور نہ کسی قسم کا ڈر ایک اور جگہ حکم ہوتا ہے کہ سب کچھ عمل پر منحصر ہے اور عملوں پر نجات کا مدار ہے یہی وجہ تھی کہ قرن اولیٰ کے مسلمان ہر ایک مذہب کے عالم کی قدر کرتے تھے غرض یہ اس قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عرب نہایت کشادہ دلی اور عالی ظرفی سے تمام دنیا کے علماء کا خواہ کسی ہی مذہب سے کیوں نہ ہوں استقبال کرتے تھے اور یہ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ عربوں نے جن قوموں سے معاہدہ کیا یا صلح کی ان کی عبادت گاہوں کو ٹھیس بھی نہیں لگنے دی۔ ایران کے آتش کدے اسی سے روشن رہے فلسطین۔ شام۔ مصر۔ عراق کے گرجے جو بتوں سے پٹے پڑے تھے ویسے ہی ناقوس

کی آواز سے گونجتے رہے اسلام نے تمام دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) مسلمان (۲) اہل کتاب، یعنی وہ قومیں جو کسی ایسی آسمانی تعلیم کی پیرو ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے (۳) مشابہ اہل کتاب یعنی وہ قومیں جو کسی آسمانی تعلیم کی پیرو تو ہیں مگر قرآن حکیم میں ان کا نام نہیں ہے اسلئے ان کے اہل کتاب ہونے کا یقین نہیں مگر گمان ضرور ہے (۴) کفار ۔ جو قرآن سمجھنے کے بعد انکار کریں۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب سندھ کے مشہور شہر الرور (الور) پہنچا تو شہر والوں نے کئی ماہ تک مقابلہ کیا پھر صلح کی اور اس میں دو شرطیں پیش کیں، شہر کا کوئی آدمی قتل نہ کیا جائے گا ان کے بت خانوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا محمد بن قاسم نے ان شرائط کو قبول کیا تو کہا کہ "ہندوستان کا بت خانہ بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوس کے آتش کدوں ہی کی طرح ہے" اس نے ہندوؤں کو وہی حیثیت دی جو کسی آسمانی تعلیم کے پیروؤں کی اسلامی قانون میں ہے اور ان کے بت خانوں کو بھی وہی درجہ دیا جو اہل کتاب یا مشابہ اہل کتاب کے معبودوں کا اسلام میں ہے (یہاں تک مولانا کی تقریر ہے)

کتاب عرب و ہند کے تعلقات مصنفہ سید سلیمان ندوی میں ہے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں بغداد کی حالت یہ تھی کہ دنیا کے تمام مذہبوں اور عقیدوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا عباسی خلفاء اور ان کے بعض فلسفہ پسند امراء کے دربار میں مذہبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور ہر مذہب والے کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب کی دلیلیں پیش کرے اور اسلام پر اعتراضات کرے اور ان کے جوابات سنے ان مجلسوں اور مناظروں میں مسلمان متکلمین سب سے پیش پیش رہتے تھے اور برامکہ کا خاندان خاص طور سے ان لوگوں کی سرپرستی کرتا تھا اور صفحہ ۲۰۳ اور دوسری جگہ میں ہے کہ ایک عرب مصنف قاضی صاعد اسپین کا باشندہ جو ۴۶۰ھ میں گزرا ہے وہ اپنی کتاب "طبقات الامم" میں تمام دنیا کی متمدن قوموں کے علوم کی تاریخ بیان کرتا ہے ہندوؤں کے بارے میں لکھتا ہے" ان کا علم الٰہی" اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور شرک سے پاک ہے" اور مورخ مسعودی جو ۳۰۳ھ میں ہندوستان میں آیا کھمبائت کے حالات میں لکھتا ہے کہ" میں جب ۳۰۳ھ ہجری میں یہاں آیا تو یہاں کا حاکم ایک بنیا تھا جو برہمنی مذہب رکھتا تھا اور وہ "مہانگر" کے راجہ ولبھ رائے کے ماتحت تھا اس کو مناظرہ کا بہت شوق تھا اس کے شہر میں باہر جو نئے مسلمان یا اور مذہب کے لوگ آتے تھے وہ ان سے سخت مناظرہ کرتا تھا اور صفحہ ۲۱۲ اور ایک جگہ لکھا ہے کہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ ہجری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں صحابہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ضبط کیا ہے کہ ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑیں تو ان کے بھتیجوں نے ایک جاٹ طبیب کو انکے

محمد بن قاسم لسر ہندو

سندھی

سلیمان ندوی

علاج کے لئے بلایا۔ ہارون الرشید کا علاج "منکہ" نامی ویدنے کیا جس سے اس کو صحت ہوئی۔ برامکہ نے اپنے شفاخانہ کا افسرِ اعلیٰ ابن دہن کو مقرر کیا جو سنسکرت سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرنے والے لوگوں میں تھا۔ خلیفہ منصور اور ہارون الرشید کی سرپرستیوں اور برامکہ کی قدر دانیوں اور فیاضیوں کی بدولت ہندوستان کے بیسیوں پنڈت اور وید بغداد پہنچے اور سلطنت کے طبی اور علمی محکموں میں مصروف ہوئے اور حساب۔ نجوم۔ ہیئت۔ طب۔ ادب۔ اخلاق کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا برامکہ بدھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کا اصل تعلق ہندوستان سے تھا مگر اسلام کی وسعتِ نظری سے متاثر ہو کر اس کے دامنِ عافیت میں آگئے چونکہ ان کا تعلق ہندوستان سے تھا اسلئے انہوں نے اپنے زمانۂ وزارت میں تمام علمی سرگرمیاں علوم و فنون کی سرپرستیاں شعر و سخن کی قدردانیاں۔ ہندوستان کی طب اور ہیئت کو عربی میں منتقل کر دیا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۴﴾

اور جب لیا ہم نے تم سے اقرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہِ طور کو کر پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم ڈرو پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اسکی مہربانی تو قانونِ الٰہی پر عمل کرنے کے لئے جب تم پر زور دیا گیا تم نے پھر بھی قانون شکنی کی یہ معنی ہیں آیت ۶۴ کے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَھُمْ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ ﴿۶۵﴾

اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل۔

یعنی یوم السبت کی حرمت بھی تم نے چھوڑ دی یعنی پھر قانون شکنی اختیار کی اسکی سزا میں تم انسانیت سے خارج ہو گئے اور بندروں کے اوصاف تم میں نمایاں ہو گئے آیت کا ترجمہ ہے "ہم نے ان کو کہا کہ ہو جاؤ (مثل) بندر" یعنی بطورِ حقارت یہ فقرہ استعمال ہو رہا ہے جیسا کہ کوئی آدمیوں کو ایک کام سمجھایا جائے اور اسکے

بعد رہ اسے نہ کر سکے تو اسے گدھے سے تشبیہ دیتے ہیں یعنیہ بنی اسرائیل کی حالت بھی وہ ہر بار اپنے پروگرام کی تکمیل میں ناکامیاب ہورہے ہیں اور ہر بار قانونِ الٰہی کے خلاف عمل کررہے ہیں۔ انجیل میں ذکر آتا ہے کہ بنی اسرائیل کی شکلیں تک بندروں میں تبدیل ہوگئیں حالانکہ یہ قانونِ قدرت کے صریحًا خلاف ہے بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کی اب ذہنیت ہی تبدیل کردی گئی اس لئے کہ وہ برائی کے سوائے کسی طرف جھکتے نہ تھے انسان جب حد سے گزر جاتا ہے تو اسے عمومًا یہی کہتے ہیں کہ اس کی ذہنیت ہی تبدیل ہوگئی ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے

کسی قوم کے جب برے دن آتے ہیں تو ان کو ہمیشہ بری باتیں ہی سوجھتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب نازل ہوچکا ہے اور وہ نیکی کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی قانون شکنی سے ان پر عذاب نازل ہوا اس سے متقی لوگوں کو یعنی قانونی زندگی پر چلنے والوں کو نصیحت لینی چاہیئے کہ قانون شکن قوم کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے۔ وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے۔ کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں۔

مصری بھی ہندوؤں کی طرح گائے کی پرستش کرتے تھے۔ مصریوں کے ساتھ چار سو برس رہنے سے بنی اسرائیل بھی گائے کی اسی طرح تعظیم کرتے تھے اسی عظمت کے خیال کو دور کرنے کے لئے گائے کی قربانی کا حکم دیا گیا حنفی مذہب میں گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایران عرب ہندوستان مصر وغیرہ ممالک میں گھوڑے بافراط مہیا نہیں ہوتے کہ جہاد کی ضرورت کے کفیل ہوں اگر انہیں مثل دوسرے جانوروں کے قربانی کے لئے ذبح کیا جائے تو ان کی تعداد جلدی ختم ہوجائے گی اس لئے گھوڑے کی حرمت کے متعلق کہا گیا اسی طرح گائے کی حالت تھی

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

والوں کے لئے ۲۷ ما الوں

لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا
مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا
وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

ع ۸/۱۰

بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے. کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے بڑھاپے اور جوانی کے اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے.
بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو. بولے دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم میں ہے وہ کیونکہ اس گائے میں شبہہ پڑا ہے ہم کو. اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے. کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں. بولے اب لایا تو ٹھیک بات. پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے
بنی اسرائیل بھی مصریوں کی مانند گائے کو مقدس خیال کرتے تھے اس لئے گائے کی قربانی نہیں کرنا چاہتے بلکہ ٹال مٹول کر رہے تھے آخر جب کوئی بہانہ کارگر نہ ہوا تو مجبوراً قربانی کرنی پڑی.

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

اور جب مار ڈالا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔ پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا۔ اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو۔

اب اصل واقعہ بتلایا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کے عجیب عجیب نمونے دیکھے تھے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اللہ تعالےٰ نے کر دیا اور اس کی سمجھ (حکمت) یہ ہے کہ اس حقیقت کو معین کر لیا جائے جو موسیٰ علیہ السلام کے دل و دماغ میں پیدا ہوئی جس کا اثر یہ ہے کہ یہ کام اللہ تعالےٰ کے نبی سے ظاہر ہو رہا ہے جس قدر کام صادر ہوتے ہیں وہ اس کی استعداد کے مطابق ہوتے ہیں اگر انسان اب ان کو سمجھ لے تو بظاہر قدرت کے خلاف کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس قسم کے بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے اللہ تعالیٰ پر جس قدر اعتماد بڑھ جاتا ہے اس کے خلاف اگر اس کے ساتھ حکمت کے اصول کو سوچنا چھوڑ دیا جائے تو عقل غائب ہو جاتی ہے اور انسان بے عقل ہو جاتا ہے۔

اب بنی اسرائیل کو ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس سے ان کو اس حقیقت کا پتہ لگ جاتا ہے کہ اگر کوئی انسان کوئی خاص استعداد پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ وہی کام کرے گی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا اس طرح کی سمجھ پیدا ہونے کے بعد وہ موسیٰ علیہ السلام کے پروگرام کو چلا سکتے ہیں اب ان آیات میں واقعہ بتلایا گیا ہے یہ ایک تمثیل ہے بنی اسرائیل کے ہاں ایک آدمی مارا گیا وہ چاہتے ہیں کہ معلوم ہو وہ خاص آدمی کون ہے اب اگر موسیٰ علیہ السلام کو الہام اللہ تعالےٰ دے دے اور وہ لوگوں کو بتلا دے تو سمجھو کہ کام ہو گیا مگر موسیٰ علیہ السلام چاہتے ہیں کہ قوم میں خود یہ استعداد پیدا کی جائے اس لئے کہ اس قتل سے قوم کے دماغ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا تھا اب اگر ان کے دل و دماغ کی قوت کو اگر ایک نقطہ پر کسی طریقہ سے جمع کر دیا جائے اور وہ اس طرح ایک زبان ہو کر خدا سے مانگیں تو کام فوراً ہو جاتا ہے یہ قوت جو پیدا ہوتی ہے کہ مرکز پر قوت جمع ہو جائے یہ عالم مثال میں ایک خاص قوت پیدا کر دیتی ہے اور ایک الہام کے نازل

ہونے کے لئے موقع دیتی ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ سمندر کے بخارات اٹھیں اور وہ آسمان کی طرف جاکر مینہ کی شکل میں برس پڑیں۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ گائے ذبح کرو اب بنی اسرائیل کے دل میں پریشانی پیدا ہوئی کہ اس قتل کے واقعہ کو گائے کے ذبح کرنے سے کیا تعلق پہلے انہیں تعجب ہوا مگر جب انہیں یقین ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام تحقیق چاہتے ہیں تو اب ان کا دماغ تنبیہ کرتا ہے اور ایک مرکز پر پہنچتا ہے۔ کہتے ہیں (یہ روایت بالکل قریب قریب موضوع ہے) کہ اس قسم کی گائے ایک نیک خاندان میں تھی اور ایک یتیم لڑکے کے پاس ہے چونکہ بنی اسرائیل کو ضرورت تھی اس واسطے خواہ وہ کس، قدر گراں قیمت پر ملتی اس لئے روپیہ جمع کرنے کے لئے ان کا دماغ ایک طرف متوجہ ہوا اور روپیہ جمع کرکے اس گائے کو خرید لیا اب اس کے بعض اجزاء مارنے سے اس مقتول میں انسانی روحانیت سرایت کر گئی اور اس نے (مردہ) خود بتادیا کہ قاتل کون ہے اس کے بعد وہ مرگیا اب بنی اسرائیل کی سمجھ میں آگیا کہ اس طرح کام کرنے سے اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ مشکل حل کردیتا ہے اس واسطے اس آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ تم اس بات کی حقیقت سمجھنے لگ جاؤ گے لعلکم تعقلون کہ قدرت کے اس قسم کے بڑے بڑے واقعات جو ہوتے ہیں ان کا کیا سبب ہوتا ہے۔ اب اگر اس کے بجائے موسیٰ علیہ السلام اپنے روحانی تصرف سے مردہ کی طرف مخاطب ہوکر کہتے کہ اٹھ اپنا قاتل بتلا تو یہ ایک معمولی واقعہ تھا اس لئے کہ وہ اسی قسم کے معجزات موسیٰ علیہ السلام سے دیکھ چکے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی کے بعد اگر نبی کی قوم متفق ہوکر کوئی کام سوچے تو وہ نبی ہی کی طرح اس کام کو کر گزرتی ہے نبی نے ان کو اس واقعہ میں یہ راز بتلایا۔

اجماع
سنٹرل کمیٹی

ہمارے فقہاء میں بھی اس قسم کی بات موجود ہے کہ مسلمانوں کے فقہاء و علماء متفقہ طور پر جس مسئلہ یا بات کے متعلق سوچیں (اسے اجماع کہا جاتا ہے) تو ان کا اس کے متعلق متفقہ فیصلہ نبی ہی کی مانند ہوتا ہے وہ قرآن مجید کے مخصوص احکام کو ملتوی کرسکتے ہیں اور قرآن مجید کی مبہم آیات کی جو تشریح وہ کریں وہی معین ہے جس زمانہ میں مسلمانوں نے ترقی کی ہے انہیں یہ عقل تھی کہ انہوں نے اسکو قاعدہ بنا لیا (اجماع) مگر اس کے برعکس اب ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے عالم نہیں سمجھ سکتے کہ اجماع کا کیا مطلب تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس معاملہ کے ہمارے تمام شکوک رفع کردیئے ہیں اور اب ہم اجماع کا مطلب بخوبی سمجھتے ہیں اس اجماع کا نام ہماری اصطلاح میں آج "سنٹرل کمیٹی" ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزیں چھوڑ گئے ہیں۔ (۱) قرآن حکیم (۲) عترت۔ قرآن مسلمانوں کے

رسول اللہ کی عترت / سنٹرل کمیٹی

لئے صحیح پروگرام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت یا اقربا - یا ذوی القربیٰ ان تینوں الفاظ کا مطلب ہمارے ہاں سنٹرل کمیٹی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری نسبی جن لوگوں سے بھی ان کو آپ کا قائم مقام ماننا ایک بڑی سخت غلطی ہے آپ کے قائم مقام وہ جماعت ہوتی ہے جو آپ کی مرضی کے مطابق عمل کرتی رہے اور یہی جماعت فقط رسول کی حیثیت سے رسول کے اقربا ہو سکتے ہیں - قرآن حکیم میں جہاں بھی ذوی القربیٰ کا لفظ آیا ہے اس میں آپ کے رشتہ دار دوسرے بھی شامل ہیں اور آپ کے جو رشتہ دار اس پروگرام کے مخالف تھے آپ نے ان کو منہ تک نہیں لگایا اس کے بعد یہ خیال پیدا کرنا کہ آپ کے رشتہ دار ہی ذوی القربیٰ ہیں - تو اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان قرآن کی بہت سی چیزیں سمجھنے سے رہ گئے آپ کا قبیلہ بنی ہاشم کہلاتا تھا بنی ہاشم میں سے جو لوگ اس جماعت میں کام کرتے رہے وہ بھی اسی جماعت کے ممبر ہیں آپ کے ازواج مطہرات جو عورتوں کو تعلیم دینے میں امام ہیں وہ بھی اس جماعت میں داخل ہیں ابوبکرؓ نے جس وقت اپنے آپ کو خلافت کے لئے پیش کیا تو کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "عترت" سے ہوں غرض ابوبکر صدیق بھی آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں یہ بھی اس جماعت میں شامل ہیں - ایرانی - رومی - حبشی جس قدر اس جماعت میں شریکِ کار تھے وہ سب اس جماعت میں شامل ہیں اس انٹرنیشنل باڈی کو ایک خاص خاندان میں محدود کر دینا دین کی تحریف ہو گی -

اصل میں حدیث اتنی قدر ہے ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہ کتاب اللہ رواہ مسلم اس کے بعد شیعہ نے "عترتی" کا لفظ بڑھایا اور سنیوں نے "سنت رسولہ" کا لفظ بڑھا دیا اور ایک حدیث مسلم میں ہے کہ آل نبی فلاں لیسوا باولیائی انما اولیائی المتقون اس مبہم لفظ کی تشریح احکام القرآن ابن عربی میں ہے کہ آل ابی طالب لیسوا باولیائی انما اولیائی المتقون اس حدیث سے تو بالکل واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث وہ لوگ ہوں گے جو عدالت اور احسان کو قائم کرنے والے ہوں گے -)

علم الکلام (شبلی نعمانی) ص ۱۶۵ میں ہے یحییٰ بن حزم ابتدا میں عیسائی تھا علوم کی تحصیل و لید معتزلی سے کی اور اس ہدایت اور قوتِ استدلال کا معتقد ہو کر ۲۹۶ سنہ ہجری میں اسلام لایا چونکہ تورات انجیل کا واقف تھا اور ماہر تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں پر جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں ایک مستقل کتاب لکھی اور اس بحث پر غالباً سب سے پہلی تصنیف ہے اس نے اپنی تصنیف میں اس بات کو نہایت صاف دلائل سے ثابت کیا کہ یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو جان کر چھپاتے اور جھٹلاتے ہیں -

عبد اللہ ترجمان پہلے عیسائی تھا اس کے بعد اسلام لانے کی یہ وجہ ہوئی کہ تورات و انجیل میں آپ کی

پیشین گوئیاں دیکھ کر اپنے استاد سے جو اس زمانہ کا بہت بڑا پادری تھا اس کی حقیقت دریافت کی پادری
نے کہا بے شبہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہیں لیکن میں دنیاوی منافع کی بنا پر ان کو
ظاہر نہیں کر سکتا تم کو خدا توفیق دے تو مسلمان ہو جاؤ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور "تحفۃ الاریب" نام ایک کتاب
لکھی جس میں یہ تمام حالات درج کئے اور کتب آسمانی سے آپ کی پیشین گوئیاں ثابت کیں۔ امام غزالی رحمۃ
اللہ علیہ تورات اور انجیل کی تحریف کو دو پہلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کتابوں کے نسخوں میں سخت اختلاف
ہے اور چونکہ ان میں کسی طرح تطبیق نہیں ہو سکتی اس لئے ان میں سے کسی پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ
ان میں اکثر باتیں خلافِ عقل ہیں اس لئے وہ منزل من اللہ نہیں ہو سکتیں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ علمار سلف
کسی بات کا خلافِ عقل ہونا اس بات کی دلیل قرار دیتے تھے کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی انتہیٰ کلامہ۔

اس میں دو جگہ غلط استدلال ہے ایک تو یہ کہ انجیل کا مقابلہ قرآن سے کیا جاتا ہے حالانکہ یہ حدیث کے
درجہ کی کتاب ہے جس طرح ایک حدیث میں دیکھو تو اختلاف نظر آتا ہے ایک راوی ایک لفظ کہتا ہے دوسرا دوسرا
لفظ تو اس جگہ حتی الوسع تطبیق کی کوشش کرنی چاہئیے اور دوسرا یہ کہ خلافِ عقل ہونے سے قابلِ استدلال نہیں
یہ بات بھی قابلِ غور ہے کیونکہ عقل مختلف ہوتے ہیں اس لئے کوئی معیار بنانا چاہئے۔

دیکھا آیا تبہ اس سے عقلمندوں کو سبق حاصل کرنا چاہئیے یعنی جو نبی حکم دے اس کی فوراً تعمیل کرنی
چاہئیے خواہ وہ طبیعت پر کس قدر بوجھ ہی کیوں معلوم نہ ہو فوراً تعمیل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعمیلِ حکم سے زندگی کے
آثار پیدا ہو جائیں گے اسی طرح اپنے نبی کے احکام کی تکمیل کرنے سے قومیں دوبارہ زندہ ہو جاتی ہیں۔ بنی
اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جب تک تم نبی کے احکام کی تعمیل کرتے رہے تو تمہاری دعاؤں
اور تمہارے کارِ نمایاں میں یہاں تک تاثیر تھی کہ اس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے مگر جب سے تم نے اپنے
نبی کے احکام کی تعمیل چھوڑ دی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً
وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ
فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تمہارے دل ایسے پتھر ہو گئے یعنی سنگدل ہو گئے کہ ان پتھروں سے بھی گئے گزرے۔ نتیجہ قرآن حکیم کے شروع ہی میں بنی اسرائیل کا ذکر کر کے بتلایا جا رہا ہے کہ جب قوم نبی کے احکام کی فرمانبرداری ترک کر دیتی ہے تو اس کی تباہی یقینی ہے۔ مسلمانوں کو اس جگہ بتلایا جا رہا ہے کہ تم بھی اپنے نبی کی اطاعت کرو اور اس کے کسی حکم پر اعتراض مت کرو۔ بنی اسرائیل سنگدل ہو کر اللہ تعالےٰ کے احکام سے منحرف ہو گئے اسی طرح تباہ ہو گئے۔

انسان کے پاس جب راس المال ہوتا ہے تو وہ اس کے ذریعہ ہر قسم کے ضروریات مہیا کر سکتا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کو ایک قانونِ الٰہی دیا گیا جس کی پیروی سے انہیں دنیاوی جاہ و شوکت اور روحانیت دینی منظور تھی مگر وہ پیروی نہ کرنے سے سنگدل ہو گئے غرض اس جگہ بھی بنی اسرائیل ناکامیاب نکلے اس طرح پے در پے نافرمانی کر کے حکومت عطا نہیں کی جاتی۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ
کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے۔

قرآن حکیم ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتاب کے بہت سے احکام کی تحریف کر دی ہے اور آج کل جو پادریوں کی یورپ میں کمیٹیاں ہو رہی ہیں کہ انجیل کے بہت سے احکام کی تبدیل کرنے کی آج بھی ضرورت ہے۔ یہ قرآن حکیم کے اعتراض کی تصدیق کرتا ہے غرض یہود کے علماء کی یہ حالت تھی کہ اللہ تعالےٰ کے احکام کو اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے تھے اسلئے ترقی نہ کر سکے (ایک حاشیہ اس کا علم الکلام سے پہلے نقل ہو چکا ہے اس کو دیکھو) دیکھو آخر تقریر ان الذین امنوا والذین هادوا الاية۔ ص۵۲

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ

قالوا اتحدثونهم بما فتح الله عليكم ليحاجوكم به عند ربكم

افلا تعقلون ٧٦ اولا يعلمون ان الله يعلم ما يسرون و

ما يعلنون ٧٧

اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

یہود اپنے کم احتیاط کرنے والے مذہبی علماء سے بحث کرتے ہیں کہ وہ نبی آخرالزمان کی پیشین گوئیاں مسلمانوں کو نہ بتلائیں اسلئے کہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھالیں گے ان کے اس خیال کی اگلی آیت میں تردید کی جارہی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں سچ سچ ہی تھا خواہ اسے بنی اسرائیل ظاہر کریں یا پوشیدہ رکھیں۔

ومنهم اميون لا يعلمون الكتب الا اماني وان هم الا يظنون ٧٨

اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں اب ان پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا جاتا ہے امانی یعنی وہ لوگ جو صرف الفاظ پڑھتے ہیں معنی نہیں جانتے یعنی صرف تلاوت کرنا ہی جانتے ہیں بعینہٖ آج کل مسلمانوں کا یہی حال ہے ۔ جو نماز بھی بے سمجھے پڑھتے ہیں۔

فويل للذين يكتبون الكتب بايديهم ثم يقولون هذا من

عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا فويل لهم مما كتبت ايديهم

وويل لهم مما يكسبون ٧٩

سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔ تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول۔ سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے۔

یہ علماء کا ذکر ہے جن کا پہلے آیت ۷۵ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ خدا کی کتاب کے معانی اپنے مطلب پر ڈھال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کتاب کا مطلب درحقیقت یہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ یہی حال علماء کا

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے اقرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے اقرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔

ولو کنا عاصین غایۃ العصیان الا ایاما معدودۃ ثم ندخل الجنۃ یہود کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ آجکل مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہو گیا ہے کہ مسلمان گنہگار چند دن جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی امتیں جہنم میں رہیں گی۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہود کے اس عقیدے کی تردید ہے برے عمل کی سزا ضرور ملے گی برے کام کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے اور اہل جہنم ہے من احاطت بہ خطیتہ من کل جانب۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾ ع ۹

جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَ
بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا
لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے۔

شروع میں کثرت سے بنی اسرائیل اس پر کاربند تھے مگر بعد میں اس پر عمل کرنے والے بہت

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں اور نہ نکال دوگے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم مانتے ہو۔

یہ قانون یہودیوں کے لئے تھا اب اسی طرح مسلمانوں کے لئے ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ
مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ
يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ
مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ
الْقِيَٰمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰٓ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾

پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے۔ اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا بھی تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو۔ سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں۔ اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

اے بنی اسرائیل تم صرف ایک اصول (یعنی قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرانے) پر کاربند ہوا اور رائیت والے قانون کو بالکل فراموش کر دیا۔ افتؤمنون ببعض الخ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے جب کسی یورپین طاقت کی کسی اسلامی سلطنت سے جنگ چھڑ جاتی ہے تو یورپین طاقت کے زیر اثر مسلمان اپنی اسلامی سلطنت کو علمی قدمی درہمی، خوب مدد دیتے ہیں کہیں چندہ روانہ کرتے ہیں کہیں طبی امداد دیتے ہیں اور اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ یورپین طاقت کو فوج کے لئے سپاہی بھی دیتے ہیں جو اسلامی سلطنت کے خلاف جنگ لڑتی ہے فما جزاء من یفعل ذلک (ای العمل ببعض الکتٰب وترک البعض) نتیجہ الخزی الخ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی نعمت (حکومت) ہے وہ تم سے چھن جائے گی اور دنیا میں رسوا ہو جاؤ گے چنانچہ یہی حال بنو اسرائیل کا ہوا۔ آج دنیا میں ان کی کسی جگہ بھی حکومت نہیں ہے۔ مسلمان بھلا قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کر کے کیسا زندہ رہ سکتے ہیں؟ انہوں نے بھی اپنی کتاب کے ایک حصہ پر عمل کیا دوسرے حصہ سے پھر گئے ان کی بھی یہی کیفیت ہو گی۔ آج مسلمانوں سے بتدریج سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ان کی بجائے جو چھوٹی چھوٹی نام نہاد اسلامی سلطنتیں کھڑی کی جا رہی ہیں ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ وما اللہ بغافل الخ (فیجزیکم باعمالکم فی الدنیا والآخرۃ)

آج کل کے مسلمان

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا بِالْءَاخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۶﴾ ع ۱۰

یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔

یہی لوگ ہیں یعنی جن کا ذکر آیت ۸۵ میں ہوا ہے جو آخرت کا خیال نہیں کرتے اس واسطے انہیں ان کے اعمال کی سزا اس دنیا میں مل رہی ہے۔ آخرت کی سزا تو اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے قانون الٰہی پر عمل نہ کرنے کی سزا دنیا میں یہ ہے کہ ان سے اللہ کی نعمت یعنی حکومت چھین لی جاوے تو آخرت کی سزا کا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ کس قدر خوفناک ہوگی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح پاک سے پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا۔ اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

بینات ملکوتی قوت یعنی روحانی قوت جس میں کوئی کھلی ہوئی نشانی ہو جیسے پتھر پر دم کیا وہ سونا ہو جائے۔

روح القدس ملکوتی تعلیم ایسی صاف تعلیم جس سے ہر قسم کے شکوک رفع ہو جائیں یعنی بنی اسرائیل کے پاس ایسے نبی روانہ کیے کہ ملکوتی قوت اور صاف تعلیم لے کر ان کے پاس آئے مگر وہ قانون شکنی کے عادی ہونے کی وجہ سے بہتوں پر تو ایمان ہی نہیں لائے اور بہتوں کو قتل کر دیا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ بلکہ لعنت کی اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

یہود کا خیال تھا کہ وہ انبیاء کے وارث تھے اسلئے قانون الٰہی کو ان سے زیادہ اور کون سمجھتا تھا اس خیال کے ماتحت وہ کہتے تھے کہ ان کو کسی اور تعلیم کی ضرورت نہیں تھی غلف، یعنی ان کے دل علم کے مخزن تھے چونکہ وہ خود عالم تھے اس لئے دوسرے علم یعنی قرآن کی تعلیم کو نہیں حاصل کرتے تھے بل لعنهم الله الخ بلکہ

ان کے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ یہود قرآنی تعلیم کو اس وجہ سے حاصل نہیں کرتے تھے کہ ان کے زعم میں ان کے دل آگے ہی علم سے لبریز تھے اس لئے ان کو اور تعلیم کی ضرورت نہیں تھی انہیں اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ ان کے کفر کے باعث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے قانون الٰہی کی قانون شکنی مسلسل سے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ قرآن حکیم جیسی پاک تعلیم کی طرف نہیں آتے اللہ تعالیٰ کی ان پر یہی لعنت ہے کہ وہ اس تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا
مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا
كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ
اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔ بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے سو کما لائے غصہ پر غصہ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا۔

قرآن مصدق لما معہم (من الکتب) قرآن حکیم کہتا ہے کہ پہلے انبیاء اور کتب مقدسہ پر ایمان رکھنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ وکانوا من قبل الخ یہود جب دشمنوں سے مقابلہ کرتے تو نبی آخر الزمان کے واسطہ سے فتح کیلئے دعا مانگتے اور اب بھی یہود کا خیال تھا کہ جب وہ نبی آخر الزمان آئے گا تو اس کے ذریعہ سے وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے یعنی ان کے دین کے دشمن لوگوں پر ان کو فتح ہو جائے گی فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ (مع معرفتھم بہ) اور اس کے خلاف جنگ شروع کر دی یہود آج تک اس نبی آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے جیسا کہ انجیل میں آتا ہے "تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے اگر تم عیسیٰ نہیں ہو اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی" "وہ نبی" سے

مراد نبی جبکا وہ آج انتظار کر رہے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل تین مختلف نبیوں کا انتظار
کر رہے تھے اور اس نبی کا تو وہ عیسٰی کا وفات کے بعد بھی انتظار کر رہے تھے عیسٰی علیہ السلام کے بعد سوائے
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی نہیں گزرا تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ نبی آخر الزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ
مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ
بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ
خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾
وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہے ہم پر اور نہیں مانتے
اس کو جو اس کے سوا ہے حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے۔ کہہ دو پھر کیوں قتل

کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے۔ اور آ چکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر بنا لیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو۔ اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بسبب ان کے کفر کے۔ کہدے کہ بُری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو۔ کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو۔ اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ اور اللہ خوب خوب جانتا ہے گنہگاروں کو

وہ کہتے تھے کہ غیر بنی اسرائیل نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس پر وہ ایمان نہیں لائیں گے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اُمد تو درحقیقت انہیں کی کتاب کی پیشین گوئی کو پورا کرتی ہے یعنی یہ تو وہی نبی ہے جس کا یہود انتظار کر رہے تھے قل فلم تقتلون الخ یہود کہتے تھے کہ وہ صرف اسرائیلی نبی کی پیروی کریں گے اس کا جواب ہے کہ ان پر تم کب ایمان لائے ان میں سے بعض کو تم نے جھٹلایا بعض کو قتل کیا۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ
اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ
ع ١٠ ١١ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حرص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی۔ چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

مشرکوں سے مراد غالباً زرتشتی مذہب والے ہیں جو کسی کو دعا دیتے ہیں تو ایک ہزار برس کی زندگی کی دعا دیتے ہیں یا ممکن ہے اس سے عیسائی مراد ہوں کیونکہ انہوں نے بھی توحید میں اب شرک اختیار کر لیا تھا۔ غرض اس آیت سے مراد ہے قوم کی زندگی خوشحالی میں اور کسی ایک فرد کی زندگی مراد نہیں ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

تو کہہ دے جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

یعنی یہود جبریل کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے کہ ظلموں پر غضبِ الٰہی نازل کرنے کی خدمت اس کے سپرد تھی دوسرے یہود کا خیال تھا کہ جبریل بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرف وحی لانے پر مامور تھے اور اب اسنے بنی اسماعیل کی طرف آنا شروع کیا اسلئے وہ جبریل کے دشمن تھے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ
اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ
اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔ اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کریں گے مگر وہی جو نافرمان ہیں۔

درحقیقت انسان اور اللہ کے درمیان دشمنی نہیں۔ انسان کی اللہ تعالےٰ سے دشمنی سے مراد اس کے احکام کی نافرمانبرداری کرنا، قانونِ الٰہی کی پابندی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی انسان سے دشمنی سے مراد انسان کو قانونِ الٰہی

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ
وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ
عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے۔ اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔ اور پیچھے ہو لئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت۔

یعنی جو نبی آخرالزمان کے متعلق پیشین گوئی تھی اس کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف توجہ کرنی چھوڑ دی چاہئے تو یہ تھا کہ جب وہ نبی آخرالزمان انہیں کی کتابوں کی پیشین گوئی کے متعلق آیا تو اس پر ایمان لائے مگر انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ اس پیشین گوئی کا قرآن بار بار ذکر کرتا ہے کیونکہ یہ بالکل صاف اور واضح پیشین گوئی تھی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انقلاب کرنے کے لئے آئے تھے جس انقلاب کا وہ انتظار کر رہے تھے اور وہ انقلاب کامیاب ہوتا ہوا ان کو اپنی آنکھوں سے نظر آرہا تھا تو عقلمند کو چاہیے کہ اس کا اتباع کرے اگرچہ پیشین گوئی اس پر صادق آئے یا نہ آئے کام سے مطلب ہے (واتبعوا) اب ان یہود کی ذہنیت کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کو نہ پیشین گوئیوں کا لحاظ ہے نہ دینی انقلاب کی ضرورت ان کی فقط ایک خواہش ہے کہ وہ پیر بنے بیٹھے رہیں اور لوگ ان کے مرید رہیں اور اپنی کتاب تورات کو بھی انہوں نے چھوڑ رکھا ہے ساری جماعت تعویذ گنڈے اور عملیات کی تلاش میں لگی ہوئی ہے اور انبیاء اور ملائکہ کا نام سننا نہیں چاہتے کیونکہ یہ عمل کام بتاتے ہیں اس لئے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کی ذہنیت بالکل گندی ہو چکی ہے کسی جماعت میں شامل ہونے کی انہیں استعداد بھی باقی نہیں رہی۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ
وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ
مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ
مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ
بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَ

لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا دو فرشتوں پر شہرِ بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے۔ اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد اور اس کی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور بہت ہی بُری چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جو غیر اقوام ان میں کام کیا کرتی تھیں اور وہ بڑے شیطان تھے انہوں نے یہود کی ذہنیت بدلانے میں بڑا کام کیا انہوں نے منتر تنتر (جادو جنتر) اور تعویذ گنڈے ایجاد کئے اور سلیمان علیہ السلام کی ترقی و دولت کا راز ان کو یہ بتایا اور سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے نقش سلیمانی وغیرہ۔ حالانکہ سلیمان اللہ تعالیٰ کے نبی تھے انہوں نے جتنی کامیابی حاصل کی وہ صحیح اصولوں کی پابندی کے سبب سے۔ ان شیطانی اعمال سے جو ادنیٰ عقل والے لوگ ہیں اس میں پھنسے رہتے ہیں عالی دماغ آدمی کبھی ایسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

اور دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل اپنی بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہاروت اور ماروت سے ایسے علم کو سیکھا یہ کام بذاتِ خود اگرچہ نیک اور اچھا تھا کیونکہ اس میں اللہ تعالےٰ کے نام کی برکت سے مدد مانگتے تھے مگر اس کے ناجائز استعمال سے تباہ ہو گئے میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرنے لگے تاکہ بیوی کے ساتھ دوسرا آدمی شادی کر سکے۔ غرض انہوں نے اللہ تعالےٰ کی کتاب یعنی قانونِ الٰہی کو ترک کر دیا اور اس کے بجائے تعویذ گنڈے کے استعمال میں لگ گئے قوموں کی تنزلی کے زمانہ میں یہی حالت ہوتی ہے کہ قوم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ترک کر دیتی ہے اور اس کے بجائے تعویذ گنڈے میں لگ جاتی ہے پچھلی صدیوں سے سلمانوں کی بھی یہی حالت ہے انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بجائے تعویذ گنڈے کی طرف دن بدن زیادہ مائل ہو رہے ہیں۔ پنجاب سندھ، کشمیر، برما کے چشم دید حالات ہیں کہ وہاں امام مسجد سوائے مردہ کو غسل دینے کے کچھ نہیں جانتے مگر تعویذ گنڈوں کے متعلق ان کے پاس ایک نہ ایک کتاب ضرور ہوگی جس سے لوگوں کو اپنے قابوں میں رکھیں۔

وما یعلّمٰن من احد الخ یہ اس علم والوں کی ذہنیت کا بیان ہے یعنی ان کی عادت ہے کہ یوں کہتے ہیں تاکہ طلبہ کو اس طرف زیادہ میلان ہو اور احتمال ہے کہ یہ خدا پرست ہوں اور یہ علم ایسا ہے جیسے تلوار ہاتھ میں

لے کر ناحق قتل کرتا پھرے اسلئے جو اس میں ماہر ہوتے ہیں اجازت میں شرط لگا دیتے جب استاد کی شرط توڑ دی جائے تو اسے عزیمتوں کا اثر چلا جاتا ہے تو اس لئے آگے کہا جاتا ہے فیتعلمون منھما الخ یعنی اپنی تہذیب اخلاق کے لئے اور تقرب الی اللہ کے لئے نہیں سیکھتے بلکہ ایسے برے کام کے لئے سیکھ لیتے ہیں جو اس علم کی غرض و غایت بھی نہیں۔ وما ھم بضارین یہاں نفی ضرر کی بیان کی گئی ہے کہ اسکی تاثیر بھی نہیں الا باذن اللہ مگر کبھی یہ تفریق قوانین فطرت ہو جاتی ہے اور یہ لوگوں کو اپنی گرم بازاری کے لئے کہتے پھرتے ہیں کہ دیکھو ہمارے تعویذ نے پورا عمل کیا" ویتعلمون مایضرھم الخ یعنی جب لوگوں کو خبر ہوتی ہے کہ یہ خبیث ایسے کام کرتا ہے تو اس سے بغض و حسد بڑھ جاتا ہے اور ان کی کوئی سمجھدار حمایت نہیں کرتا اور ایسے کاموں کا برا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اور آخرت میں ایسے کاموں پر سخت عذاب ہے مگر یہ بے علم و بدتہذیب ہیں اسلئے یہ انسانیت سے خارج ہیں۔

ع
وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلا پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ کے انعام سے مالا مال ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نصیحت اور انعام حکومت کا عطا کرنا ہے۔

مختلف علوم

اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ بشریت میں جس قدر علوم رائج ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک ایسے ہیں جو زمین۔ ہوا۔ پانی اور طبعی چیزیں (جن سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے) ہیں ان سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے جو فلکیات یعنی سورج چاند اور ستاروں وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تیسرا جو روحانیات یعنی انسان کے دل دماغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ میں مختلف دور گزر چکے ہیں بعض وقت علم کا ایک حصہ انسانیت میں اعلیٰ مانا جاتا تھا پھر انسانیت میں اس سے جو آگے ترقی ہوئی تو وہ پیچھے ہٹ گیا یعنی اب وہ جس درجہ پر آ گیا اب اس پر زور دینا ارتجائی بن جاتا ہے اس طرح جتنے علوم ترقی کرتے جائیں گے جو غیر ترقی یافتہ شکل ہے وہ ارتجائی بن جائے گی پہلے ایک زمانہ ایسا تھا کہ فلکیات کا عروج (یعنی ستاروں کے علوم کا زمانہ) تھا اس زمانہ میں انسانی ضرورتیں سب انہیں کے توسل سے پوری کی جاتی تھیں بیماری کا علاج بھی سورج چاند کی طرف توجہ کر کے انہیں کے نور سے کیا جاتا تھا اسی طرح انسانی اجتماعیت کی جو ضرورتیں ہیں وہ پوری کی جاتیں مثل دو آدمیوں میں دوستی یا دشمنی ڈالنی ہے تو وہ اس قسم کی صورتوں میں انہیں سے مدد لیتے ان علوم کی ایک شکل ایسی تھی کہ وہ انسانیت کے لئے اچھی مضر تھی۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا چلانے والا ہے تو

اصل توجہ اس تدبیرِ واحد (اللہ تعالیٰ) کی طرف رہتی ہے اور ان آسمانی چیزوں کو (سورج چاند ستارے) اس کی تدبیر کا مظہر سمجھا جاتا تھا اس کے بعد ایسا دور آیا کہ اس مالکِ واحد کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور انہیں علوم کی طرف توجہ بندھ گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے ان آسمانی چیزوں کی طرف توجہ زیادہ ہوگئی اور اور انہیں کی طرف سے نفع ونقصان سمجھنے لگے دماغوں میں جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ اصل ایک تدبیر سے توجہ ہٹ جائے اور خاص خاص گروہوں کی طرف مستحکم ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسانیت آپس میں پھٹ جائے گی اور انہیں آپس میں کشت وخون شروع ہو جائیں گے جو انسانیت کے لئے مضر ہیں اس حالت میں ایک مصلح پیدا ہوا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

انہوں نے انسانیت کو اس طرف سے ہٹا کر پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کی اور انسانی دل و دماغ کی جو قوتیں ہیں انہیں کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا اور ان کے اس دین کو دینِ فطرت کہا جاتا ہے یعنی انسانی فطرت یہی چاہتی ہے کہ وہ دل و دماغ (عقل) سے کام لے۔

اسی طرح جب انسانیت کا مکمل ترقی کا پروگرام سامنے آگیا تو پہلا جو نظام تھا کہ آسمانی چیزوں سے استمداد حاصل کی جائے وہ متروک قرار دیا جائے گا اور انسانیت کو ہمیشہ ہٹانے کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ اس طرف متوجہ نہ ہو مگر اس کا بقیہ دنیا میں موجود ہے اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا کیونکہ بعض قومیں ایسی ہیں کہ وہ اس کو لے کر بیٹھی ہوئی ہیں اور اسی کو اوڑھنا اور بچھونا بنایا ہوا ہے۔

اب ابراہیمی طریقہ میں آسمانی قوتوں سے مدد لے کر کسی قوم کی تاثیر پیدا کرنا بالکل ممنوع ہے اس سے آہستہ آہستہ قوم میں شرک پیدا ہوگا یعنی ان کی مرکزی قوت بٹ جائے گی جب ساری انسانیت خدا کو ایک مانتی ہو تو ان کی مرکزیت ایک ہے مگر جب انہوں نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ خدا بنالئے تو ان کی مرکزی قوت بٹ جائے گی چونکہ آخری دور میں ان علوم کا یہی حشر ہوا کہ اس سے انسانیت بٹ گئی تھی اور شرک پیدا ہو چکا تھا ہر ایک آدمی نے اپنا علیحدہ علیحدہ خدا بنالیا تھا۔ بعض تو ستاروں کو آسمان پر خدا بنالیتے اور بعض ان کی روح کا مظہر ایک بڑا انسان سمجھتے تھے اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا مجسمہ بنالیتے اور اس کو مان لیتے آرین تہذیب کے ساتھ یہ فکر اور خیال دنیا میں عام طور پر موجود ہے اس کی تعلیم سے چارہ نہیں ہے کہ اس کی تعلیم میں درحقیقت حقانیت موجود تھی اور اب بھی بعض آدمی ایسے ملیں گے کہ وہ اس تعلیم کے صحیح پابند ہوں مگر اس کا انسانیت پر جو عام اثر لازم آتا ہے کہ انسان مختلف خدا بنالیتا ہے اور تمام مخلوقات کا ایک مرکز (خدا) ماننے کا خیال اس کے دماغ سے ہٹ جاتا ہے اب جو علیحدہ علیحدہ خدا بنائیں گے یہ ان کی عملی زندگی میں ہوگا اگرچہ عقلی

طور پر وہ ایک خدا کے قائل ہی رہیں گے اس شرک یا تفریق انسانیت کو ابراہیمی ملت برداشت نہیں کر سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں اس قسم کے بنیادی اصول موجود ہیں جو اس تعلیم سے علیحدگی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کسی مصنوعی بت کا سجدہ کرنا اور اس کی تعظیم کرنا ان کے ہاں قطعی حرام ہے اور یہ درحقیقت اس پہلی ملت کے نسخ (معطل) کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی پہلی حالت میں جب انسان خدا کی طرف توجہ کرنے کا ارادہ کریگا تو ضرور کسی ستارے کو اپنا قبلہ بنائیگا اور پھر اس ستارہ کا زیادہ ممثل (مجسمہ) جو انسانوں میں ملتا ہے اسے سمجھے گا اور پھر اس انسان کی عدم موجودگی میں اس کا قبلہ بنائیگا اور بعض اوقات اس ستارے کی تصویر بنائے گا جس کو اپنے سامنے رکھ کر خدا کی طرف توجہ کرے گا جاہل لوگ تو اس کو اصل چیز سمجھنے لگ جائیں مگر صحیح تعلیم کا مالک اس کو ضرور توجہ کا ذریعہ بنائیگا اب موسوی ملت میں جب حکم دیا گیا کہ کسی تصویر کے نزدیک مت جاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پہلی ملت سے بالکل علیحدہ رہو اب یہود کی تاریخ میں چند واقعات گزرے ہیں جس میں انہوں نے اس منسوخ ملت کی طرف توجہ کی ہے پہلے تو یہ لوگ جب بابل میں قید ہو گئے تو انہیں اس تعلیم کے اس جگہ صحیح استاد ملے (یعنی ہاروت اور ماروت) ان میں شرک کی تعلیم بالکل نہیں تھی وہ ان چیزوں کو (سورج۔ چاند۔ ستارے وغیرہ) قبلہ سمجھ کر استعمال کرتے اور بعض اسماء الٰہیہ بتاتے جن کی تاثیر سے انسان کے کام ہو جاتے تو ہاروت و ماروت کو فرشتہ خصلت انسان سمجھتے مثلاً ہمارے بعض صوفی جو زاہد اور مقدس ہو کر رہتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورتوں سے الگ رہتے ہیں اسی طرح کے ہاروت و ماروت دو مقدس انسان تھے یہود نے بعض اسماء الٰہیہ کی ان دو بزرگوں (ہاروت و ماروت) سے سیکھیں مگر انہوں نے سکھاتے وقت یہ شرط لگائی کہ اگر ان کو غلط طریقہ پر استعمال کروگے تو کافر سمجھے جاؤ گے (یعنی ہماری جماعت میں سے نہیں ہوگے اور منکر سمجھے جاؤ گے) تسخیر اور عملیات کا یہ حصہ جو یہود نے ان شخصوں سے سیکھا تھا یہود میں برابر چلا آتا تھا اس میں شرک اور بت پرستی بالکل نہیں ہے مگر اس میں شک نہیں کہ ملت ابراہیمی کے یہ اذکار نہیں ہیں مثلاً دارا شکوہ جب اپنی مہر پر۔ اللہ کے بجائے۔ پربھو۔ لکھنا شروع کیا تو مسلمانوں کو بہت ناگوار گزرا اس میں زیادہ نقص کی بات نہیں ہے مگر چونکہ یہ غیر ملت (غیر اسلامی) کا لفظ تھا اس واسطے مسلمانوں کو ناگوار گزرا مسلمانوں کے ہاں ایسے بے شمار صوفی ہیں جنہوں نے اس تعلیم پر عمل کیا مگر انہوں نے اس میں سے شرک نکال دیا اور اصلی حقیقی تعلیم پر عمل کیا جیسے محمد غوث گوالیار میں اسی قسم کے صوفی بزرگ والے گزرے ہیں۔ غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم۔

غرض اس طرح کا علم ہاروت و ماروت سے سیکھا ہوا علم یہود میں موجود تھا اور یہود کے خاص لوگ اس علم کو جانتے تھے مگر عام کی اس تک رسائی نہیں تھی اور خاص لوگ بھی بہت محنت اور

دوسری دفعہ یہود میں اس علم کا اثر اس وقت آیا جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے صابی قوموں میں سے بیت المقدس کی تعمیر کے واسطے آدمی بلائے اور انہوں نے آکر بیت المقدس بنایا یہ صابی مذہب کے کاریگر ابراہیمی طریقہ کے پابند نہیں تھے بلکہ وہ اپنے طریقہ کے قائل تھے اور ان میں شرک بھی برابر موجود تھا تو بعض یہود نے ان سے مل کر بھی کچھ علم سیکھا تھا۔ اسماء الٰہی کی تاثیر کی ایک مثال ہم نے دیکھی اہلِ حدیث طائفہ کے بزرگ کا واقعہ ہے جس کا نام فتح محمد ذات کا بنجارہ اوچ خان پور ریاست بہاول پور کا رہنے والا تھا اسے ایک چور نے (بسم اللہ الرحمن الرحیم) پڑھنے کی اجازت دی کہ "بسم اللہ کہہ کر تم جس قفل میں ہاتھ ڈالو گے قفل کھل جائے گا" اس کے ساتھ ہی شرط کر دی کہ "کسی کو مت بتانا" اب میاں فتح محمد کی یہ حالت تھی کہ دکان کے تالے کی چابی کئی دفعہ گھر رہ گئی اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے تالا کھول لیا یعنی اس کا تجربہ حاصل ہو گیا تھا مگر جب اس نے ایک دوسرے آدمی کو یہ بتلا دیا تو پھر کچھ بھی نہ رہا جس دن اس نے یہ شرط توڑ دی اثر

جب کوئی مذہبی قوم اپنی اصلی مذہبی تعلیم سے ہٹ جائے تو اس میں طبعی طور پر دوسری قوموں سے ایسی چیزیں سیکھنے کا شوق ہوتا ہے جس سے وہ اپنی عظمت بحال کر سکیں یہود کے تنزل کے زمانہ میں انہوں نے صابی قوموں سے (آرین کو ہم صابی سمجھتے ہیں) چند ٹوٹکے حاصل کر لیتے تھے اس میں ایسی چیزیں بھی تھیں جن میں شرک بھی آتا ہے اور اس کا اثر اس طرح استعمال کرتے کہ کسی کو تعویذ لکھ کر دے دیتے کہ عورت اور مرد میں محبت پیدا ہو جائے گی یا منافرت پیدا ہو جائے جب کہ تعویذ میں ہم نے ایسی تاثیر دیکھی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رنجش پیدا کر دی کہ عورت کو کسی اور مرد کی طرف مائل کر دیا پھر وہ کسی اور مرد پر عاشق ہو گئی اب پہلے مرد سے ناچاقی رہتی اور وہ عورت کو طلاق دے دیتا پھر وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لیتی غرض یہود نے اس قسم کے تعویذ کرنے سیکھ لئے تھے اور سندھ اور پنجاب اور برما کی یہ چشم دید حالت ہے کہ دیہاتوں میں ہر ایک مولوی کے پاس نقشِ سلیمانی کتاب موجود ہے۔ (مجمع الفوائد)

غرض تاریخ اپنے واقعات کو دہراتی ہے اور قوموں میں اس کی مثالیں بار بار ملتی ہیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہیئے خود مسلمانوں کے زوال کی تاریخ ہمارے روبرو ہے اور اس سے ہم یہود کے زوال کی تاریخ سمجھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ترقی کا یہ راستہ تھا کہ وہ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کریں۔ مگر وہ اس کے بجائے دوسری باتوں کی طرف راغب ہو گئے اور جب دین کے علماء کی یہ حالت ہو جائے تو اس کے بعد کیا یہ قوم دنیا میں کہہ سکتی ہے کہ ہمارا دین قبول کرو۔ قرآن حکیم نے اس قسم کے اعمال سے شرم دلائی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ الخ یہود کے دین کو قائم کرنے کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے

ہوئے تو یہود کے ایک حصہ نے اپنی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ پر اتر آئے اس مقابلہ کرنے میں انہوں نے یہ کام کیا۔

واتبعوا ما تتلوا الخ یعنی کتابِ الٰہی کو چھوڑ کر تعویذات پر جھک پڑے یعنی سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس کی تعمیر کے واسطے جو شیطان (بڑے بڑے قد کے آدمی جو کافر تھے) جمع ہوئے تھے کچھ تو ان سے سیکھے اور وہ کہتے کہ خود سلیمان علیہ السلام نے انہیں علوم سے اپنی حکومت پیدا کی۔ وما کفر سلیمان الخ مگر قرآن حکیم ان کی تکذیب کرتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس قسم کے کام نہیں کئے بلکہ شیاطین اس قسم کے کام کرتے تھے وما انزل علی الملکین الخ (ای اتبعوا ما انزل علیہما من العلم) ان پہلی ملتوں کا یہ صحیح علم تھا لوگ فرشتہ منش انسانوں (ہاروت و ماروت) سے یہ علم سیکھا کرتے تھے اور وہ کفر میں استعمال نہ کرنے کی شرط لگا کر لوگوں کو یہ علم سکھاتے تھے۔

یہ علم اجتماعیت کے لئے مناسب نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ عام لوگوں کو فائدہ پہنچائے بلکہ اس سے صرف خاص خاص لوگ ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس واسطے یہ علم عام لوگوں کے واسطے نہیں تھا اور اس کے ساتھ ہی بحالتِ نقصان کفر کا بھی خدشہ تھا۔ ہاروت و ماروت بعض صحیح چیزوں کو خاص پابندیوں کے ساتھ لوگوں کو سکھلاتے تھے اور اسی طرح ان سے یہود نے بھی اس علم کو سیکھا فیتعلمون منہما الخ وضمیر افہام یرجع الی ہاروت و ماروت عند البعض وہو خطا۔ اس معنی سے آیت کا مطلب ہی بگڑ جاتا ہے اور اس معنی کی بنا پر بے سرو پا قصے بنائے گئے ہیں۔

اصل ترجمہ یوں ہے پس سیکھتے ہیں ان دونوں علموں سے یعنی ایک علم شیطانوں کا جو یہود نے سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سیکھا تھا دوسرا علم جو انہوں نے فرشتہ منش انسانوں (ہاروت و ماروت) سے سیکھا تھا غرض ان دونوں علموں میں سے جن کے عالم یہود کے ہاں موجود ہیں۔ یہ اپنے علماء سے سیکھتے ہیں ما یفرقون بہ الخ تاکہ عورت مرد میں نفاق ڈال دیں۔ وما ہم بضارین الخ ان کو آخر اتنا تو یقین ہونا چاہیئے کہ یہ ایک معمولی سا سبب ہے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایسی تاثیر پیدا نہ ہونے دے مطلب یہ ہے کہ یہ یقین نہیں ہے کہ اس میں ضرور تاثیر پیدا ہوگی اب اس کا ضرر قطعی ہے کہ کفر کی تعلیم اخذ کراتے ہیں اور نفع مشکوک ہے یہ تو دنیاوی حالت ہے کہ نقصان ظاہر ہے کہ دنیا میں اپنا دین چھوڑا۔ ولقد علموا الخ اور آخرت کے اعتبار سے ان کو معلوم ہے کہ یہ نقصان دہ ہے ولبئس ما شروا بہ اور یہ بہت برا ہے کہ انہوں نے آخرت کو بری طرح فروخت کر دیا۔

اب ہمارے ہاں دو قسم کے مفسرین ہیں ایک تو ایسے ہیں جو اسی قسم کی چیزوں (جادو ستاروں کی تاثیر

سے اثر پیدا کرنا) کا بالکل انکار کر دیتے ہیں کہ ان میں تاثیر نہیں ہوتی اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ جھوٹی بات ہے ہم اس قسم کے ان علوم کا ہم انکار نہیں کرتے اسلئے کہ اس قسم کے واقعات بے انتہا ثابت کئے جا سکتے ہیں مگر یہ دوسری قوموں کے ہیں۔ ادھر مسلمانوں کی یہ ذہنیت ہے کہ وہ دوسری قوموں کے ہاں جو کچھ ہے اسے غلط کہتے ہیں۔ دوسری قوموں کے واقعات کو چھوڑ دیجئے خود مسلمان بزرگوں کے واقعات (جو اس قوم میں یکتا گزرے ہیں) ہمارے روبرو ہیں کہ ان مسلمان علماء کو کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور تاریخ کی جن کتابوں میں ایسے واقعات کا ذکر ہو ان کتابوں کا انکار کر دیتے ہیں ہم اس علم کی جس قدر یہ سائنس ہے اسے قبول کرتے ہیں مگر ایک سائنس ہے کہ اس کا اثر انسان کے دل و دماغ پر برا پڑتا ہے اجتماعی نقطہ نظر سے ہم اسے حرام قرار دیں گے۔ زہریلی چیزیں اور نشہ آور چیزیں قطعی تاثیر رکھتی ہیں اسو اسطے حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی عام بکری روک دے اسی طرح یہ چیزیں بھی تاثیر رکھتی ہیں۔ انسانیت کی تکمیل کرنے والے قانون کا فرض ہے کہ انسانیت کو ان کے نقصان سے بچانے کے لئے ان کو ممنوع قرار دیدے۔

اب دوسرے مفسرین ایسے ہیں کہ قرآن حکیم کی تفسیر میں کسی نے جو کچھ سچ اور جھوٹ لکھ دیا ہے اس پر قرآن حکیم کی مانند ایمان لے آتے ہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں میں آجکل اسی جماعت کا غلبہ ہے قرآن حکیم کی تعلیم کو حکمت کے ساتھ منطبق کرنا (جیسا کہ قرآن حکیم سکھلاتا ہے) ہم لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو بالکل ہی انکار کر دیا یا بالکل ہی ثابت کرنے بیٹھ گئے۔ ولو انهم امنوا الخ مر تفسيره۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٠٤

اے ایمان والو تم نہ کہو "راعنا" اور کہو "انظرنا" اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک۔

یعنی مہربانی کر کے ہماری رعایت کیجئے: دوسرے یہ معنی کہ ہم ایک متکبر سے بات کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں برے الفاظ استعمال کرتے "انظرنا" بمعنی ہم پر نظر کیجئے۔ بنی اسرائیل جیسا کہ آیت ١٠٢ تک بیان کیا گیا مذہب سے حد درجہ پیچھے ہٹ گئے تھے اور قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے کے بجائے انہوں نے ٹونے ٹوٹکے کا استعمال شروع کر دیا تھا اس سے وہ اس قدر سیاہ دل ہو گئے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے پروگرام انقلابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل کر دکھایا تو انہوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور یہی ان کی شقاوتِ قلبی کی نشانی تھی اور اسی کا نام ملعون ہے۔ مسلمانوں کو مخاطب کر کے

کہا جا رہا ہے کہ تم ان حرکتوں کی پیروی نہ کرو بلکہ ان سے بچو یہ تو اب حد سے زیادہ ذلیل ہو گئے ہیں مبادا ان کے جراثیم تم میں اثر نہ کر جائیں۔

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۰۵﴾

نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے اور خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہود اصلِ مذہب سے بہت دور ہٹ گئے اور اب سب کچھ کھو چکے تھے قرآن کی حقانیت کے گو قائل تھے مگر کہتے تھے کہ ہماری موجودگی (بنی اسرائیل کی) میں کسی دوسرے پر کیوں خیر و برکت نازل ہو؟ اب ان کے اس خیال سے دوسری مستحق قوموں سے جو قانونِ الٰہی پر پابندی کر رہی تھیں ان سے خیر و برکت روکی نہیں جا سکتی تھی۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾

جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہود کا اعتراض تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں وحی نازل کی جاتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے احکام کیوں منسوخ کئے جاتے ہیں پچھلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی کے لئے اس کا انتخاب کر لیتا ہے اگر ایک قانون منسوخ کیا جاتا ہے تو اس کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسی سے ایک بہتر قانون دیا جاتا ہے آیات بمعنی پیغام ہیں اسی سے مراد آیات قرآنی نہیں بلکہ آیات موسوی مراد ہیں اگلی آیت میں قانونِ قدرت بتلایا گیا ہے کہ پرانے قانون کو منسوخ کر کے نئی قانون ہمیشہ وضع کئے جاتے ہیں تاکہ ادنیٰ قوانین کے بجائے اعلیٰ قوانین دیئے جائیں مثلاً باغ میں ایک درخت اپنی بہار دیکر خشک

ہو جاتا ہے تو باغبان اسے اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے اور اس کے بجائے ایک نیا پودا لگا دیتا ہے قانونِ موسوی صرف ایک خاص وقت تک اور ایک خاص قوم کے لئے مخصوص تھا اور صرف اسی قوم کا متکفل تھا اس کو اب منسوخ کر کے اس کے بجائے ایک اعلیٰ قانونِ فطرت دیا جا رہا ہے الغرض اس جگہ موسوی قوانین کے منسوخ کرنے کا ذکر ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنتِ آسمان اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا

آیت ۱۰۶ میں نسخ کا ذکر کیا گیا تھا اب بتلایا جاتا ہے کہ زمین و آسمان کا شاہنشاہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دن کے بعد رات آتی ہے تاکہ اس میں آرام کر کے دن کی تھکان کو دور کر سکیں رات کے بعد دن آتا ہے تاکہ ہم اپنے ضروریاتِ زندگی کے لئے ساز و سامان پیدا کر سکیں غرض اسی طرح ایک چیز کے بعد دوسری بہتر چیز آتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبدیلی کی کیفیت ہے مثلاً مسلمانوں میں آغازِ اسلام میں چند مصلحتوں کے باعث جنگ کی اجازت نہیں تھی مگر جب انہوں نے کچھ جمعیت پیدا کر لی تو ان کو جنگ

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم اپنے نبی کے احکام پر جو من جانب اللہ تھے اعتراض کرتے تھے اور اسی کے باعث اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا جیسا کہ آیت (۶۱) میں ذکر ہے نبیؐ کے احکام کی صدق دل سے پیروی کرنی چاہیئے اس لئے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اللہ کی طرف سے کہہ رہا ہے ومن یتبدل الکفر الخ مذہب اور فلسفہ دونوں نے اس اصول کو مان لیا ہے کہ انسان بہت سی باتوں میں مجبور ہونے کے باوجود

اپنے ارادے اور مشیت اور نیت کی آزادی برحال رکھتا ہے اور غریب کشمکشِ جبر و اختیار میں ہے۔ لیکن انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات اس کشمکشِ اختیار سے محروم ہے اور ان میں سے ہر ایک یا تو اپنی جبلت یا اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبورِ محض ہیں اور ان لوازم خصائص اور اثرات کی بجا آوری پر مضطر ہیں جن کے لئے خِلقت ہوئی آفتاب سے نور ہی ظاہر ہوگا گلاب سے خوشبو ہی نکلے گی اور سنکھیا سے موت ہی صادر ہوگی مگر انسان سے نور اور تاریکی خوشبو اور بدبو حیات اور ممات دونوں صادر ہو سکتے ہیں اس کے اخلاق اور خصائل تربیت پذیر ہیں اور اسلئے وہ تعلیم و تربیت کا محتاج ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ کائنات کی ہر مخلوق فطرۃً اسی کام کو کرنے پر مجبور ہے جس کے لئے اس کے خالق نے اس کو پیدا کیا ہے لیکن انسان تھوڑا سا اختیار پا کر فعل اور ترکِ فعل کے درمیان ترجیح کا حق رکھتا ہے اس لئے ضرورت اختیار
اس کی پیدا ہوتی ہے کہ وہ پہلے ان اغراض کو سمجھے جن کے لئے اس کی خِلقت ہوئی ہے اور پھر ان اغراض کے مطابق اپنے کام کو پوری متعلمی اور دیانت داری سے سر انجام دے۔

موجودہ صورت میں اسے اپنے نیک و بد کا اختیار دیا گیا ہے آسے اب بتلایا جا رہا ہے کہ قوانینِ الٰہی اختیار
کی پابندی سے وہ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور اس کی نعمت یعنی حکومت کو حاصل کر سکتا ہے اور قوانینِ الٰہی سے سرکشی کرنے سے وہ غضبِ الٰہی کا مستحق ہوگا یعنی اللہ تعالےٰ کی نعمتِ حکومت اس سے چھین لی جائے گی اور وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہوگا۔ فقد ضل سواء السبیل اس نے بے شک سیدھا رستہ چھوڑ دیا یعنی جب انسان قوانینِ الٰہی پر کاربند رہنا ترک کر دے تو یقیناً وہ گمراہ ہے۔

غرض اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی یہود کی طرح اپنے رسول سے تنسیخ کے باب میں متواتر دریافت کرتے ہو حالانکہ یہود کا مدعا صرف یہی ہے کہ وہ اس بارے مسلمانوں میں شکوک پیدا کر دیں اور اس طرح ان کو اپنے مذہبِ اسلام سے متنفر کر دیں اور پھر وہ بدستور یہود و نصاریٰ وغیرہ میں آملیں۔

یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی صداقت پوری طرح سمجھ چکے تھے مگر چونکہ وہ بنی اسماعیل تھا اس لئے اس کے خلاف ہو گئے جیسا کہ آیت ۱۰۵ میں مذکور ہے وہ مسلمانوں کی ترقی برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ تنسیخ کے مسئلہ میں مسلمانوں میں شکوک ڈال کر ان کو اپنے مذہب سے متنفر کر دیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا
حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا

وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾

دل چاہتا ہے بہت سے اہلِ کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق۔ سو تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یردونکم (بالقاء الشکوک فی قلوبکم بمسئلۃ النسخ) من بعد ایمانکم کفارا (ضلالا) من بعد ما تبین لھم (اگرچہ ان پر صداقت آشکارا ہو چکی ہے وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام اپنی صداقت کے باعث کس طرح روزانہ بڑھ رہا ہے فاعفوا (الخ) بامرہ (یعنی الامر باتصال بالیہود) یعنی تم اتنا عرصہ پُرامن رہو اور انکی شرارتوں سے درگزر کرو۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

پہلے بتایا گیا ہے کہ اصل غرض جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کا نام مقصود بالذات ہے (آیت ۴۲) اور باقی ذرائع مقصد۔ جہاد مقصد اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد۔ غرض حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے مستعد رہو اور اس طرح ذرائع مقصد کو پورا کرتے رہو جب تک کہ تم کو جنگ کی اجازت نہ دی جائے کسی سے جنگ نہ کرو۔ انصارِ مدینہ کے دل میں یہود کے علماء کی علم و فضیلت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اب مسلمانوں کو بھی ان کے مساوی قوت رکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے تاکہ مسلمان انصار کے دل سے علماء یہود کی برتری کے خیالات نکال دیئے جائیں۔

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ

۱۳ ع ۹ ۱۳

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی ۔ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہدے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو ۔ کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگیں ہونگے

یہود و نصاریٰ کو بتلایا جا رہا ہے کہ ان کا عقیدہ (کہ نجات صرف انہیں کی ہوگی) غلط ہے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکی مخلوق کی خدمت ہو اور اسلام یہی سبق دنیا کو سکھاتا ہے ۔

بلیٰ من اسلم الخ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے آگے جھکا دیا ۔ لفظ اسلم سے اس مذہب کا نام قرآن حکیم سے نکلتا ہے جس کا نام اسلام ہے ۔ اس کے معنی ہیں جھک جانا یا امن میں داخل ہونا در حقیقت اسلام امن کا زبردست حامی ہے اور اسلام کا منتہائے مقصد بھی امن کا مقام ہے غرض نجات اس کے لئے ہے جو دنیا میں اصلی اور صحیح معنی میں امن قائم کرے اور اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے ۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی راہ پر ، باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب ۔ اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے ۔

یہود و نصاریٰ اگرچہ دونوں تورات پر ایمان رکھتے ہیں مگر دونوں میں تعصب اس قدر بھر گیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی صداقت کے منکر ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو غلط راستہ پر بتلاتے ہیں اس کے مقابلہ میں اسلام کہتا ہے کہ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ صداقت موجود ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ان کی ہدایت کیلئے

نبی روانہ کئے لطف یہ ہے کہ یہ الفاظ اسی ذاتِ گرامی سے کہلوا رہا ہے جس نے نہ کسی سے علیم حاصل کی اور نہ کسی مذہب کا مطالعہ کیا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ
سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے۔ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

یہودِ مدینہ جنہوں نے اسلام کے خلاف ہر ممکن کوشش کی وہ یا لڑائی میں مارے گئے یا جلاوطن ہوئے بت پرست یا قریش جو مسلمانوں کو مسجدوں میں عبادت نہیں کرنے دیتے تھے انہیں بالآخر انہیں مسلمانوں کی اطاعت کرنی پڑی جن کو خدا کی عبادت کرنے سے روکتے تھے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ بے شک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

قبلہ کی تعیین میں وقت ضائع نہ کرو کہ تم نماز بیت المقدس کی طرف کرو یا خانہ کعبہ کی طرف تمہارا قبلہ ایک سمت مقرر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے تمہاری تنظیم ہو جائے تم دیکھو کہ قبلہ ایک سمت مقرر کرنے سے مراد کیا ہے؟ جب تم یہ بات سمجھ لوگے تو پھر تم جس طرف رجوع کروگے اسی طرف ہی اللہ کی غرض ہے یعنی اس طرف تمہیں اعلیٰ اور عمدہ انعام دیئے جائیں گے اور یہ وعدہ شام۔ مصر۔ عراق کی زرخیز زمینوں کے فتح ہونے پر پورا ہوا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾

اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ سب اسی کے تابعدار ہیں۔

نصاریٰ نے بیت المقدس کو مقدس گھر سمجھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقدس انسان سمجھ کر ایسے یہاں تک بڑھایا کہ خدا کا بیٹا قرار دیا یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور زمانہ جاہلیت کے عرب نے فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں قرار دیا اسی واسطے اسلام کہتا ہے ؎

تم اوروں کی مانند دھوکہ نہ کھانا + کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾

نیا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

اور یہ سماجی اصول کہ روح اور مادہ قدیمی ہیں خدا نے ان کو صرف مرکب کر کے انسانی شکل میں ڈھال دیا۔ اس کی تردید کی جا رہی ہے بعض امور ایسے ہیں جو عام سمجھ سے باہر ہیں ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال بن سکے۔ بعض ایسے ہیں کہ اگر صاف صاف بیان کر دیئے جائیں تب بھی سمجھ میں آسکتے ہیں لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ میں اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے مثلاً خدا کی قدرتِ کاملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کُن یعنی ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے اس موقعہ پر طرزِ کلام خود بتلا رہا ہے کہ قدرتِ کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہے اور نہ یہ کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہے۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے (آیت ۳۱) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم یعنی سمجھ دی جس کے ذریعہ وہ سمندر میں جہاز تیراتا ہے دریا سے نہریں نکال کر ان سے اپنی کھیتی باڑی کو شاداب کرتا ہے ہوا سے پنکھے گھما کر پن چکیاں چلاتا ہے

اور آبشار سے بجلی پیدا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ غرض ان سے انسان کو عقل دے کر اس سے عجیب و غریب کام کراتا ہے اس تمام کائنات کے اوپر ایک ایسی ذات موجود ہے جو اس تمام مخلوق کی خالق ہے اور عالم بے بسی میں انسانی فہم و فراست کا پتلہ اسی طرف متوجہ ہوتا ہے ؎

نظامِ عالم بتا رہا ہے کہ ہے ایک اس کا بنانیوالا | ظہورِ آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنیوالا
نسیمِ مستانی چل رہی ہے چمن میں بھر رت بدل رہی ہے | صدائے دل سے نکل رہی ہے دبتی ہے گل کھلانے والا اکبرؔ

غرض انسان جو کام اپنی فہم و فراست کے بل کرتا ہے وہ اور دیگر کام جو انسان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتے ان امور کو اللہ تعالیٰ کی ذات لفظِ "کُن" سے حکم کرتی ہے۔ اور اسی وقت عام امور سرانجام

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ۗ كَذَٰلِكَ
قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ
قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ١١٨ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ١١٩ وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ
الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ
هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ١٢٠

اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو اس سے پہلے تھے انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل ان کے بے شک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں۔ بے شک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر خوشخبری دینے والا اور

ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ.
جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا. تو کہدے جو راہ اللہ بتلادے وہی راہ سیدھی ہے. اور اگر بالفرض تو تابعداری
کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا، تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور
کفار کا مطالبہ تھا کہ یا تو اللہ تعالےٰ ان سے بات کرے اور بتلائے کہ اسلام سچا مذہب ہے یا ان کو کوئی
نشانی دے نشانی سے مراد تھا کہ اگر وہ اس نبی کو نہیں مانتے تو ان پر غضبِ الٰہی نازل ہو ان دونوں کا جواب
دیا جا رہا ہے کہ اے رسول تم ان کو خوشخبری دو کہ اگر یہ قانونِ الٰہی کی پابندی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے کلام
کرے گا اور رسول بطورِ نذیر ان کو ساتھ ہی ساتھ تنبیہ کر رہا ہے کہ اگر انہوں نے قانونِ الٰہی کی پابندی نہ کی
تو ان پر غضبِ الٰہی نازل ہوگا یہود و نصاریٰ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں. آیتوں میں یہ و لولا کہ خدا
ہم سے بات کرے یعنی پیغمبر ارسال کرے تو عمومی ضرورت یوں پوری ہو کہ انا ارسلنٰک بالحق الخ خدا تعالےٰ
انسان سے تین طرح کلام کرتا ہے یا وحی سے یا پردہ نورانی کے حجاب سے یا ایک پیغمبر کو روانہ کرتا رسول کی
بات مرسل کی ہوتی ہے نائبِ حکومت کی بات حکومت کی ہوتی ہے تو عرب امی کہہ رہے ہیں لولا یکلمنا اللہ
یا سچ اور جھوٹ کی پہچان کے لئے نشانی ہو چوں کہ اہلِ کتاب آپس میں لڑ رہے ہیں اس کے علاوہ ان کی رسوم مشرکانہ
ہیں تو امیوں کی تسلی نہیں ہوتی اسی طرح اس سے آگے جو لوگ تھے وہ بھی یہی اقتضار کرتے تھے چونکہ اب ضرورت
عامہ پیدا ہوئی تو اس ضرورتِ عامہ کے لئے آپ کو ارسال کیا گیا تا ہے خاص کند بندہ مصلحتِ عام را.

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع ١٤ ع ١٤

وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر
ہوگا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں.

تلا یعنی پیروی کرنا یعنی اسکی پیروی کرتے ہیں جیسی پیروی کرنی چاہیئے یعنی اس کتاب پر عمل کرتے ہیں جیسا
عمل کرنے کا حق ہے یہ تسلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ یہی امتِ عربیہ اس کتاب کا حق پورا ادا کریں گے
اور تمام جہان میں اس کی منادی کریں گے

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہلِ عالم پر۔

المراد من النعمۃ الحکومۃ یعنی جاہ وشوکت وغیرہ جو تم کو عطا کی تھی غرض دینی اور دنیاوی سب سے بڑی نعمت حکومت بھی تم تمام دنیا کی قوموں میں ممتاز تھے اور دوسری قومیں تمہاری گرد تک بھی نہ پہنچ سکتی تھیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام نہ آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے۔

مگر جب تم نے قانونِ الٰہی سے سرکشی اختیار کی تو یہ نعمتِ حکومت تم سے چھین لی گئی قانونِ الٰہی کی جو پابندی نہیں کرتا اس کے متعلق نہ تو کسی کی سفارش سنی جاتی ہے اور نہ اسے کسی قسم کی مدد بہم پہنچائی جاتی ہے۔

توراۃ کتاب قاضیون باب ۶ آیت ۱ تا ۶ میں ہے "پھر بنی اسرائیل نے خدا کے آگے بدی کی تب اس نے ان کو سات برس تک اہلِ مدین کے قبضہ میں کر دیا اور اہلِ مدین کا ہاتھ بنی اسرائیل پر قوی تھا جس وقت بنی اسرائیل کچھ جوتے تھے اس وقت اہلِ مدین عمالیق اور اہلِ مشرق ان پر چڑھ آتے تھے اور ان کے کھیتوں کو حاصل کر کے برباد کرتے تھے ان کے لئے ایک ذرہ بھی خوراک نہ رہنے دیتے تھے نہ بھیڑ نہ بکری نہ گائے نہ بیل نہ گدھا سو بنی اسرائیل اہلِ مدین کے سبب نہایت مسکین ہوئے۔"

اور توراۃ میں کتاب قاضیوں باب ۹ آیت ۶ تا ۹ میں ہے "پھر بنی اسرائیل نے خداوند کی نظر میں، بدکاری کی اور خداوند نے انہیں ۴۰ برس تک فلسطون کے ہاتھ کر دیا"

اور کتاب استثنا، باب ۲۸ آیت ۱۵ میں ہے "پھر بنی اسرائیل نے خداوند کی نظر میں بدکاری کی اور خداوند نے انہوں کو ۴۰ برس تک فلستون کے ہاتھ میں کر دیا" اس میں صرف تین واقعات بتلائے گئے ہیں جن میں بنی اسرائیل کو دوسری حکومت کے ماتحت کر دیا گیا۔

وَإِذِ ابْتَلٰٓى إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ
لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾

اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا ۔ بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا قرار ظالموں کو.

یہود کہتے تھے کہ نبوت صرف انہیں کی قوم میں مخصوص ہے اور اس لئے آخری نبی بھی اسی قوم میں سے ہوگا اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ ہم نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی اولاد میں برکت دیں گے اسی وعدہ کے بعد اسحاق اور اسماعیل پیدا ہوئے تو دونوں کی اولاد پر یہ وعدہ حاوی ہے تورات میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ " اور اسماعیل کے متعلق میں نے تیری دعا سنی دیکھو میں نے اسے برکت دی اور اس کی اولاد کو بہت برکت دوں گا اسی سے بارہ شہزادے ہوں گے اور اسی سے ایک بڑی قوم ہوگی" تورات میں ایک اور جگہ ذکر آتا ہے کہ "میں تم کو اور تمہاری اولاد کو وہ زمین دوں گا جہاں تو اجنبی ہے کنعان کی تمام زمین ہمیشہ کے لئے اور میں ان کا خدا ہوں گا" اور اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ وعدہ صرف اسحٰق علیہ السلام کی قوم کے لئے تھا تو مسلمانوں کی آمد پر کنعان کی زمین کا تیرہ سو برس تک حضرت اسحاق کی قوم سے نکل جانا ایک عجیب معمہ ہے درحقیقت بات یہ ہے کہ یہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا اور یہ وعدہ اب تک بدستور قائم ہے پہلے کنعان کی زمین یہود کے قبضہ میں یعنی اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کے قبضہ میں تھی اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام کی اولاد یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں آئی اس کے بعد پھر قریباً اسی برس تک اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعنی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی اس کے بعد پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی اور اب پھر موجودہ جنگ عمومی کے بعد اسحاق علیہ السلام یعنی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی اس کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت صرف بنی اسرائیل کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی اسحٰق اور اسماعیل علیہما السلام دونوں کی اولاد میں نبوت کا (نبوت) وعدہ تھا :

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ
إِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿١٢٥﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ
اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ
اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٢٦﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ
الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ ع وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ع ١٥
وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى
بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ

يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا

نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی۔ اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ
اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو۔ واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں
کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔ اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا اور روزی
دے اس کے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر فرمایا اور جو کفر کریں
اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی۔ اور یاد
کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے
بے شک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر
ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بے شک تو ہی ہے توبہ قبول کرنیوالا
مہربان۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھاوے ان کو
کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی ہے زبردست بڑی حکمت والا۔ اور کون ہے جو پھرے ابراہیم
کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں
میں ہیں۔ یاد کر جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا۔
اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بے شک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز
نہ مرنا مگر مسلمان۔ کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے
میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق
ہیں وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے پاس چند متبرک چیزیں تھیں جن کو وہ صندوق میں محفوظ رکھکر
اپنے پاس رکھتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی یاد دلایا گیا کہ ہم نے تمہیں بھی اسی طرح چند متبرک چیزیں دی ہیں۔
جن میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ حنفیت دی دوسرے حجرِ اسود تیسرے اس گھر
کو ہم نے امن کی جگہ بنایا دنیا میں لڑنے جھگڑنے کے لئے ہزاروں مقام ہیں مگر اس گھر کے متعلق فرمایا کہ جب تم اس
جگہ آؤ تو امن چین سے رہو۔ حجر اسود ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی بات پر عہد لیتے
تو پتھر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے ابراہیم علیہ السلام نے جب دعوتِ حنفیت دی تو اس پتھر پر ہاتھ رکھ کر سب
سے عہد لیتے کہ وہ خدا کی توحید کے قائل ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہیں
کریں گے غرض اس جگہ بتلایا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح تم کو بھی دعوت دے دینی چاہیئے اس لئے حکم ہوتا
ہے کہ میرے گھر کو میرے بندوں کے لئے پاک کر دیعنی اس جگہ سوائے قانونِ الٰہی کے اور کسی قانون کی تعمیل نہیں کرنی
چاہیئے۔ طائفین انسانی دماغ جب تھک جاتا ہے تو اسے حرکت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد دماغ
فکر کی طرف آتا ہے عاکفین اسی طرح انسانی دماغ کو تھکنے کے بعد سکون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے سکون
کے بعد دماغ فکر کی طرف آتا ہے طہرا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ یا بیت اللہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ
سے پہلے موجود تھا۔ ~~سر ولیم میور جنہوں نے پچھلی صدی میں اسلام کے خلاف سب سے زیادہ زہر اگلا ہے لکھتا ہے کہ~~
...... ~~جس نے عرب کے متعلق ۱۵۴۳ء میں ۳۰۰ برس گزرے لکھتا ہے رحمۃ~~ - ۱۹۳۳) لکھتا ہے کہ عرب میں
ایک عبادت گاہ ہے جس کی عرب بہت عزت کرتے ہیں۔ یہ سوائے بیت اللہ کے اور کوئی جگہ نہیں روایات سے ثابت
ہوتا ہے کہ عرب اس گھر کی زیارت کے لئے یمن حضرموت خلیجِ فارس کی بندرگاہوں۔ سیریا۔ عراق اور دور دور
مقامات سے آتے ہیں ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں نے اس گھر کو دوبارہ تعمیر کیا اور ان کی یادگار آجتک
مقامِ ابراہیم کی صورت میں قائم ہے تورات میں عرب کی سرزمین کے ساتھ اسماعیل کا نام وابستہ ہے کیونکہ کیدار
(اسماعیل علیہ السلام کا بیٹا) کا نام تورات میں سرزمینِ عرب کے متعلق بار بار آیا ہے مسلمان اسی گھر کی طرف منہ
کر کے نماز پڑھتے ہیں مگر وہ اس گھر کو سجدہ نہیں کرتے وہ اپنے اللہ کے آگے سرِ نیاز خم کرتے ہیں اگر اس گھر
کو سجدہ کرتے وقت تصور ہو کہ یہ گھر نفع و نقصان کا مالک ہے تو شرک ہے عمرؓ کا قول ہے جو انہوں نے
حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت کہا تھا مشہور ہے "تو ایک پتھر ہے نہ تو فائدہ اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے تجھ سے
اس لئے بوسہ دے رہا ہوں کہ آنحضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے"۔ اسکی تاکید کرتا ہے۔ حجرِ اسود کے
متعلق سورہ آلِ عمران آیت ۹۵ میں مفصل بحث ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ

لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُن کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔

تم پرانے قصے چھوڑ دو اور جو قانونِ الٰہی آج تمہیں دیا جا رہا ہے اس پر عمل کرو ہاں اگر کوئی پرانی بات اچھی معلوم ہو اور فائدہ مند دکھلائی دے تو اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں حدیث میں ہے (کلمة الحكمة ضالة المؤمن الخ)

کہ حکمت کو اِک گم شدہ لال سمجھو   جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو (حالی)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پا لو گے راہِ راست۔ کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف تھا اور نہ تھا شریک کرنے والوں میں۔

تم یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر مت چلو بلکہ خلیل اللہ کے طریقہ پر چلو جو سب کا جدِ امجد تھا تمہارا اس کے قانون کی طرف رجوع کرنا گویا قانونِ الٰہی کی اطاعت کرنا ہے مشرک وغیرہ بھی اس کے طریقہ پر تھے مگر ان میں بعد میں شرک آگیا جیسے ویدمت میں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ

اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔

مسلمانوں کے لئے نہ صرف بنی اسرائیل کے انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے بلکہ حکم ہوتا ہے کہ انبیاء پر جو کچھ نازل ہوا ان پر بھی صدقِ دل سے ایمان لاؤ لطف یہ ہے کہ یہ تعلیم اس وقت دی جا رہی ہے جب یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کی بیخ کنی کا تہیہ کر لیا تھا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (١٣٧)

سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

جس طرح قانونِ الٰہی کی پابندی کرتے ہو اور سب انبیاء کی تعلیم کو مانتے ہو اگر وہ بھی اسی طرح کا ایمان رکھیں تو یقیناً اس بین الاقوامی تعلیم و طریقہ پر چل کر مراد کو پہنچ جائیں گے اگر مخالفت کریں گے تو یقیناً ناکامیاب رہیں گے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ (١٣٨)

ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔

فطرت کی تعلیم: عیسائیوں کے ہاں دستور ہے کہ بچہ کو بپتسمہ دیتے وقت اس پر رنگ چھڑکتے ہیں جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ دیا گیا ہے حکم ہوتا ہے بپتسمہ کیا ہے بلکہ بپتسمہ تعلیم فطرت یہ ہے کہ ہم فراخ دلی سے تمام انبیاء سابقہ پر ایمان لاتے ہیں اور اسی نبی آخر الزمان پر جو اصلی قانونِ الٰہی لایا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں یعنی اس قانونِ الٰہی پر کاربند رہنے کا عہد کرتے ہیں اس تعلیم فطرت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے ایک نئی زندگی پیدا ہوگی اعلیٰ سچائی کی طرف جھکیں گے اور تمام نیک اور بزرگوں کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ انجیل متی میں ہے کہ "یوحنا نبی فرماتے ہیں کہ میں تم کو پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں اور میرے پیچھے جو آنے والے ہے وہ تم کو آگ اور روح القدس سے بپتسمہ دے گا" اس پیشین گوئی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضرت یسوع نے حضرت یوحنا نبی سے

بپتسمہ لیا اور نہر اُردن کے کنارہ پر لوگوں کو خود یسوع بپتسمہ دیتا تھا اور آج تک عیسائیوں کا یہی پیشہ ہے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

کہہ دے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔

ہم جب تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر تم ہم سے کس وجہ سے لڑائی کرتے ہو؟

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی۔ کہدے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

یہود کہتے تھے کہ جب تک یہودی نہ بنو اور عیسائی کہتے تھے کہ جب تک عیسائی نہ ہو کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی اور ہر ایک اپنے طریقہ کو طریقۂ ابراہیمی بتلاتا تھا حکم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تو بہت پہلے گذرے ہیں ان کے ایک عرصہ کے بعد موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام آئے جس سے یہودیت اور نصرانیت کی ابتدا ہوئی تو تم اپنے آپ کو کس طرح ابراہیم علیہ السلام کا پیرو خیال کرتے ہو تم تو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے پیرو ہو (اگر تم کو واقعی ان کا پیرو کیا جا سکے) ابراہیم علیہ السلام نے تو خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اس نے یہی قبلہ مقرر کیا۔

عرب کے مسلمانوں کا یہی قبلہ ہے مسلمانوں کو اب چونکہ بین الاقوامی تعلیم دینی منظور تھی اسلئے انکے رسولؐ نے مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ بیت المقدس کیطرف رخ کر کے نماز پڑھی تاکہ وہ قومیت سے بالاتر ہو جائیں اسلئے کہ اسلام صرف عرب کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کیلئے آیا تھا اور جیسا کہ آگے آیت ۱۴۳ میں آئیگا کہ بیت المقدس کیطرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں عربوں کا امتحان بھی منظور تھا جب اس امتحان میں کامیاب نکلے تو انہیں سابق کیطرح خانہ کعبہ کیطرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا غرض نسخ پر جو اعتراض تھا اسکا جواب دیا گیا۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا

ع ۱۶ تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۱)

وہ ایک جماعت تھی جوگزر چکی انکے واسطے ہے جوانہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جوتم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔

یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں ان میں غور کرو گے تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے والے دنیا میں کس طرح کامیاب ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کو اللہ تعالےٰ کے ہاں سے بے حساب اجر ملے گا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ

كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۴۲)

اب کہیں گے بیوقوف لوگ۔ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ ہی میں بیت المقدس کی طرف منہہ کر کے نماز پڑھتے تھے جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی بدستور ایک سال اور چار ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس کے بعد بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو۔ بیت اللہ اگرچہ مشرکوں کے ہاتھ میں تھا مگر اسے قبلہ مقرر کرنے میں یہ ظاہر کیا کہ عنقریب وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آئیگا۔ یہود نے بیت المقدس کو چھوڑ کر بیت اللہ کو قبلہ بنانے پر اعتراض کیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ

كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى

عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا
كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾
قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ
أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امتِ معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں۔ اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔ بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف۔ اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔

اے رسول ہم نے تیری امت کو وسط یعنی بین الملی (درمیانہ درجہ) کی امت بنایا نہ حد سے بڑھنے والی نہ ہی پیچھے رہنے والی تمہاری امت کو دوسری امتوں کے لئے معیار بنایا یعنی جو اس امت کے طریقہ پر چلے گا وہی فلاح پائے گا اور تمہاری امت پر ہم نے تجھے معیار مقرر کیا ہے یعنی تیری امت کے لئے تیری کتاب اور تیری سنت فلاحِ دارین کا طریقہ ہے جس قدر تجھ سے قرب حاصل کریں گے اس قدر بتدریج ترقی کرتے جائیں گے۔

وماجعلنا القبلۃ الخ رسول اللہ کی طرف سے خواہش کی تھی کہ بیت اللہ قبلہ مقرر ہو مگر وحی کے منتظر تھے اگر وحی اپنی طرف سے گھڑ لیتے تو سولہ ماہ تک وحی الٰہی کا انتظار کرنا چہ معنی۔ غرض بیت المقدس ایک امتحانی قبلہ تھا۔ تاکہ قوم کی ذہنیت بین الاقوامی استعداد پیدا کرے وکان اللہ لیضیع الخ یعنی ایمان والوں کو قبلہ کی

تبدیلی میں کسی قسم کی پس وپیش نہ تھی اس لئے ان کو یہی حکم تھا کہ اپنے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اسی طرح اپنے ایمان کی برکت سے اس آزمائش سے بچ نکلے اور ان کے ایمان نے انہیں سیدھا راستہ بتلادیا ۔ قد نری تقلب الخ آپ مکہ معظمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر مدینہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے بیت اللہ کی طرف پشت ہوتی تھی اسلئے آپ کی آرزو تھی کہ بیت اللہ قبلہ ہو اس لئے آپ آسمان کی طرف یعنی اللہ تعالٰی کی طرف ہدایت کے لئے دعا کرتے تھے غرض آپ نے مکہ معظمہ میں عربی قبلہ کو برقرار رکھا اگرچہ وہ مشرکوں کے قبضہ میں تھا یعنی اپنا قومی اسماعیلی قبلہ مدنظر تھا مدینہ منورہ میں اسرائیلی قبلہ کی طرف رخ کرتے تھے گو بیت اللہ کے قبلہ ہونے کی آرزو تھی اللہ نے آپ کی دعا سنکر جس قبلہ کی بنا پر ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے رکھی تھی اس کو قبلہ مقرر کیا یعنی اب اسماعیلی اور اسرائیلی یعنی بین الاقوامی قبلہ مقرر ہوا پہلا قبلہ خالص عربی دوسرا وسطی اسرائیلی تیسرا اسماعیلی و اسرائیلی دونوں کا مجموعہ یعنی بین الاقوامی قبلہ مقرر ہوا پہلے نبی قومی پروگرام لے کر آئے تھے ۔ مگر موسٰی علیہ السلام بین الاقوامی تعمیری پروگرام لے کر آئے مگر وہ اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کرسکے کہ قوم اس بین الاقوامی پروگرام کو چلاسکتی موسٰی علیہ السلام کے بعد عیسٰی علیہ السلام آئے مگر وہ حکومت کے نزدیک نہیں گئے ۔

(۲) اور ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا کردی کہ قوم اس پروگرام کو چلانے کے قابل ہوسکے الیوم اکملت لکم دینکم میں بھی اشارہ ہے کہ اس نبی نے اپنی قوم میں بین الاقوامی پروگرام کی استعداد پیدا کردی ہے اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں اگرچہ ترمیم بدستور ہوتی رہے گی جس طرح ہندوستان میں تعزیرات ہند (انڈین پینل کوڈ) کا قانون بنادیا گیا ہے اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم بدستور ہوتی رہتی ہے ترمیم کرنے کے لئے اجماعِ امت کا قیام ضروری ہے یعنی مسلمانوں کی کثرت رائے سے جو پاس ہو وہ واجب العمل ہے شروع صدی میں مسلمان اس پر عمل کرتے رہے مگر تیمور کے حملہ کے بعد ان کے خیالات نے پلٹا کھایا ۔

ان الذین اوتوا الکتاب الخ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دعائے خلیل کہا ہے ۔ یہود و نصارٰی جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف حضرت اسماعیل کی اولاد سے ایک نبی کے پیدا ہونے کے لئے دعا کی تھی بلکہ اللہ تعالٰی نے بھی برکت کا وعدہ کیا تھا سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۴) یہ متبرک مقام یعنی بیت اللہ جس کو ابراہیم علیہ السلام نے پاک کیا تھا بنی اسرائیل کو اس کا علم تھا کہ آئندہ چل کر یہ گھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک نبی کی تعلیم کا مرکز ہوگا جس کی تعلیم سے متاثر ہوکر اہلِ عرب تمام دنیا میں فاتح ہونگے ۔

مدینہ میں ۱۸ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے دو ماہ قبل بدر تحویل ہوئی ۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَ

لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ۘ

اور اگر تو لاوے اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی ہوا بے انصافوں میں سے۔

دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ بنانے پر یہود نے اعتراض کیا حکم ہوتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ اس قبلہ کی بنا رکھتے وقت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی کہ اے خدا اسحاق کی مانند اسماعیل کی اولاد کو بھی بڑا کیجیو اسے برکت دیجیو اس کی نسل سے بارہ بادشاہ کیجیو غرض بیت اللہ اسماعیلی و اسرائیلی یعنی بین الاقوامی قبلہ ہے اے یہود جب تم اپنے قبلہ کی طرف منہ کرنے کے لئے اصرار کرتے ہو تو مسلمان تمہارے قبلہ کی طرف کیوں رخ کریں جب ان کو تم سے اعلیٰ و ارفع یعنی بین الاقوامی قبلہ دیا گیا ہے۔ جب ایک قوم دنیا میں ترقی کرنے کی خواہشمند ہو تو ضروری ہے کہ ان کے قوانین دیگری اقوام کے قوانین سے اعلیٰ ہوتے ہیں اسلئے اس فاتح قوم یعنی مسلمانوں کا قبلہ بھی بنی اسرائیل سے بڑھ کر ہونا چاہیئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ

فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فرقہ ان میں

سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر۔ حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا۔

ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے مبعوث ہوئے بنی اسرائیل جانتے تھے کہ ابراہیم کے دونوں لڑکوں کے لئے اللہ تعالٰے نے برکت کا وعدہ کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی بھی کہ ان کی مانند ایک اولوالعزم پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا چونکہ اس قوم کا کوئی پیغمبر آج تک نہیں ہوا اور بنی اسرائیل اسے بھی تسلیم کرتے ہیں اس لئے لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نبی آخرالزمان کو اس پیشین گوئی سے مشابہت رکھتے تھے وہی موعود پیغمبر ہیں غرض بنی اسرائیل جانتے ہیں کہ یہ نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کی اولاد سے ہیں اور اپنے انبیاء کی طرح اسے بھی جانتے ہیں غرض بنی اسرائیل اس تعلیم کو اپنے بچوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ جس طرح شخص ہزار ہا تکلیف اٹھا کر اپنے بچے کی تکمیل کرتا ہے جب اس کے روبرو جوان ہوگا تو اس کو ضرور پہچانے گا اسی طرح اس تعلیم کو موسیٰ علیہ السلام سے لے کر اپنے خون کی ندیاں بہا کر بنی اسرائیل کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہے کیا آج اس کو نہیں پہچان سکتے اس تعلیم کو کہ یہ وہی تعلیم ہے جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور وہی انقلاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام چاہتے جس کو داؤد اور سلیمان علیہما السلام تکمیل کرنے کی کوشش کرتے تو آج اس پیغمبر نے اس کو تکمیل کے درجہ پر پہنچا دیا ان میں ایک جماعت لوگوں کو بھی خبر دیتی ہے کہ یہ وہی تعلیم ہے مگر ایک نالائق جماعت اس کو چھپاتی ہے مگر وہ بھی جانتی ہے کہ یہ تعلیم حق ہے کیونکہ آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا انقلاب کیا ہے کہ جہان میں ایک بڑے واقعات میں شمار ہونے لگا ہے اور اسکا تذکرہ ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں رہے گا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ
بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (۱۴۸) وَمِنْ حَيْثُ
خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱۴۹) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا

الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۖ

ترجمہ: اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہوگے کر لائے گا تم کو اللہ اکٹھا بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف۔ تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک متحدہ قوم بنا دے اس واسطے حکم دیا کہ تمام مسلمان ایک قبلہ کی طرف رخ کریں ان کا مقصدِ زندگی اور مرکز ایک ہونا چاہیئے قبلہ کا واحد ہونا درحقیقت مقصدِ زندگی کا واحد ہونا ہے اور اسی پر اسلامی اخوت کی بنا ہے اسلئے حدیث میں آتا ہے کہ جو تمہارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں ان کو کافی

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۖ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

سو ان سے (یعنی ان کے اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ راہ سیدھی۔ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔

یعنی میرے قوانین کی پابندی کرو اس کے بدلہ میں تمہیں نعمت یعنی حکومت دی جائے گی۔

ع ۱۸ ۵ ۲ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ ع

سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے مراد ہے اس کے احکام کی پابندی کرنا اور اللہ تعالیٰ کا انسان کو یاد کرنے سے مراد ہے اس کو حکومت عطا کرنی ذکر کے معنی بلندی کے بھی ہیں۔ اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے تم مجھے یاد کرو یعنی میری حمد کہو میرے قوانین پر عمل کرو میں تمہیں بلند مراتب عطا کروں گا غرض ہر وقت انسان کی توجہ خطیرۃ القدس کی طرف ہونی چاہیئے تب جا کر ان کے دل اطمینان پیدا کریں گے اور کامیابی کی طرف قدم اٹھائیگا۔

(تم مجھے بڑا مانو! میں تمہیں بڑا کر دوں گا۔ مجھے حاکم ارشاد مانو: تمہیں بادشاہ بنا دوں گا!)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۵۳)

اے مسلمانو! مدد لو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

انسان اپنی زندگی کیلئے اپنے روبرو ایک نصب العین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے لازمی ہے کہ اسے پروگرام پر عمل کرنے میں مشکلات اور مصائب کا سامنا بھی ہوگا مگر اسے چاہیئے کہ اپنے پروگرام کی تکمیل میں مصروف رہے اور مشکلات سے نہ گھبرائے اس کا نام صبر ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ جب یہ کامیاب ہو جائے گا اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں تو وہ خود لوگوں پر ظلم کرنے لگ جائیگا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱۵۴)

اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مرے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔

اب بتلایا کہ صبر کرنا دو باتوں میں ضروری ہے یکلخت مجبوری اور زبردست مصیبت میں مثلاً ایک آدمی اپنے پروگرام کی تکمیل میں مصروف ہے اور مشکلات حاوی ہیں مگر وہ بالکل نہیں گھبراتا بلکہ بدستور اپنی کوشش میں لگا رہتا ہے اس کی ہمت اس کے مشکلات پر حاوی ہو جاتی ہے مگر بعض اوقات گو وہ حاوی ہوتا ہے مگر اس کی کسی کمزوری کے باعث دشمن اس پر غالب ہو جاتا ہے مثلاً اسکی قوتِ ارادیہ تو غالب ہے مگر اس کی جسمانی کمزوری کے باعث مصائب سے دب جاتا ہے گو اس کی قوت ارادہ نہیں دبتی اس طرح وہ جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے (یعنی مر جاتا ہے یا قتل ہو جاتا ہے) قوت تو بہر حال زندہ ہے وہ اپنے پروگرام کی تکمیل میں فائز ہوئے اس لئے اصلی معنوں میں زندہ ہے اور اپنی روحانی زندگی سے اپنے پروگرام کی تکمیل میں لگا رہتا ہے حکم ہوتا ہے کہ اس قسم کے انسان کو گو اس کا جسم الگ ہو گیا اور اس وقت زندہ ہے اسے مردہ مت کہو کیونکہ وہ تو اپنی مراد کو پہنچ گیا اس کی زندگی سے دوسروں کو سبق ملتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور اس پر گامزن ہوں اور وہ بھی عالم

ملکوت میں پہنچکر اس نظام عالم کی بڑی مشنری میں کام کرتا رہے گا۔

غرض آیت فاذکرونی اذکرکم سے قرآن حکیم کی تعلیم شروع ہوئی پہلا باب ہے تہذیب اخلاق کا اصول اخلاق کُل چار ہیں۔ طہارت اخبات سماحت و عدالت اور ان اصولوں کی تہذیب چار اشیاء سے ہوتی ہے (۱) ذکر الہٰی یعنی ہر وقت اپنے خدا کو یاد کرے اور اس پر بھروسہ رکھے (۲) شکر یعنی دی ہوئی نعمت کی قدر دانی کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے (۳) صبر یعنی اس میں استقلال اور ہمت آجائے۔ عرب کہتے ہیں "الصبر مجموع الجماسۃ والدماثۃ" یعنی ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنا شرط ہے ورنہ ڈٹ کر کام کرنا حیوانات میں بھی ہے اسلئے انسان کی شرافت اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دعا مانگے اور آخر صبر کا موت ہے اگر خدا کی راہ میں ہے تو چونکہ کام کرنے میں اسکی توجہ الی اللہ ہے تو وہ اس کثیف لباس کو چھوڑ کر نسمہ لطیفہ کا لباس پہن کر ملاء اعلیٰ میں مل جاتا ہے اور پھر بڑے زور سے اس کام کی تکمیل کرتا ہے اور درمیان موت اور کامیابی تو بہت سے "امتحانات سے اس کو گزرنا پڑے گا وہ خوف دشمن بھوکھ نقصان مال وجان اور نتائج کا ہوگا یعنی کسی وقت نتیجہ اس کی کوشش کے برعکس نکلے گا مگر اس سے گھبرانا نہیں بشارت کے معنی ہیں کہ ان کو سمجھا دیا جائے کہ جو تم نے کام کیا ہے اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا اگرچہ کامیاب ہونے میں دیر ہے مگر جتنے قدر کام ہوا ہے دیکھو کیسے کیسے عمدہ نتائج نکلے ہیں اور اس کو پوری طرح سمجھا جاوے مثلاً ایک شخص کھیت میں بیج بوتا ہے مگر بیج بونے اور حاصلات اٹھانے میں دیر ہے اور گھبرا جاتا ہے تو اس کو سمجھا دینا کہ دیکھو کہ تم نے کوشش زراعت بڑی اچھی ہوئی اور آئندہ اس طرح کوشش کرتے رہنا اور اللہ سے دعا مانگتے رہنا کہ اناج بہت دیگا اور بد محنت کو سمجھا دینا کہ تم نے زمین پوری طرح ہموار نہیں کی اور زمین میں کھاد نہیں ڈالی اور نگہبانی پوری نہیں کی جس سے آئندہ نتیجہ برآمد ہوگا اور اس کو سمجھ آجاوے یہ ہے انذار۔ اور چوتھا اصول تہذیب اخلاق ہے تعظیم شعائر اللہ کرنا وہ تین ہیں بیت اللہ اور اس کے متعلقات صفا مروہ منا مزدلفہ عرفات ہدی قلائد اشہر حرم حاجی بیت اللہ کا تاکہ وہ گھر پہنچ جائے۔

← تہذیب اخلاق کے برخلاف کام کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے اس کے بعد الٰہکم الٰہ واحد سے ابتغاء الرزق کا مسئلہ شروع ہوتا ہے رزق کا معدن ان فی خلق السمٰوٰت الخ میں بتادیئے گئے ہیں یعنی اللہ پر بھروسہ کرنا اور اپنی ہمت سے رزق کو اس کی جگہ سے تلاش کرنا مگر ظالموں کی نوکری کرنا اور اس کے توسل سے رزق کمانا بالکل بری بات ہے کیونکہ اس سے انقلاب ہوجاتا ہے تو پھر جو مصیبت ظالموں پر آئی وہی ان کے تابعداروں پر بھی آتی ہے ابتغاء الرزق اکل حلال اور طیب ہونا چاہئے جس سے اچھے تفکرات پیدا ہوں

جو تمدن کے لئے باعثِ رحمت ہوں پھر اچھی چیزوں کو استعمال کرکے اس کی قدر دانی کرتے دیعنی شکر کرنا اہم محرمات
اشیاء بنا دینی جو تمام شرائع میں حرام ہیں خواہ ابراہیمی شریعت یا صابی شریعت یعنی آرین تہذیب ہیں۔
تہذیبِ اخلاق اور تعلق باللہ کا نتیجہ یہ ہے کہ مسکینوں اور غریبوں کی خدمت کرنا اور ہر وقت نماز پڑھنا یعنی
متوجہ الی اللہ ہونا اس کے بعد مساوات ہے الی آخر الایات۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

ترجمہ: اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے
اور میووں کے اور خوش خبری دے ان صبر کرنے والوں کو۔

(۲) دوسری مصیبت کی مثال ہے جو آہستہ آہستہ آتی ہے مگر دوامی ہوتی ہے اس میں بیرونی خوف اور اندرونی
مشکلات ہوتی ہیں مال وجان کا نقصان بعض دفعہ نتائج یعنی بظاہر اس کے پروگرام کی تکمیل نظر نہیں آتی مگر وہ اپنے
نصب العین کی دھن میں ہمہ تن دن رات مصروف ہے۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
وہ ان مصیبتوں میں گھرتے وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں تو ان کے دل کو امن وچین و سرور رہتا ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ
دیکھ رہا ہے غرض اپنے نصب العین کو مکمل کرنے کی دھن میں دن رات بڑھے جا رہے ہیں اور مصائب کو برداشت
کرتے رہتے ہیں اور اللہ کو نہیں بھولتے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔
ان کا کام کبھی غیر منتج نہیں رہتا ان پر خاص رحمت نازل ہونے لگ جاتی ہے اور تمام توجہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف

ہو جاتی ہے یہ ہیں معنی صلوات کے اور آئندہ کے لئے ان کی کامیابی کا راستہ کھل جاتا ہے اور کام سہل ہو جانا ہے یہ ہے رحمت۔ اور آئندہ آنے والی نسل ان کی اقتدا کرتی ہے کیونکہ یہ مہتد دن ہیں ان کے پروگرام پر چل کر کامیابی یقینی ہے کہ یہ سائنس یعنی تجربہ شدہ بات ہے غرض ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے کی خاص رحمت اور دنیاوی برکات ان پر نازل ہونے لگ جاتی ہیں اور ان کے مصائب آہستہ آہستہ دور کر دیئے جاتے ہیں اور راستہ سہل ہو جاتا ہے اسلئے کہ یہ لوگ منزلِ مقصود کی طرف جا رہے ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ۔ بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔

تعظیم شعائر اللہ تہذیبِ اخلاق کا ایک جزء ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے مشکلات میں صبر کرنے کی ایک مثال بھی ہے کہ حضرت ہاجرہ مکہ کی سخت گرمی میں اور پیاس سے بے تاب ہو کر پریشان پھر رہی ہیں مگر اپنے اللہ سے غافل نہیں اس کے ساتھ ہی یہ نہیں کہ پریشانی کی حالت میں ہمت توڑ کر بیٹھ گئیں بلکہ لگاتار اور مسلسل کوشش کر رہی ہیں کہ کسی طرح سے پانی دستیاب ہو سکے وہ اندر دونوں پہاڑوں یعنی صفا مروہ کے درمیان پانی کی جستجو میں پھر رہی ہیں تو اللہ تعالٰے نے ان کی صدا کو سنا ان کو پانی کا چشمہ دیا جو آج تک متبرک خیال کیا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر ان پر رحمت یہ کی کہ ان کی نسل سے ایک اولوالعزم پیغمبر بین الاقوامی دے کر پیدا کیا غرض یہ دونوں پہاڑ جو حضرت ہاجرہ کی تکلیفوں کے مظہر تھے آج اس کی جزا کے دو نشان ہیں جو اسے اس کے صبر پر دیئے گئے حاجیوں کو حج کے احکام شروع کرنے سے پہلے اس کی یاد کو تازہ کرنا ہوتا ہے غرض صبر یہ نہیں کہ ہمت ہار کر کام چھوڑ دے بلکہ صبر یہ ہے کہ اس کام کی تکمیل میں ہر قسم کی مشکلات پر صبر کرے اور ان کے مکمل کرنے میں پوری جدوجہد کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ

يَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔

گذشتہ آیات کی تعلیم کو بعض لوگ لوگوں کو حاصل کرنے نہیں دیتے بلکہ اس کو مخفی رکھتے ہیں تاکہ لوگ اس سے واقف ہو کر ان کو ملامت نہ کریں کہ تم کیوں یہ کام نہیں کرتے جس سے تمہارے اخلاق بھی مہذب ہوں اور لوگ بھی مستفید ہوں کیونکہ ان احکام کا لب لباب تو یہ تھا کہ لوگوں کی خدمت اور ظلم دور کرنے کے لئے خود کو فنا کر دو تب خدا کو ملو گے بینات اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو سمجھایا جائے اور وہ واضح طور پر سمجھے جیسے روشنی، سورج اور چاند هدی، یعنی سمجھدار آدمی ایک صاف راستہ تجویز کریں اور اس کی صداقت پر یقین کر کے دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اور آخر کار انہیں سمجھا دیں کہ اس راستہ پر چل کر دیکھو کہ تھوڑی محنت سے تم مطلوب کو پہنچ جاؤ گے۔

[illegible]

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَيَّنُوۡا فَاُولٰٓـئِكَ اَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ‌ۚ

وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۰﴾

مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو ان کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان۔

توبہ: اب بتایا جاتا ہے کہ توبہ کس کو کہا جاتا ہے اول تو اپنے برے اعمال پر ندامت کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرے اس کے بعد جس قدر ان کے غلط طریقہ کار سے لوگوں کو نقصان پہنچا ہے اس کی اصلاح کرے اور لوگوں کو اصل تعلیم سے آگاہ کرے یہ توبہ علماء کی ہے یعنی اپنا گذشتہ طرز عمل لوگوں کو بتلا دے کہ غلط تھا اب صحیح طریقہ عمل یہ ہے میں بھی اس طریقہ پر چلتا ہوں تم بھی چلو توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا یعنی اپنے غلط طریقہ کو چھوڑ کر سیدھے راستہ کی طرف رجوع کرے اس لئے توبہ الی اللہ کے معنی ہوئے اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی اطاعت کی حالت کی طرف رجوع کرنا یعنی قوانین الٰہی کی پابندی کرنا غرض توبہ سے مراد ہے انسان کی حالت میں مکمل تبدیلی کرنا۔ قرآن حکیم بھی توبہ سکھلاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ انسان زبان سے چند الفاظ کہہ دے اور بس توبہ ہو گئی۔ توبہ سے یہ مطلب ہے کہ گذشتہ زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے پچھلے گناہوں سے توبہ کرے یعنی نادم ہو اور آئندہ کو ان سے بچنے کے لئے دل میں عہد کرے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور مرگئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا ان پر سے عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔

مثلاً گرمی کے موسم میں ایک قافلہ علی نصف النہار کے وقت آتا ہے اور کنوئیں کے کنارے ٹھہرتا ہے گرمی کی شدت میں وہ پیاس سے تڑپ رہے تھے کہ کنوئیں کے دیکھنے سے ان کی جان میں جان آگئی مگر کنوئیں کا مالک اس قدر سنگدل اور ظالم ہے کہ کنوئیں سے ان کو پانی پینے نہیں دیتا اور مسافر سسک سسک کر وہیں دم توڑتے ہیں کیا ایسے ظالم کیلئے رحم کی گنجائش ہے؟ اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہیں ایسی اعلیٰ تعلیم دی گئی تھی کہ جس سے اللہ سے تعلق اور لوگوں سے ظلم دور کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے اور ان کو کہا گیا کہ اس پر خود بھی عمل کرو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ اگر وہ تعلیم لوگوں تک پہنچ جاتی تو مردہ قومیں زندہ ہو جائیں مگر ان ظالموں نے کسی کو اس کی تعلیم نہ دی اور نہ اس پر خود کاربند ہوئے اس لئے ان پر خدا اور اس کے فرشتوں اور برگزیدہ لوگوں اور عوام الناس کی لعنت ہے جس سے ان کی مذہب کی اسپرٹ مرگئی۔ یہی حالت برہمن پنڈتوں کی ہے۔ اور ہمارے مولویوں کی۔

خالدین فیہا چونکہ ان کی مذہبی روح مردہ اور غیرت و جوش اور ترقی کا خیال بھی ساتھ ساتھ مرگیا اب یہ مردہ قوم ہے اس پر مذکورہ بالا لعنت ہے اور لعنت کا نتیجہ دنیا میں محکومیت اور ذلت ہے تو اس ذلت میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے دشمن جو ان پر مسلط ہیں کبھی عذاب دینے میں رعایت نہیں کریں گے یعنی روز بروز ظلم اور ذلت کی مصیبت ان پر بڑھتی جائے گی اور نہ ان کو اس ظلم سے کبھی فرصت ایک سال یا دو سال کے لئے ملے گی بلکہ یہ محکومی کی لعنت ہمیشہ ان پر رہے گی اور آخرت میں بھی اس سے زائد لعنت اور عذاب ہوگا یعنی ان کے دشمن انقلاب کر کے ان کو دنیا میں محکوم کریں گے یہ ہے لعنت۔

ع ۱۹ ۱۱ ۲ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۳﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ

الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾ وَمِنَ النَّاسِ

مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا

أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ

لِلّٰهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ: اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔ بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔ اور بعضے لوگ وہ ہے جو بنا لیتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو۔ ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی۔ اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر محبت اللہ کی۔ اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جب کہ دیکھیں گے عذاب کو کہ قوت ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

یہاں سے باب استغفار الرزق شروع ہوا اس میں اولین شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب سمجھے انسان کی فطرت ہے کہ جو شخص ان کی جسمانی ضروریات کا متکفل ہو جائے اس سے وہ بڑی محبت رکھتا ہے اگر کسی بادشاہ کے ماتحت رزق کھاتا ہے یا اس کی نوکری کرتا ہے یا کسی وسیلہ سے اس کو وہاں سے رزق ملتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی محبت ہو جاتی ہے اور اس کے تمام افعال کو مستحسن سمجھتا ہے اور اس کے دشمن سے مخالفت کرتا ہے اور پھر اپنی جان تک اس پر قربان کر دیتا ہے تو اگر انسان ویسا ہی سمجھے کہ یہ رزق میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب اور اس کی مہربانی سے کماتا ہوں یا اس سے بھی اونچا سمجھے کہ میری زندگی کے ضروریات کا متکفل اللہ تعالیٰ ہے تو لازمی امر ہے کہ وہ خدا کے سوائے کسی کو اپنا رب اور محبوب نہیں سمجھے گا اور یہی

معنی ہیں توحید کے اور اگر کسی دوسرے شخص سے یہ کیفیت پیدا ہو گی تو یہ ہے شرک۔ غرض اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور یکتا ہے اس کی شفقت انسانوں پر ماں باپ سے کئی ہزار گنا بڑھ کر ہے جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کے لئے ہر طرح کی آسائش کا سامان مہیا کرتے ہیں اور اس کے رزق کے وہی متکفل ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے ہر قسم کے رزق کمانے کے سامان مہیا کر دیتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ان فی خلق السموت الخ۔ یہ آسمان اور زمین بنیاد اور اساسی اصول رزق کے ہیں یعنی یہ معدن رزق ہے واختلاف اللیل یعنی کہیں گرمی اور کہیں سردی سے اشیاء پیدا ہوتے ہیں تو بری اور بحری چیزوں کے پیدا کرنے میں اس کو بڑا دخل ہے یہاں سے تجارت شروع ہوتی ہے والفلک الخ ملکوں کو ملکوں سے ملانا اور اجزا ترقی پیدائش کو براعظموں تک پہنچانا اور قوموں کا اتصال پیدا کرنے میں کشتیوں کا بڑا دخل ہے یہ تجارت بحری سے بڑے بڑے منافع ہاتھ لگ جاتے ہیں اور اس تجارت سے دنیا کی مردہ قومیں زندہ قومیں بنکر عروج حاصل کرتی ہیں دیکھو انگریزوں نے تجارت کے ذریعہ ہندوستان سا وسیع ملک لیا اور آج امریکہ جرمن جاپان اور انگریز تجارت کے ذریعہ مالا مال ہو رہے ہیں۔

وما انزل اللہ الخ۔ یہ سبب ہے زراعت کا دنیا کی متمدن قومیں زراعت کے ذریعہ خورد و نوش کا سامان بہم پہنچاتی ہیں مثلاً مصر کی روئی اسٹریا اور ہندوستان کی روئی اور گندم وغیرہ وبث فیہا الخ "اقتنا و مواشی" سے اپنا رزق پیدا کرنا یعنی مویشیوں اور ریوڑوں کا چرانا جیسے اسٹریلیا اور ہندوستان کے شمال میں (افغان) بھیڑوں اور بکریوں کی تجارت سے لوگ کس قدر مالا مال ہیں۔

وتصریف الریاح۔ ہواؤں کے پھیر گھیر سے بہت سے اسباب رزق پیدا ہو جاتے ہیں جیسے ہواؤں سے پن چکیاں چلانی اور ہوا سے اور بہت سے کام لیتے ہیں جو اہل سائنس سے پوشیدہ نہیں یعنی ہوائی جہازات اور ہوائی مشین اور ہوا جو انسانی غذا ہے اس کو جمع کر کے اس سے فائدہ اٹھانا وغیرہ وغیرہ والسحاب المسخر الخ پانی سے جو بخارات نکلتے ہیں جسے اسٹیم کہا جاتا ہے یعنی وہ سحاب جس کو تم مسخر کر سکتے ہو اس سے ہزاروں رزق کے سامان پیدا ہو رہے ہیں اور دخانی جہاز اور ہزار ہا قسم کی مشینیں چل رہی ہیں یہ رزق کے معدن ہیں یہ چشمہ رزق ابل رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کئے ہیں یہاں سے کماؤ کھاؤ اور دوسروں کی غلامی میں مت پھنسو اور اللہ تعالیٰ سے محبت لگاؤ جس محبت سے تمہارے دین کا راستہ جو سیر باطن ہے آسان ہو جائے گا۔ سیر باطن تفکر اور تدبر سے ہوتی ہے اگر کسی شخص کو وہ باتیں جو وہ غور و فکر سے حاصل کر سکتا ہے پہلے ہی بتا دی جائیں تو اس کی قوت فکر ضائع ہو جائے گی اور اس بتائی بات کو بھی اس یقین کے ساتھ نہیں سمجھ سکے گا جیسا کہ چاہیئے اور آئندہ کی ترقی سے محروم رہے گا اسلئے اللہ تعالیٰ نے نظام عالم میں کوشش کو ضروری قرار دیا یعنی اس نظام میں غور کر کے اپنی روزی کے لئے راستے تلاش کرو

جب اس کو اپنی روزی کمانے کے اسباب میں غور و فکر کرنا پڑیگا تو آئندہ روحانی ترقی جو محض تفکر و تدبر کا نتیجہ ہے اسکے حاصل کے راستے اسکے سہل ہو جائیں گے اور انسان اپنی اعلیٰ ترقی تک پہنچ جائیگا لآیات لقوم الخ جب اس میں تدبر و فکر کرنے کی اس کی عادت ہو جائے گی تو اس کو اعلیٰ تعلیم دینی آسان ہو جائے گی ورنہ بے عقل لوگوں کو جو حیوانوں کی مانند میں اعلیٰ تعلیم دینی عبث اور بے فائدہ ہے اس لئے اس نظام عالم میں غور کرنا اور اس سے اپنے فوائد تلاش کرنا ضروری قرار دیا گیا تاکہ انسانی ترقی مکمل ہو جائے تعلیم میں اس پہلو کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے ورنہ تعلیم ایک لفظ بے معنی ہوگا. کیونکہ قوی عقلیہ بے کار ہونے سے وہ علم بے ثمرہ ہوگا۔

ومن الناس من یتخذ الخ یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان پر اس قدر فضل و کرم کیا اور اس کے لئے اس قدر چیزیں پیدا کیں مگر وہ اس کے باوجود ان اسباب سے روزی نہیں کماتا بلکہ صرف روٹی کے ٹکڑے کے لئے غیروں کے آگے جبہ سائی کرتا ہے حالانکہ رازق حق تعالےٰ کی ذات ہے اور لطف یہ ہے کہ ان سے خدا کی مانند محبت کرتا ہے مگر جو لوگ کہ اللہ پر رزق کمانے کا بھروسہ رکھتے ہیں وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اگر کبھی انقلاب ہوگا تو اللہ سے محبت رکھنے والا ایک آدمی ان کے ہزاروں کو شکست دیگا ولو یری الذین ظلموا الخ ان کم عقلوں کو یہ خیال تھا کہ یہ ظالم بادشاہ یا امراء میں بڑی قوت ہے اور قوت والے کے ماتحت ہو کر روزی کمانا ضروری ہے پھر ان کے ظلم کی یہ حمایت کرتے ہیں تو جب انقلاب ہو جائیگا تو ظالموں نے دیکھ لیا کہ ان کے پاس کس قدر ظاہری اسباب تھے جن پر ان کو ناز تھا مگر مسلمان گنتی کے چند جنہوں نے اللہ پر توکل کر کے کام شروع کیا انہوں نے آہستہ آہستہ فاتح مند ہونا شروع کیا اور ظالموں کو الٹا کر رکھ دیا تو پھر معلوم ہوا کہ ظالم لوگوں کے کوئی ہمدرد نہ تھے نہ ان میں قوت تھی بلکہ قوت عدالت میں ہے جو اللہ تعالےٰ نے حکم دیا (ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الایۃ.)

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ
كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ
بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ ع يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ع ۲۰

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ
بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ
كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ
فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ
وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

جب بیزار ہو جاویں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو ان کے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب علاقے۔ اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اس طرح پر دکھلائیگا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں نار سے۔ اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ۔ اور پیروی کرو شیطان کی بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔ وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام اور بے حیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے۔ اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔ اور

مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے - اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو. اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان.

یہ انقلاب کی تصویر ہے ظالم لوگ مسکینوں پر ظلم کر کے اپنے معاونین کو دیتے ہیں اور یہ معاونین ان کی پشت پناہی کرتے ہیں جب انقلاب ہوتا ہے تو مظلوم رعیت تو خدا پرست عدالت کرنے والی جماعت کے حامی بن جاتے ہیں اور ظالم شکست کھا کر بھاگ جاتے ہیں اب جو لوگ ظلم کرتے ہیں اور لوٹ گھسوٹ کر کے مال ظالموں تک پہنچاتے تھے تو وہ جب پکڑے جائیں گے اور مظلوم رعیت اپنا بدلہ لینا شروع کرے گی تو ان کو نجات دینے والا کوئی نہیں ہوگا اور تمام اندوختہ ان کا لوٹ لیا جائے گا اور افسوس کے ایسے کلمات کہیں گے جن کو سن کر عقلمند حیرت میں پڑھ جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے محکوم و ذلیل ہو جائیں گے کیونکہ اب دور بھی دوسرا آگیا یہ پہلے دور کو رو رہے ہیں اور ترقی کرنے کی ان کو جرأت نہیں رہی اور پھر کہتے رہیں گے کہ افسوس ہم ان ظالموں کی بات نہ مانتے تو آج ہم پر یہ مصیبت نازل نہ ہوتی اس حسرت کی آگ سے انہیں کبھی نجات نہ ہوگی یا ایہا الناس الخ ظالموں کے ماتحت ہو کر رزق کمانا حرام خوری ہے تم اپنا رزق حلال وجہ سے کماؤ اور اس کو طیب کر کے کھاؤ اور یہ انسان کی شرافت اور تمدن کی بنا ہے کہ حلال کمائی اور اس کو اچھی طرح تدبیر دے کر پکا کر کھائے مثلاً گوشت ہے تو اسکو کچا مت کھاؤ.

ولا تتبعوا الخ یہ ظالم لوگ اخوان الشیاطین ہیں ان کی بنائی ہوئی باتوں پر مت چلو اور ان کے بنائے ہوئے قواعد شیطان کا راستہ ہے یہ تو سود خواری سکھائیں گے اور طرح طرح کے ظلم کرنے اور لوٹنے کی سبیلیں تیار کریں گے انہ لکم عدو مبین انسانیت نام ہے اجتماع کا اور وہ سوائے حلال کسب اور ظلم دور کرنے سے ہو نہیں سکتا اور ظلم سے تمدن خراب ہو جاتا ہے اور نظام بلدیت ٹوٹ جاتا ہے جس سے ویرانی آجاتی ہے اور انسانیت مصائب میں پھنس جاتی ہے اور شیطانی کام ہے تو شیطان انسان کا ظاہر دشمن ہے تو یہ ظالم اور فریب باز لوگ تمہارے ظاہر دشمن تمہارا مال تمہاری عزت تمہارا دین برباد کرنا چاہتے ہیں۔

انما یامرکم بالسوء الخ ان ظالموں کے تین خصائل ہیں تینوں انسانیت کے خلاف ہیں انسانیت کو تکلیف پہونچانا۔ بے حیا بن کر لوگوں میں رہنا اپنی دولت مندی اور زور سے بے حیائی کے کام اور باتیں علی الاعلان کرنی گالی گلوج۔ لوگوں میں یہ ظاہر کرنا کہ یہ بادشاہ اس کی بادشاہی ہمیشہ رہے گی اس کو اللہ تعالے نے بادشاہی دی ہے ہم کو اس کے تابع رہنا ضروری ہے حالانکہ اللہ تعالے نے کسی کو بادشاہ نہیں بنایا اور نہ کوئی یہ بات ہے واذا قیل الخ

یعنی جب ان کو انسانیت کے قواعد پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے اپنی حکومت کا نظام یا ہماری امارت یا ہماری پیری مریدی اس طرح رکھی تھی تو ہم بھی اسی طرح چلتے آئے لوگوں پر اگر ظلم ہوتا ہے تو ہمارا اس میں کیا گناہ یہ راہ و رسم ہمارے بڑوں کی بنائی ہوئی ہیں یعنی ان کو اگر کہا جائے کہ بھائی تم انسان ہو انسانیت پر چلو تو کہتے ہیں ہم کیا کریں ہمارے افسروں نے ہمیں یہ حکم دیا اور بڑے اس طرح کرتے آئے ہم بھی اس طرح کرتے ہیں حالانکہ ان کے بڑوں کو بین الاقوامی معاملات کی عقل بھی نہ تھی اور نہ اس کے راستہ کو جانتے تھے۔

مثل الذین کفروا الخ یعنی ایسے بے عقل لوگوں کو نصیحت کرنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرنا چاہیے جب قوموں میں تنزل آجاتا ہے تو مذہبی رسوم پر بہت زور دیا جاتا ہے مگر اپنی باطنی پاکیزگی سے بالکل غفلت برتی جاتی ہے مگر وہ چیزوں سے سخت نفرت کا اظہار ہوتا ہے اور رزق جو ان میں ناجائز طریقہ سے مل جاتا ہے سب کھا جاتے ہیں اور مستحبات پر زور دیتے اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں اللہ تعالے نے انسان پر انعام و اکرام کی بارش برسانے کے بعد آیت ۱۶۴ میں حکم دیا ہے کہ اس کی حد کے اندر رہ کر اس کے قوانین کی اطاعت کرے اور نبی مثل دعوت دینے والے کے ہیں لیکن جن کا کھانا پینا ظلم کے طریقوں پر مبنی ہیں وہ اس کو سننا نہیں چاہتے بلکہ وہ مثل مویشیوں کے ہیں کہ آواز سنتے ہیں مگر اس میں بالکل غور نہیں کرتے۔

انما حرم علیکم الخ اکل حلال کے بعد محرمات طعام کا ذکر ہے کہ یہ چار چیزیں تمام کتب الٰہیہ میں حرام ہیں اس متفق مذاہب کے نہ کھانے کا حکم ہوتا ہے المیتة خود بخود جو چیزیں مر جائیں شریف طبائع انسانوں میں اس سے نہایت نفرت ہے اور انسان کو چاہیئے کہ خود مار کر کھائے اور خون بھی ایک مضر چیز ہے اور خنزیر کا گوشت نہایت مضرات میں سے ہے اور ایسی غیر اللہ کی نذر ان میں مذہبی قباحت ہے کہ اللہ تعالے کے سوائے اور کے نام کی ذبح کی ہوئی چیز کھانا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کریگا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کریگا ان کو اور ان کے لئے ہے عذاب دردناک۔

یعنی احکام الٰہی کی لوگوں میں اشاعت نہ کرنا بلکہ حرام کھانے والوں (جیسے ظالم لوگ) سے مل جل جانا اور اپنی

عزت اور ثروت کمانا یہ پیٹ میں آگ ڈالنا ہے یعنی اس سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے جس سے حرمت و حل کے مسئلہ کی طرف خیال بھی نہیں رہتا اور ایسی جماعتیں دنیا میں ذلیل ہو کر رہتی ہیں کیونکہ ان کو ادھر توجہ رہتا ہے کہ اور لوگ کمائیں اور ہم کھائیں آخر کار ایسی جماعت محکوم ہو جاتی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں دوزخ پر۔ یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بے شک ضد میں دور جا پڑے۔

صداقت کے بجائے گمراہی میں جا پڑے اور کس قدر دلیر ہیں کہ دیدہ و دانستہ آگ سے کھیل رہے ہیں اور خرید رہے ہیں دنیا میں انقلاب کے وقت پہلے پہلے یہ لوگ جل جائیں گے اور آخرت میں بھی ان کے لئے نجات نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہدایت کا راستہ روک رکھا تھا ذلک بان اللہ الخ کیونکہ کتاب الٰہی تو ضرورت رفع کرنے کے لئے آئی ہے لوگوں کو اس کتاب کی سخت ضرورت تھی اور اس کے احکام کے سوائے ترقی نہ کر سکتے تھے ان لوگوں نے اختلاف کر کے بات کو بگاڑ دیا اور اب سمجھ میں نہیں آئی کہ حق بات کیا تھی غرض مسلمانوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ صرف ظاہری پاکی پر نظر نہ رکھیں بلکہ باطنی صفائی بھی کرتے رہیں۔

اب تدبیر منزل کا باب شروع ہوتا ہے یعنی ایمان کے بعد سب سے بڑا کام مال کی حفاظت ہے یعنی مال کسب کر کے اس کو اپنی جگہ پر خرچ کریں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔

نیکی کی روح یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف نماز پڑھو بلکہ نیکی کی روح یہ ہے اللہ اور یوم آخر الخ سب پر ایمان لاکر مشکلات میں اپنے اللہ کو یاد کرو الخ اب شہری زندگی کی کیفیت بتلائی جارہی ہے کہ تم اپنے نصب العین میں اس قدر سرگرم رہو اور اس قدر کماؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں عزیز واقارب الی آخرہ میں اپنا مال صرف کرو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان اس قدر کمائے کہ اپنے اہل وعیال کو کھلانے کے بعد اسکے پاس اس قدر بچے کہ وہ باقی مسلمانوں کی خبر گیری کرتا رہے واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ نماز وزکوۃ کا حکم ہے زکوۃ بغیر عمال حکومت کے ممکن ہی نہیں غرض اس سے سلطنت کی بنا پڑی والموفون الخ اس میں سکھلایا کہ حکومت کرنے میں تمہیں غیر ملکی دول سے معاہدے بھی کرنے پڑیں گے اس لئے شروع سے وعدہ وفائی کی عادت ڈالنے کی تعلیم دی جارہی ہے الصابرین الخ جس قدر مشکلات تم پر آئیں ان پر صبر کرو اور رات دن اپنے کام میں لگے رہو۔ اولئک الذین صدقوا یہی لوگ ہیں جنہیں اپنے آپ پر اعتماد ہے اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائے ہوئے اور یہ کامیابی کا طریقہ ہے جس سے انسان ترقی کرکے حکومت تک پہنچ جاتا ہے یہ تدبیر منزل کا اعلیٰ درجہ ہے ابتدائی درجہ جس سے سوسائٹی بنتی ہے وہ اپنے ہاتھ سے کمانا اور دوسروں پر اعتماد نہ کرنا اور حلال طیب کھانا جس سے تفکر بھی اچھی پیدا ہوتی ہیں اور اس سے اجتماع انسانی بنتا ہے اس میں نوع انسان مشترک ہے اس درجہ میں اختلاف پیدا کرنے سے لوگوں میں افتراق پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سخت گناہ ہے کیونکہ اجتماع کی ضد ہے اختلاف کے وقت ایک قوت فیصلہ محفوظ ہونی چاہیئے جب اختلاف ہو تو اس کے آگے سر تسلیم خم ہونا چاہیئے وہ کتاب الٰہی ہے کتب الہیہ اس لئے نازل ہوتی ہیں کہ اختلاف کے وقت ہر ایک کو ان کی بات ماننی چاہیئے اب اگر اصل کی تاویلیں کرکے اس کے دو معنی لئے جائیں پھر اجتماع قائم بھی نہیں رہ سکتا اس لئے ایسے لوگوں کی یہاں سخت مذمت آئی اور یہ ابتدائی درجہ اجتماع کا ہے کہ اپنے ہاتھ سے کمانا اور اس کو قاعدہ کے اندر خرچ کرنا یہ درجہ شہری اور بدوی زندگی میں مشترک ہے اس مشترک زندگی انسانیت میں جو اختلاف ڈالے اور قوت فیصلہ بھی محفوظ نہ رہے یعنی کتاب سماوی میں اختلاف کر بیٹھیں تو ایسی جماعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی اور یہ درجہ ابتدائی تدبیر منزل کا تھا اب لیس البر سے درجہ راقی شروع ہوتا ہے اس میں شہری زندگی کے مراتب خلافت تک بیان کئے ہیں۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

إِذَا عَاهَدُوا ۚ وَالصّٰبِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولٰئِكَ

الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔

کام کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں ابتدائی درجہ پڑھ کر لوگوں کو تعلیم دے دوسرے یہ کہ چونکہ لوگوں کو سلطنت پسندی کا خیال ہے ذرا اپنے آپ کو اونچا رکھیں اور طمع میں فقیروں سے محبت وغیرہ ہو تو اس دوسرے درجہ والے آدمی کے پاس ادنیٰ و اعلیٰ لوگ جمع ہو جائیں گے مگر اس کے مرنے کے بعد پھر وہی سلطنت پیدا ہو جائے گی۔ اور تیسرا درجہ ہے کیف ما اتفق زندگی گزارنی اور کوئی نصب العین اس کے آگے نہیں تو یہ خارج از بحث ہے مگر پہلے درجہ والا آدمی ایک بڑا انقلاب ذہنی پیدا کر دے گا اور اس کے بعد ترقی شروع ہو جائے گی اور ذہنی پریشانی ہمیشہ کمانے اور قاعدہ کے اندر خرچ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں تو لابدی امر ہے کہ صحیح طریقے کمانے اور خرچ کرنے کے سکھلائیں جائیں اور محرمات مقرر کر دیئے جائیں تاکہ زائد کم نہ ہوں تو یہ اجتماع کا اہم جز ہے اور جب ارتقائی تمدن کا دور آئیگا تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ اتنا کمائے جس سے ذوی القربیٰ المساکین وغیرہ پر خرچ کر سکے مسلمانوں نے اپنے دور ترقی میں بہت کچھ کر کے دکھایا۔

منشی ذکاء اللہ شمس العلماء تاریخ ہند میں لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۵ء) اپنے انعام سے کل خواص و عوام کو مستفید کرنا چاہتا تھا جب کوئی فتح نامہ آتا یا بیٹا پیدا ہوتا یا شہزادوں کی تقریب شادی ہوتیں تو شہر کے صدور، اکابر علماء، فقیہوں، مدرسوں، معلموں کو اپنے دولت سرا میں طلب کرتا اور ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیتا اور گوشہ نشینوں اور مشائخ کو جو حاضر نہ ہو سکتے تھے اس کے پاس یہ فتوح بھجوا دیتا غرض بادشاہ کو جو خوشی ہوتی اس کا حصہ سب کو پہنچا دیتا اگرچہ تھوڑا دیتا تھا مگر بہت آدمیوں کو دیتا تھا اور بار بار دیتا تھا اس سبب سے ہر شخص کو بہت کچھ مل جاتا تھا کہ اہل محکمت آسودہ اور سخی ہوں اور رعایا اور لشکر فراغت سے رہیں اور لوگ گدائی چھوڑ دیں اور کسب معاش میں مشغول ہوں اور سلطان فیروز شاہ کا حکم تھا کہ شہر میں کسی کار و بنجار کا آدمی بے کار ہو تو اس کا حال دریافت کر کے کوتوال شہر بادشاہ کے روبرو لائے کوتوال شہر محلہ داروں سے ایسے بے کار آدمیوں

کا حال تحقیق کرتا بعضے ایسے بھلے مانس بھی بے کار ہو جاتے کہ شرم کے مارے اپنے احتیاج کو زبان پر نہ لاتے ان کو اور اور آدمیوں کو جو اپنی بے کاری کا اظہار کرتے تحقیقات کے بعد کوتوال بادشاہ کے روبرو لاتا بادشاہ ہر بے کار کو حسب حیثیت بر سر کار کر دیتا اگر اہل قلم ہوتے تو کارخانوں میں بھیج دیتا اگر کارکن غافل ہوتے تو ان کو خانِ جہاں (وزیر اعظم) کے حوالہ کرتا وہ ان کو کار دیتا بادشاہ کو معلوم ہوتا تھا کہ آدمی بے کار رہنے سے کیا کیا خونِ جگر پیتا ہے اسلئے ان پر یہ نوازش کر کے ان کو غم سے نجات دلواتا اور اس کے دواخانہ مفت تھے اور بڑے بڑے اوقاف تھے جس سے خیرات کی مدیں روپیہ جاتا تھا۔

اور سلطان سکندر لودھی نے مختلف شہروں میں خدا ترس مہتمم مقرر فرمائے کہ وہ خزانہ شاہی سے محتاجوں کے احتیاج کو دور کریں۔

اور سلطان شیر شاہ نے تمام ممالک میں لنگر خانے جاری کرائے جب نقارہ شاہی بجتا اور بادشاہ روٹی کھانے کی تیاری کرتا تو شاہی نقارہ کی آواز سنکر دور کے نقارہ والا نقارہ بجاتا اور اس طرح تمام ملک میں اسی وقت نقارے بج جاتے تھے اور لنگر کھل جاتے تھے ہر شخص وہ روٹی کھاتا اور ہندو کے جدا اور مسلمانوں کے کھانے کا جدا انتظام تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۷۸)

اے ایمان والو فرض ہوا تم پر قصاص (برابری کرنا) مقتولوں میں۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیئے اس کو خوبی کے ساتھ۔ یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک۔

اب تدبیرِ منزل سے آگے سیاستِ مدنیہ ہے جب حکومت آگئی تو مساوات کی تعلیم دی جارہی ہے تاکہ عدل و

انصاف ملک میں قائم کر سکیں جو اس تعلیم کا مقصد اعلیٰ ہے حُر آزاد قوم کا ایک فرد عبد جو لڑائی میں گرفتار ہو کر آئے اور اسے غلام بنا لیا جائے انثیٰ عورت یعنی اگر تمہارے قبیلہ سے کوئی مارا جائے تو الحر بالحر الخ قتل کی جانی چاہیئے غرض اسلام نے سزا دینے میں مساوات کا پہلو ہاتھ سے نہیں چھوڑا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پرانے زمانہ کے اسی قسم کے قوانین کا ذکر کر دیا جائے۔ ملک چین کے قدیم قانون میں اتفاقیہ خطاؤں اور معصومانہ بداعمالیوں کی سزا بھی قصدی جرائم کی سزاؤں کی طرح سختی کے ساتھ دی جاتی تھیں جنوبی ایشیا کی رہنے والی اکثر قوموں میں اگر کسی شخص کو شیر مار ڈالتا تو جب تک اس شیر کو یا اس کی جگہ دوسرے شیر کو بطریق انتقام مار کر کھا نہ لیتے تو تمام خاندان ہلاکت کی ذلت محسوس کرتا رہتا تھی کہ اگر کوئی شخص کسی درخت سے گر کر مر جاتا تو اس کے رشتہ دار اس درخت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور ٹکڑوں کو منتشر کر کے اسکی وفات کا بدلہ لیتے قدیم زمانہ میں یونانی حکمار بھی غلام جو کسی کو مار ڈالے تو اسے متوفی کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیتے اور اگر ان سے کسی نے کسی کو زخم کر دیا تو وہ مجروح کے حوالہ کر دیا جاتا لیکن کسی حالت میں اس پر لحاظ نہ کیا جاتا کہ کسی وجہ سے متوفی کی جان گئی ہے یا مجروح کیوں کر زخمی ہوا ہے اور نہ اس امر کی تحقیقات کی جاتی کہ آیا اس فعل میں غلام کا کچھ قصور بھی تھا یا نہیں اس قسم کی لاپرواہی غلاموں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ کسی جانور یا غیر متحرک شی سے بھی اگر کوئی موت وقوع میں آجاتی تو اس کو سرحد سے باہر نکال کر پھینک دیا جاتا۔

(۴) رومیوں کے نزدیک بھی ہر صورت میں متوفی کے رشتہ داروں کو انتقام لینے کا مسلمہ حق حاصل تھا اور اگر اشتعال میں قاتل کو قتل بھی کر ڈالیں تو سزا واجب نہ ہوتی رومیوں کے مشہور دوازدہ (۱۲) اصولوں میں مندرج ہے کہ اگر کسی بچے غلام۔ جانور یا غیر ذی روح شئی سے کوئی نقصان پہنچے تو اس کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جائے جس کو نقصان پہنچا ہے اور نقصان کا معاوضہ بھی ادا کر دیا جائے۔

(۵) یہودی قانون میں بھی انتقام اور خون بہا کا اصول مسلمہ طور پر پایا جاتا ہے مواخذہ ولیکن ان کا عام دستور تھا اگر کوئی بیل کسی مرد یا عورت کو اپنے سینگوں سے اس قدر زخمی کرے کہ وہ مر جائے تو یقیناً اس بیل کو سنگسار کر دیتے اور اس کا گوشت کھایا نہ جاتا۔ اگر شئی مرتکب جرم سے مالک کی غفلت سے نقصان پہنچا تو مالک کو قطعی آزاد نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اس کو تمام نقصانات جو کسی خطرناک جانور سے وقوع میں آئے بشرطیکہ وہ اس جانور کی بدمزاجی سے واقف رہا ہو ذاتی طور پر ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا مثلاً کسی بیل نے کسی شخص کو اس قدر زخمی کر دیا کہ وہ مر گیا تو اگر بیل کی عادت پہلے سے تھی اور مالک کو اس کا علم تھا تو مالک اس قتل کا ذمہ دار قرار دیا جاتا اور یا تو وہ قتل کیا جاتا یا اس کو خون بہا ادا کرنا پڑتا لیکن اگر بیل کو مارنے کی عادت صرف چند روز پہلے سے ہو گئی تھی اور مالک کو اسکی اطلاع نہ تھی اور بیل کا بند کرنے کا مالک کو موقع نہ ملا تھا تو ایسی حالت میں مالک کو ذمہ دار قرار نہ دیتے صرف بیل

یہودیوں میں انتقام کا طریقہ بھی سخت تھا آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں
کے بدلے پاؤں کا مطالبہ کیا جاتا تھا لیکن اتفاقیہ حوادث کا بدلہ اس طور پر نہیں لیا جاتا تھا اتفاقی نقصان میں معافی
کی گنجائش بھی تھی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو تاکہ تم بچتے رہو۔

عقلمند جانتے ہیں کہ اس مساوات ہی میں زندگی ہے یعنی اگر تم قوانین الٰہی پر عمل کرو گے تو تمہاری قوم میں
زندگی کے آثار پیدا ہوں گے اور اگر پھر جاہلیت کے قانون اختیار کر لیں تو تمہاری حالت انہی کی طرح دوبارہ

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ ۚ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ
بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور
رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے
جو سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر ہے جنہوں نے اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے پھر جو کوئی خوف کرے وصیت
کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

قیل ھٰذہ الاٰیۃ منسوخۃ بایۃ المیراث وھو غلط مثلاً ایک نومسلم امیر آدمی صاحب جائیداد کی ماں
بدستور اپنے قدیم مذہب پر قائم ہے تو وہ بطور وصیت اسے اپنی جائیداد کا حصہ دے سکتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ چند روز ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اس کے واسطے اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اس میں بتلایا کہ گیارہ ماہ خوب کام کر کے کماؤ اور کچھ نہ کچھ پس انداز بھی کرتے رہو اس میں سے اس ماہ میں خرچ کرو اور روزے رکھو اور تلاوتِ قرآن کرو اس آیت میں ایک تو پاک نفسی اور دوسرے پس انداز کرنے بتلایا۔

روزے کے احکام کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب میں ملتے ہیں مگر احکام اسلام کو اگر دیگر مذاہب کے اوامر و نواہی پر کوئی فوقیت حاصل ہے تو وہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام کسی نہ کسی حکمت اور منفعت کو مدِ نظر رکھ کر فرض کئے گئے ہیں اور ان سے کوئی نہ کوئی فائدہ دینی یا دنیاوی۔ مادی یا روحانی مقصود و متصور ہے اس دعویٰ کے ثبوت میں حکماءِ اسلام کی انبار در انبار تصانیف موجود ہیں جو ہر زمانہ میں لکھی گئی اور لکھی جا رہی ہیں جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے ادیانِ باطلہ زمانہ کا ساتھ دینے سے قاصر رہتے جاتے ہیں اور یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ کسی مقام پر بھی تھک کر بیٹھ جانے کی ندامت نہیں اٹھانی پڑی اور نہ پڑے گی دنیا آج ہر طرف سے مایوس ہو کر اسلام کے قریب آتی جاتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکم دینے کے بعد کہیں ان اللہ عزیز حکیم کے ارشاد سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ فعلِ حکیم ہے جو خالی از حکمت نہیں کہیں واللہ رؤف بالعباد کہہ کر ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں یعنی روزے انسان کی آزمائش کے لئے رکھتیں ہیں اور کہیں لعلکم ترحمون فرمایا یہ بتا دیا کہ اس سے مقصد تمہارے اوپر ظلم کرنا نہیں ہے بلکہ رحم کرنا ہے خود روزے کے احکام شروع کرتے وقت پہلی ہی آیت لعلکم تتقون پر ختم کیا اور جہاں یہ مضمون ختم ہوا وہاں پھر لعلکم تتقون کی مہرِ ثبت فرما کر بتلا دیا کہ روزے کے احکام

اس لئے دیئے کہ تم میں تقوےٰ پیدا ہو جائے یہی نہیں۔ انہیں آیات میں جہاں فدیہ کی جگہ روزہ رکھنے کو مرجح قرار دیا وہاں ارشاد ہے کہ اگر روزہ رکھو تو وہ خیر لکم ہے یعنی اس میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ
الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ
مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۸۵)

مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو۔

دنیا میں ہر مذہب و ملت نے سال کے مختلف دنوں کو قومی و مذہبی خوشی و مسرت کے اظہار کے لئے چن لیا ہے چونکہ ہر مذہب و ملت کا نقطۂ نظر یکساں نہیں اس لئے ان دنوں کے انتخاب اور تعیین میں بھی یکساں نہیں ان عیدوں اور تہواروں کا مقصدِ اوّل یہ ہے کہ انفرادی اور خاندانی لحاظ سے نہ بلکہ جماعتی اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ سال کے کچھ دن ایسے مقرر کئے جائیں جن میں تمام افراد علیحدہ علیحدہ شخصیتوں کے احوال کا لحاظ کئے بغیر خوشی اور مسرت کا عام اظہار کر سکیں اور اس طرح قومی اور ملی وحدت کا سماں مجسم ہو کر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب کسی دن میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ کسی قوم و ملت میں پیش آئے جس کو یاد رکھنا اپنی قومی و ملی زندگی کے لئے ضروری ہو تو اس دن کو یوم عید اور جشن اور تہوار کا دن مان لیا جاتا ہے تاکہ سال بسال اس کی یاد تازہ رہے مگر اس کے لئے سوال ہوتا ہے کہ اس کے لئے کون سے دن منتخب کئے جائیں تو(۱) ہندوستان کے تہواروں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس کے لئے عجائباتِ قدرت اور زمین و آسمان کے فطری انقلابات کو زیادہ تر اپنی خوشی کے اظہار کیلئے اختیار کیا ہے موسموں کے تغیرات اور آسمان کے سورج و چاند کی حرکات کو اپنی خوشی کے اوقات

بنائے ہیں جاڑا شروع ہوا تو ایک تہوار گرمیوں کا آغاز ہوا تو ایک تہوار برسات ہوئے تو ایک تہوار سات ہی سورج گرہن اور چاندگرہن اور دوسرے ارضی وسماوی انقلابات اس کے تہوار کے دن ہیں۔[۲] مجوسیوں کے ہاں سب ارضی وسماوی انقلابات و تغیرات کو چھوڑ کر صرف نیر اعظم کی عظمت اور یاد ہے ان کے ایام جشن صرف خورشید انور کے نذر ہیں نوروز کے جشن نئے سال کا آغاز اور بہار کے دن ہیں۔[۳] یونانیوں اور رومیوں۔ مصریوں۔ اور دوسری بت پرست قوموں کے تہوار کے دن ان کے علم الاصنام اور تھیالوجی کے قصوں کی مناسبت سے تھے اور انہیں کی محرف نقل رومی عیسائیوں نے اتاری اور ان کو عیسٰی علیہ السلام کی یادگاری دنوں سے نسبت دے کر کرسمس۔ نیو ایرس ڈے اور ایسٹر بنالئے۔ حالانکہ ان دونوں کو تاریخی حیثیت سے حضرت عیسٰی[۴] سے دور کی نسبت بھی نہیں ہے یہ وہی رومی بت پرستوں کے تہوار کے دن ہیں جن کو اپنے خدا کے بیٹے کے لئے بھی انہوں نے اختیار کر لیا۔[۲] یہودیوں کی اکثر عیدیں خوشی کے بجائے غم کے دن ہیں اور ان کی حیثیت کفارہ کی ہے وہ جس طرح مہینہ کا ہر ساتواں دن انکا سبت تھا اسی طرح سال کا ساتواں مہینہ ان کی یادگار اور کفارہ کا سال تھا اس کی مختلف تاریخوں میں وہ روزے رکھتے تھے اپنے کو غم زدہ بناتے اور قربانی جلاتے تھے اور پھر سات دن تک خوشی مناتے تھے یہ روزے اور یہ غم اور خوشی کے مظہر سب کے سب سرزمین مصر ہی سے نجات کی یادگار میں تھے جیسا کہ تورات کے سفر احبار کے تیسویں فصل میں اس عید کے تمام مراسم اور احکام تفصیل کے بعد آخر میں درج ہے[۴] تاکہ تمہاری نسل در نسل جانیں کہ جب میں بنی اسرائیل کو زمین مصر سے نکال لایا تو میں خیموں میں آیا اور کہا میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ سو موسٰی نے بنی اسرائیل سے خداوند کی عید کا ذکر کیا۔[۲] مگر اسلام نے نہ کسی تغیر فلکی اور موسمی یا فتح یا ہجرت کو مقرر نہیں کیا بلکہ ان سے اپنی ملت کی خوشی ومسرت کے لئے وہ دن مقرر کیا جو اس کی خیر و برکت اور نزول وحی کے مہینہ رمضان کے ختم کے بعد آیا شہر رمضان الخ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوگوں کے لئے ہدایت اور حق و باطل میں تفریق کی دلیل بنکر اتارا گیا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہیئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

بندہ فرائض کے ادا کرنے کے بعد نوافل یعنی خدائی یاد سے اس کی قربت حاصل کرتا رہتا ہے حتٰی کہ خدا کا محبوب

بن جاتا ہے اور رحمتِ الٰہی اس کو احاطہ کر لیتی ہے اس وقت میں اعضار کو نورِ الٰہی سے مدد پہنچتی ہے اور اس
کی ذات واہل وعیال ومال میں برکت دی جاتی ہے اور اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور شر سے محفوظ رہتا ہے
اور اس کی اعانت کی جاتی ہے حدیث میں ہے کہ دعا میں ان شئت کی قید نہ لگائے بلکہ جو کچھ خدا سے مانگے یقین سے
مانگے کیونکہ اللہ پر کسی کا دباؤ نہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ دعا کی حقیقت اور اس کی روح نفس کا کسی چیز کیطرف
رغبت کرنا ہے جس کے ساتھ تشبہ بالملائکہ اور جبروت پر اطلاع یابی کی صفت بھی پائی جاتی ہو اور ترنک کے ساتھ
طلب کرنے ارادہ کے اندر پراگندگی اور ہمت میں سستی پائی جاتی ہے اور مصلحت کلیہ کے ساتھ موافقت موجود
ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصلحت کلیہ کی رعایت کرنے سے خدا تعالے کو کوئی نہیں روکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے وہ جو چاہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں دوسری حدیث میں ہے کہ بجز دعا کے قضاء الٰہی کوئی نہیں روکتی۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَ
اشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ
فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

حلال ہوا تم کو روزہ رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورت سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی اللہ کو
معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے سو معاف کیا تم کو اور درگزر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو
اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری

سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کیواسطے تاکہ وہ بچتے رہیں۔

میاں بیوی کو آپس میں تشبیہہ دی گئی ہے کہ میاں لباس بیوی کا اور بیوی لباس میاں کا لباس سے انسانی جسم ڈھکتا ہے اور لباس عزت افزائی کی نشانی ہے غرض میاں کی عزت بیوی سے اور بیوی کی عزت میاں سے ہوتی ہے میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اور آپس میں جو امن وچین وہ دونوں پاتے ہیں اور ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہیں قرآن حکیم سے زیادہ کسی دوسری مذہبی کتاب نے ایسی اعلیٰ اور عمدہ انداز میں بیان نہیں کی۔

کلوا واشربوا الخ ایسے ممالک میں جہاں دن بہت لمبا ہو اور ایک عام آدمی کی طاقت سے باہر ہو کہ وہ اتنا لمبا عرصہ تک روزہ رکھ سکے اس کے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح کرے ایک حدیث میں جو دجال کے متعلق ہے اس میں ہے کہ وہ چالیس دن دنیا میں ٹھہریگا ایک دن ایک سال کا الخ تو صحابہ نے پوچھا کہ وہاں نماز کس طرح پڑھیں گے تو آپ نے فرمایا کہ "عام دنوں کے اندازہ سے نماز پڑھ لینی چاہیئے" اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روزہ بھی مہینہ کے عام دنوں کی طرح اندازہ لگا کر رکھ لینا چاہیئے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳

ترجمہ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔

ایک دوسرے کا مال غصب سے نہ کھاؤ بلکہ تجارت کے ذریعہ لین دین کرو آگے چل کر انصاف پسندی کی تشریح کی کہ نہ تو غصب سے کھاؤ نہ قاضی کو رشوت دو کہ اس صورت میں انصاف نہیں ہو سکے گا۔

روزہ رکھنے سے مراد یہ تھا کہ انسان کو پاک نفس بنایا جاتا اب بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح قانون الٰہی کی پابندی کرو۔ روزہ درحقیقت انسان کو اپنی خواہشات پر غالب آنے کا سبق دیتا ہے اور اس مشق سے دوسروں کی اشیاء کو غصب کرنے کی ناجائز خواہش بتدریج مردہ ہو جاتی ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ

مِنۡ اَبۡوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۸۹﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

قمری مہینوں کے متعلق تم سے سوال کرتے ہیں کہو کہ اسی سے تمہارا قومی سال شروع ہوتا ہے تمہارے حج کے ایام بھی اس سے مقرر ہوتے ہیں تم الٹے راستہ پر چل کر دوسروں کے قومی سال کی پیروی نہ کرو بلکہ سیدھے راستہ پر چلو اور اپنی عزت و وقار کو قائم رکھو۔

وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۱۹۰﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو۔

یعنی جو لوگ تم سے لڑنے کے لئے تیار ہیں تم بھی ان سے لڑنے کے لئے تیار رہو اور زیادتی مت کرو اس میں اجازت دی گئی ہے کہ تم صرف ان سے لڑو جو لڑائی کی استعداد رکھتے ہیں اور تم سے لڑتے ہیں (یعنی معذور آدمی - عورتیں - بچے راہب اور شہری طبقہ جو لڑنے میں شامل نہیں وہ معاف ہیں) شروع اسلام میں مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم ہوئے مگر انہیں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ کہا گیا کہ تم احکام خداوندی کا انتظار کرو آخر مدافعانہ اور بعد میں جارحانہ دونوں قسم کی اجازت دی گئی پہلے انبیاء کے زمانہ میں (مثلاً نوح وغیرہ) لڑائی کی اجازت نہیں تھی ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں دین میں اس کی بھی تدریج اجازت دے دی گئی اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اسے قانونی وضع میں ڈھالا گیا قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ کہا گیا ہے (سورہ مزمل میں) موسوی احکام میں جارحانہ اقدام کی اجازت ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر کنعان پر حملہ آور ہوئے اور اس ملک کو فتح کر کے وہاں بنی اسرائیل کو آباد کیا مگر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی تو ساتھ ہی تنبیہ کی گئی کہ تم صرف ان سے لڑو جو تم سے لڑنے کے لئے تیار ہوں آگے مت بڑھو (اس کی مثال ایسی ہے جب مسلمانوں نے بیت المقدس کو لیا) عیسائیوں نے جب بیت المقدس مسلمانوں سے دوبارہ لیا تو موسوی احکام کے ماتحت مسلمانوں کی عورتوں

بچوں ضعیفوں اور امام مسجدوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔ مسلمانوں کو مکہ میں لڑائی کی اجازت مل گئی تھی مگر حکم تھا کہ حد کے اندر رہ کر جنگ کرو مثلاً وزیرِ جنگ نے ملک کی حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد اعلانِ جنگ کر دیا۔ اب کس طرح اور کس طریقہ سے لڑائی جاری کرنی چاہیئے یہ سپہ سالار کا کام ہے کہ وہ مدافعانہ طریقہ اختیار کرے۔ یا جارحانہ لڑائی میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ فوج کا نقصان کم ہو اور مدعا حاصل ہو جائے اگر سپاہ سالار سمجھے کہ مدافعانہ طریقہ میں یہ مطلب جلدی اور بااحسن ہو سکتا ہے تو اس طریقہ سے ورنہ جارحانہ طریقہ پر کر سکتا ہے غرض یہ حالات کے مطابق فیصلہ ہوگا آج بھی یورپین قومیں جو تہذیب کی دعوٰی دار ہیں ان کی لڑائیاں آج بھی قانونِ موسوی کے تحت ہوتی ہیں مثلاً سندھ کا واقعہ۔ ذرا غور کا جائزہ لیں ازعم

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ (۱۹۱)

اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی۔

جو لوگ تم سے لڑنے کو تیار ہیں اور تم سے لڑتے ہیں ان کو مارو جہاں کہیں ان کو پاؤ والفتنۃ اشد بے قانونی زندگی جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اس کو روکنے کے لئے ایک بڑا قتل جائز ہے تاکہ ان کو قانونی زندگی سمجھائی جائے اور وہ قانونِ الٰہی کے پابند ہو جائیں۔

فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۹۲)

پھر اگر وہ باز آئیں تو بے شک اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اسلام کی تعلیم کی خوبی دیکھئے کہ جہاں دشمن نے لڑائی بند کی تو مسلمانوں کو تلواروں کو نیام میں کرنے کا حکم دیا گیا اس کے مقابلہ میں مہذب حکومت کے ۱۸۵۷ء کے واقعات کا مطالعہ کیجئے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا

فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ان سے لڑو جب تک کہ بے قانونی زندگی ترک نہ کریں اور قانونِ الٰہی پر کاربند نہ ہو جائیں۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے۔

چند ماہ اور چند چیزیں متبرک قرار دیں اور کہا کہ ان میں لڑائی مت کرو مگر ساتھ ہی تاکید کی اگر تمہاری حرمت والی چیز کی قدر نہ کریں تو صاف اجازت ہے۔

سلطان محمد غوری نے جب پہلی دفعہ ہندوستان پر حملہ کیا تو شکست کھائی دوسرے سال پھر تیاری کر کے پرتھی راج کے مقابلہ پر آیا مگر پرتھی راج کی طاقت زیادہ تھی مسلمانوں نے جب حملہ کیا تو اپنی فوج کے آگے گائے کا ریوڑ رکھ لیا اور اس طرح وہ دشمن تک پہنچ گئے اور پرتھی راج گائے کی عزت کے خیال میں لگا رہا اسی لئے قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ ماہ واقعی قابلِ احترام ہیں اگر دشمن ان مہینوں میں حملہ کرے تو پھر مقابلہ کی اجازت ہے اسے یقین دلا دو کہ ہم ان مہینوں کا اگرچہ احترام کرتے ہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس وجہ سے دشمن ہم سے ناجائز فائدہ اٹھائے جیسے سلطان محمد غوری نے کیا۔

وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

تفسیرہ ما ذکرہ ابواب انصاری.

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ
نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ
اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ
ع ۲۴ ۸ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے رکھے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے.

پہلے جنگ وقتال کے واقعات بتلائے اب فوج کو تربیت یعنی ٹریننگ دینے کے لئے ایک وسیع میدان میں دعوت دی جا رہی ہے حج کے احکام کی آخری آیت میں ہے واتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون یعنی اللہ تعالے کے قانون کی پابندی کرو اور یقین رکھو کہ اس کے حکم سے تم اس کی طرف لشکر کشی کے لئے بلائے جاؤ گے سورہ نحل آیت ۱۰۳ حشر کے معنی ہیں لشکر کشی اصل آیت کا معنی یعنی عمرہ بمعنی فرداً فرداً اور حج بمعنی جماعت کا مجموعہ یعنی حج اور عمرہ دونوں اللہ تعالے کے لئے مکمل صورت میں کرو اگر کسی وجہ سے رک گئے تو کسی قسم کا فدیہ دے دو مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک آدمی جانے کے لئے کافی طاقت رکھتا ہے تو اسے خود جانا چاہیئے ورنہ اسے فدیہ دے دینا چاہیئے یعنی دوسرے آدمی جنگ میں جانے والے کو سامانِ جنگ کے لئے مالی امداد دینی چاہیئے۔

ولا تحلقوا رؤسکم میدانِ جنگ میں جا کر اگر کوئی مریض ہو گیا تو اسے میدانِ جنگ کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی اس واسطے کہا گیا کہ مریض فدیہ قربانی یا روزے کی تکلیف برداشت کریں.

اب آگے جماعت بندی اور تربیت کے طریقے بتلائے جاتے ہیں ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ
لَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ
اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ
عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ
وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

حج کے چند مہینے ہیں معلوم پھر جس نے لازم کر لیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بے شک بہتر فائدہ زادِ راہ کا بچنا ہے سوال سے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف۔

اور جو حج کا ارادہ کرے یعنی جن کی تربیت گاہ کی طرف چلے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ فلا رفث عورتوں کے متعلق کوئی بری بات زبان پر نہ لائے یعنی بدکاری سے بچے ولا فسوق کوئی بے قانونی بات نہ کہے ولا جدال فی ذٰلک المیدان کیونکہ اسی میدانِ جنگ میں اسے اخوت و اتفاق کا سبق دیا جا رہا ہے ۔

غرض جو شخص ان تین مہینے میں ایسی فوجی تربیت حاصل کرے اور بری باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے تو ایسا آدمی جہاد کے لئے بہترین کارآمد ہوگا اسے اخلاقی سبق دیئے گئے اور اس کی ہمت اور طاقت کو عمدہ کاموں میں صرف کیا وتزودوا اپنا مالی بوجھ دوسروں پر مت رکھو دوسروں کو تنگ نہ کرو بلکہ اپنا بوجھ خود اٹھاؤ کیونکہ اس سے تمہیں عالی ہمتیں وسعت نظری اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا سبق ملے گا واتقون قانونِ الٰہی کی پابندی کرو کیونکہ تمہاری زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ مرکز تو درحقیقت فوجی تربیت گاہ ہے مگر اسے بین الاقوامی تجارتی مرکز بھی مقرر کیا گیا۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر طواف کے لئے پھر و جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول مشہور غرض اسلام نے امتیاز کو کاٹ دیا اور کہا کہ فوج کے ساتھ سرداران فوج (یعنی قریش) بھی میدانِ جنگ میں میدانِ عرفات میں جائیں یہ نہیں کہ آپ تو امن کی جگہ بیٹھے رہیں اور فوج گرمیوں کی بوچھاڑ میں رہے اگر فوجی افسر بھی میدانِ جنگ میں ہوں گے تو ان کو جنگ کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا اندازہ ہوگا تو وہ حتی الوسع جنگ کو طول نہیں دیگا اس کے برعکس آجکل فوجی افسر تو پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور فوج آگے کٹ رہی ہے پہلے زمانہ میں بادشاہ ہمیشہ فوج کے آگے ہوتے تھے اور کئی دفعہ انہیں خود جنگ کرنی پڑتی تھی اس لئے جنگ بہت مختصر ہوتی تھی اور نقصانِ جان بہت کم ہوتا تھا آجکل لڑائیوں میں افسر پیچھے ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جنگ بہت طول پکڑ جاتی ہے اور کروڑہا جانوں کا نقصان ہوتا ہے جیسے کہ موجودہ جنگ عمومی ۱۹۱۴ء میں ہوا تھا۔

رجم کی سزا سنگساری ہے مگر اس کے ساتھ ہی حکم ہے کہ سب سے پہلا پتھر وہ قاضی مارے جو اسے سزا کا حکم دے رہا ہے اس میں بھی یہی راز تھا کہ پتھر کے لگنے سے قاضی جو تکلیف اور درد محسوس کرے گا تو وہ ناحق کسی کے لئے یہ سزا تجویز نہیں کریگا اور جہاں تک ممکن ہوگا ملزم کو بچت کا موقع دے گا۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ
حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ ‏ النصف
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ۔ ان ہی

لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

یعنی اس کے بین الاقوامی قانون کی پابندی کرو فَمِنَ النَّاسِ اب یہ بتلایا کہ بعض آدمی ایسے ہیں جو صرف دنیا ہی مانگتے ہیں وَمِنْهُمْ الخ چند ایسے ہیں جو دین و دنیا دونوں مانگتے ہیں عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا گیا جو صرف آخرت کو مانگتے ہیں اسی سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کے لئے ایک مقصدِ زندگی معین کیا گیا ہے ایسے قانونِ الٰہی کے تابع رہ کر اس کی تعمیل میں سعی کرنی چاہیئے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بے شک تم سب اسی کے پاس جمع ہو گے۔

حج کے دنوں میں قربانی والے تین دن انہیں دنوں میں شیطان پر کنکریاں ماری جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسی طرح نشانہ بازی کی تکمیل اور مشق کرنی چاہیئے یہ مشق خواہ تیر کے چلانے میں ہو خواہ نیزے کے لگانے میں خواہ توپ کے چلانے میں یا بندوق سے نشانہ لگانے میں یا ہوائی جہاز سے دشمن کو نقصان پہنچانے میں واتقوا اللہ اللہ کے احکام کی تعمیل کر کے عدالت قائم کرو واعلموا الخ معنی الحشر حج کے شروع سے اخیر تک تمام احکام کی سپرٹ سپاہیانہ ہے اور یہی سبق ہے جو حج مسلمانوں کو سکھلا رہا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ

کریں کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو۔

دنیاداری کے انتظام میں وہ بہت عجیب تقریریں کرتا ہے اور ساتھ ہی اللہ کو شاہد رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس ئے درد کا اظہار ہے حالانکہ وہ خدا اور تمام مخلوق کو دھوکہ دے رہا ہے اور صرف زبانی جمع خرچ کر رہا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ واذا تولی اور وہ جب حاکم بن جاتا ہے تو اس کا یہی کام ہے کہ وہ دنیا میں فساد پھیلائے تاکہ قانونی حکومت دنیا میں قائم نہ ہو سکے یھلک الحرث یعنی بداخلاقی والنسل یعنی لواطت اور دوسرے ذرائع اختیار کرتا ہے کہ اولاد پیدا نہ ہو۔ غرض اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ قانون اعلیٰ دنیا میں رائج نہ ہو سکے لا یحب الفساد قانون شکن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

آجکل یورپ اس دور سے گزر رہی ہے کہ وہاں زنا عام اور لواطت عام ہے ان کا انتظام خانہ داری

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانا ہے۔

جب عدالت قائم کرنے کے لئے کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر اور انصاف پر چل تو وہ غرور سے انکار کرتا ہے فحسبہ جھنم یعنی الحکومت یعنی ایسے لوگوں کو محکوم رکھا جائے نہ حاکم یہ سزا جہنم اس کو دنیا اور آخرت میں ہے دنیا میں اس طرح کہ اسے ہر وقت یہی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں پکڑا نہ جائے یا اس پر اعتراض نہ کئے جائیں۔

حدیث میں آتا ہے ایک صحابی نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی لٹکی ہوئی ہے الحدیث حضرت ابوبکرؓ نے اس کی تعبیر کی مگر اس جگہ ایک جملہ ہے یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ رسی پھر اس کے لئے وصل کی گئی تو اس سے آپ کے چہرہ پر ملال آیا ہمارے ہاں اس کی تعبیر یہ ہے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی امیہ کے لئے سلطنت کا خیال رکھتے تھے بلوہ کے باعث وہ خیال پورا ہوتا نظر نہیں آتا تھا مگر واقع میں ایسا ہوا کہ بنی امیہ کی سلطنت قائم ہوگئی اور اس واقعہ کے بعد آپ بنی ہاشم کے لئے خدا سے دعا مانگتے رہے جس کا نتیجہ نکلا کہ بغداد میں عباسی خاندان کی حکومت قائم ہوئی اور مصر میں بنی فاطمہ کی حکومت قائم ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔

یعنی قانون الٰہی کے تابع اور تمام احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ شادی کرنے کے بعد سب کے حقوق کو پورا کرتے ہیں ان سے اللہ راضی ہے غرض بتلایا کہ مراسم صحیح کرنے میں یعنی فوجی طاقت پیدا کرنے کے بعد دو قسم کی حکومتیں قائم ہوتی ہیں ایک مستبد ظالم جو اپنے استبداد پر چلتی ہے دوسری خدائی حکومت جو انسانیت کی بھی خواہی کیلئے انتظام کرتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

اب حکم ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم اس انٹرنیشنل قوانین پر پوری مضبوطی سے قائم رہو ولا تتبعوا الخ قومی قوانین بنانے والے شیطان لوگوں کی طرف خیال مت کرو کیونکہ شخصی اغراض کے لئے قوانین بناتے ہو تاکہ دوسری قوموں کو محکوم بنائیں انہ لکم عدو کیونکہ شیطان تو چاہتا ہے کہ اجتماع پیدا نہ ہو اور تمہارے قوانین نہ سائٹی پیدا کرنے والے بین الاقوامی ہیں۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

پھر اگر تم بچلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

اگر تم اس بین الاقوامی قانون کو چھوڑ کر اپنی قومی روح پیدا کرنی چاہو گے تو اللہ تعالیٰ بڑا غالب حکمت والا ہے وہ دوسری قوم اس انٹرنیشنل قوانین کے قائم کرنے کے لئے تیار کر دیگا اور تم ہمیشہ محکوم رہو گے۔ یعنی بین الاقوامی قانون کو چھوڑنا یقیناً ایک خطرناک غلطی کا ارتکاب ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

۲۵ ع ۱۴ ۹ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام۔

انجیل میں ہے کہ اللہ بادلوں کے سایہ میں آئے گا اور اس کے ساتھ ملائکہ کی فوجیں ہوں گی اور میں اس کے داہنے ہاتھ پر بیٹھوں گا" تو اس سے عیسائی مراد لیتے تھے کہ نزول مسیح دوبارہ دنیا میں ہوگا اور جس طرح ممکن ہو ان سے اس طرح ہوگا حالانکہ یہ اصحاح انجیل کا حشر و قیامت کی تصویر کھینچ رہا ہے اور اس کے معنی یہ کہ تجلی الٰہی چادر نور سے نظر آ رہی ہوگی اور انبیاء اس کے داہنے طرف ہوں گے تو یہ قیامت کا سماں ہے نہ نزول مسیح کا اور دوسری جگہ نزول مسیح کے بارہ میں آتا ہے کہ فارقلیط آئے گا اور دنیا میں آسمانی بادشاہت

قائم کرے گا تو اس سے مراد ہے بشارت آمد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اب کہا جاتا ہے کہ کیا اس بڑی پیشین گوئی کا انتظار کر رہے ہو وہ تو قیامت کا دن ہے اور وہ فیصلہ کا دن ہے نہ کام کرنے کا غرض بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ تشریف لائیں گے اور جہان کو راستہ بتلائیں گے اور ان کی حکومت دوبارہ دنیا میں قائم ہوگی (جیسے آج کل مسلمانوں کا بھی ایسا اعتقاد ہے حالانکہ احادیث نزول مسیح سب معلول ہیں۔ ابوہریرہ کی حدیث کی علت تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ قاسم بن القاسم میں ذکر کیا ہے اور مسلم کی حدیث میں ایک راوی ضعیف ہے تو یہ اعتقادیات میں داخل نہیں ہو سکتی) اب کہا جاتا ہے کہ تورات اور انجیل میں ایسی آیات سے یہ مراد ہے کہ خدا اور فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے مراد قیامت کا دن ہے جو دنیا میں مسیح اور منجی آنے والا تھا وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ آگئے ہیں وہ شریروں کی حکومت کو تباہ کر کے آسمانی بادشاہت حق پرست لوگوں کی قائم کر دیں گے جس میں بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کے قوانین ہوں گے اب جو قوم اس میں داخل نہ ہوگی وہ تباہ ہو جائے گی۔ غرض اب مسلمانوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اگر تم اس بین الاقوامی قانون کو چھوڑا تو قیامت تک تمہاری بادشاہت قائم نہ ہو سکے گی اور تم نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئیں اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے۔

بنی اسرائیل سے پوچھو ان کو بھی بین الاقوامی قانون دیا گیا اور اس قانون کو اپنی قومیت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ ان پر سخت عذاب آگئے اور ان سے حکومتیں چھینی گئیں اور غیر قوموں کے ماتحت رہ کر فنا ہو گئے اسی طرح تم بھی اگر اس بین الاقوامی قانون پر دیانت دارانہ طور پر چلتے رہو گے تو ہمیشہ تمہاری کامیابی ہوگی ورنہ تم بھی فنا ہو جاؤ گے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ وقف لازم

فریفتہ کیا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار۔

قومی قانون سے دولت بہت جمع ہو جاتی ہے اور قوم عیش و فرحت میں رہتی ہے اور محکوم قومیں انکی خادم بن کر ان کی خدمت کرتے رہتے ہیں تو اس لئے بین الاقوامی قوانین پسند نہیں آتے کیونکہ کام تو ایک قوم کرے اور اس میں تمام قومیں مساوی درجہ رکھیں تو اس لئے ایسے قوانین کو قومی جماعتیں نہیں مانتی اور بین الاقوامی قوانین کے مذاق اڑاتے ہیں اور ادنیٰ عقل والے لوگوں کو ان کی بات بہت پسند آتی ہے تو اب کہا جاتا ہے کہ جو قوم اس بین الاقوامی قانون پر ایمان رکھ کر کام کرے گی وہ دنیا و آخرت میں تمام اقوام کے اوپر رہیں گے۔ یہودی اور مشرک اپنے قومی قوانین کے موافق سودی دولت جمع کر کے عیش اڑاتے رہے تھے اور مہاجرین اور انصار اس بین الاقوامی قانون کے پابند ہو کر ظلم و تعدی لوگوں سے دور کر کے ان کی اقتصادی حالت کو سدھار رہے تھے۔ تو مہاجرین اور انصار برسرِ اقتدار آ گئے عراق، مصر، شام جیسے زرخیز خطے ان کے ہاتھ میں آ گئے اور دولت جمع کرنے والے محکوم رہ گئے یہی معنی ہیں واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب کے اللہ کے قوانین پر چلنے والے کو رزق بے حساب ملتا ہے یعنی ان کو حکومت کے ذریعہ رزق ملتا ہے وہ بے حساب ہوتا ہے کاش آج بھی مسلمان

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ
مُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ
تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۚ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ۔

نوعِ انسانی ایک طرح کی پیدا کی گئی ہے یعنی بدوانہ اور شہری زندگی کے احوالِ اساس ایک درجہ کے ہیں اس لئے اس کی ترقی کے لئے بین الاقوامی الانبیاء آتے رہے ہیں اور ان کو ایک قانون بین الاقوامی بھی دیا جاتا ہے

تاکہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ فیصلہ محفوظ رہنا چاہیئے تھا اور اس میں بین الاقوامی معاملات میں نہایت ضروری ضروری اساسی قواعد تھے اور وہ انبیاء نے ان کو پوری طرح سمجھا دیا تھا مگر انہوں نے مااختلف فیہ الخ اپنی شخصی اور قومی منافع کے لئے آپس میں لڑ گئے اگر نادان لوگ لڑتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا مگر ظلم یہ ہوا کہ جو عالم اور فقیہ اس کتاب کو جانتے تھے خود اس کتاب کی تشریح کرنے میں اختلاف کر بیٹھے اس اختلاف کی بنا شخصی فساد پر مبنی تھی نہ قانون چلانے کے بارہ میں اختلاف کیا کہ ایک جماعت نے کہا کہ اس طرز پر یہ بین الاقوامی قانون کامیاب ہوں گے اور دوسری جماعت نے کہا کہ یوں کامیاب ہونگے اگر اس طرح کا اختلاف ہوتا تو کامیاب بنانے میں دونوں کا نظریہ ایک متحدہ راستہ پر لگ جاتا مگر وہ محض شخصی مفاد کے لئے لڑے اور ہر ایک نے کتاب کی ایسی تشریح کی جس سے اس کا ذاتی نفع حاصل ہوتا تھا اسی طرح جماعتیں جماعتیں بن کر ایک دوسرے سے لڑ کر قانون بین الاقوامی میں ایسا اختلاف ڈال دیا کہ اب سیدھا راستہ نظر نہیں آتا اور سوسائٹی اب حیران بھٹک رہی ہے غضب اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے اس نے تمام دنیا کو بین الاقوامی قانون دیا اس کا بیان ہے کہ فھدی اللہ الذی الخ تو اسی بین الاقوامی قوانین کی اللہ تعالٰے نے ایمان والوں کو ہدایت کی یعنی ایسی کتاب اتاری جس میں وہ قوانین جن کی جہان کو ضرورت تھی موجود تھے تو انہوں نے اسی پر عمل کرنا شروع کیا اور یہی سیدھا راستہ ہے اور قومی راستہ اور خاص جماعتی راستہ بالکل غلط ہے۔ اس سے قوم آخر میں برباد ہو جاتی ہے کیونکہ ایک قوم جب اپنے نفع کی خاطر دوسری قوموں کو محکوم بناتی ہے اور دوسری قومیں آزاد رہنے کے لئے ایسی کوشش کرتی ہے کہ ان کی قومی حکومت

غرض اس جگہ نبی اور اس کتاب کی ضرورت بتادی اور مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ جب تم بھی اپنی کتاب میں اختلاف کر بیٹھو گے تو تم بھی برباد کر دیئے جاؤ گے اور ایسا ہی ہوا کہ شیعہ وسنی اور اس کے بعد ہر ایک جماعت نے اپنے اپنے فرقہ کے اپنی ذاتی اغراض کی بنا پر خود کتاب الٰہی کی غلط تفسیر کر کے کتاب الٰہی کو ایسا بنا دیا کہ ان کے سوائے سمجھدار کے جو بغیر مدد تفسیروں کے قرآن کا مطالعہ کرے اس کو تو پوری سمجھ آجاتی ہے) ایک زمزم آگاہ ہو۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑ لئے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

یہ بین الاقوامی قانون کہاں ایسا سہل کامیاب ہو سکتا ہے کہ فقط وعظ کر دیا اور لوگوں نے مان لیا قوموں میں شخصی اغراض اور قومی اغراض و منافع ایسے ہیں کہ اس قانونِ انٹرنیشنل سے ٹکراتے ہیں وہ مخالفت پر اتر آئیں گے تو تم کو ہر طرح تیار رہنا چاہیئے کیونکہ اسی بین الاقوامی قوانین کو کامیاب بنانے کے لئے پہلی امتوں پر اس قدر تکلیفیں آئیں کہ ان کے پائے استقلال لڑکھڑا گئے اور نبی اور ان کی امتیں حد سے زیادہ مایوس ہو گئے جب ان کی یہ حالت ہو گئی تو اللہ کی رحمت نے ان کو گھیرا تو اسی طرح تم بھی کام کرو غرض ان آیات میں نصب العین بتلایا گیا آج کل کے مسلمان اس آیت سے عبرت حاصل کریں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو کچھ خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے۔

اب جہاد کی تیاری ہے اور فوج کو مال کی ضرورت ہوتی ہے تو مسلمانوں کو بتلایا جاتا ہے کہ اشتراکیت مال کی اسپرٹ اپنے اندر پیدا کرو جس کو روپیہ پیسہ کی ضرورت ہو اس کو اپنے مال میں شریک سمجھو وفی اموالھم حق للسائل والمحروم غرض حکم ہوتا ہے کہ اپنے روپیہ پیسہ اپنے والدین الخ پر خرچ کرو اسی سے تم ان تمام کے دل میں گھر کر لو گے اور اسی طرح تم اپنے خاندان کے بڑے بن جاؤ گے اس سے جماعت اور جماعت سے سوسائٹی بن جائے گی اور ایک فوج تیار ہو جائے گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ ع

قرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

اب میدانِ جنگ کی تیاری کا حکم ہوتا ہے۔

آیت ۲۱۵ میں بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے پر روپیہ خرچ کرکے کس طرح جماعت بندی کرنی چاہیے جب جماعت تیار ہو جائے تو پھر انہیں میدانِ جنگ میں جانا فرض ہے وھو کرہ لکم یعنی میدانِ جنگ میں جانا تم کو ناپسند ہے جس طرح کہ اپنے مال میں دوسروں کو شریک بنانا ناپسند ہے تم چاہو کہ گھر میں مزے سے بیٹھو رہو اور اپنا مال خود کھاتے رہو تو اس سے بہت سے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے منجملہ ان کے یہ کہ یہ انٹرنیشنل تحریک خطرے میں پڑ جائے گی جس کے لئے تم نے لوگوں سے دشمنی خرید کی ہے وعسٰی ان تکرھوا الخ تم کہتے ہو کہ گھر میں بال بچوں میں سایہ دار درختوں کی چھاؤں میں آرام سے بیٹھیں رہیں مگر یاد رکھو کہ جنہم جو اس تحریکِ بین الاقوامی کا دشمن ہے سر پر آ رہا ہے اگر ڈٹ کر اس کا مقابلہ نہ کیا اور پیش قدمی کرکے اس پر حملہ آور نہ ہوئے تو تم کو اور تمہاری تحریک کو برباد کر دے گا اس لئے تمہیں لڑنے سے گھبرانا نہ چاہیے کیونکہ تمہاری زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے وعسٰی ان تحبوا الخ گھر میں بیکار بیٹھنے سے تمہاری اور تمہاری تحریکِ بین الاقوامی کی موت ہے۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ
مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ
يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ
مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک. اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قابل احترام چار مہینے ہیں ان میں لڑائی فساد کی ممانعت ہے اگر دشمن کوشش کرے کہ تمہیں حج سے روکے یا کفر کی دعوت دے یا بیت اللہ کی طرف آنے نہ دے یا بیت اللہ والے شہر سے لوگوں کو باہر نکال دے تو یہ باتیں حرمت والے مہینوں کے احترام سے بھی زیادہ خطرناک ہیں والفتنۃ اشد الخ قانون شکنی قتل سے زیادہ خطرناک ہے ولا یزالون الخ دشمن کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دے غرض ان مصلحتوں کے ماتحت مسلمانوں کو لڑنے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اجازت ہے اس لئے کہ دشمن اس بات سے فائدہ نہ اٹھالیں کہ مسلمان ان متبرک مہینوں میں نہیں لڑیں گے اس لئے ان پر ان مہینوں میں حملہ کیا جائے تو وہ لڑنے سے معذور ہیں دشمن فتح کرے گا غرض ان موقع سے کہیں دشمن ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اس لئے اس کی روک تھام کے لئے یہ قوانین بتلائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ کی رحمت و کامیابی کے امیدوار وہ ہیں جنہوں نے اس بین الاقوامی قانون پر یقین کر کے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے وطن چھوڑا اور اس کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن کوشش کی ان کی تمام غلطیاں معاف اور ان کے اعمال ہمیشہ ثمرہ لانے والے ہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ

قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدہ سے اور تجھ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو۔

جن چیزوں میں مضرت زیادہ ہو وہ نوعِ انسانی کی ترقی کے ہارج ہیں اور یہ امورِ جنگ میں مخالف ہیں اور جنگی آدمیوں کو ان کی استعمال ناجائز ہے اور نہ ان سے روپیہ پیسہ کمانا چاہیئے خمر اور میسر کے طریقہ سے قومی دولت برباد ہوتی ہے اور ایسے نالائق لوگوں کے ہاتھ میں جا پڑتی ہے جو اپنی ذاتی اغراض کے سوا کسی اور ترقی کو نہیں جانتے اور بین الاقوامی تحریک کو سخت مضرت رساں ہے ویسئلونک ماذا الخ یعنی جو ضرورت اور کفایت سے بڑھ کر ہو وہ تمام کا تمام جنگ پر خرچ کرو یعنی خمر اور میسر پر خرچ نہ کرو غرض قانون کی روح بتلا دی کہ جس چیز کے فائدے زیادہ ہیں اسے اختیار کرلو اور جس کے نقصان زیادہ ہیں اسے ترک کردو اب اس کے آگے تفصیلی احکام جو (باقی ہیں) منضبط کرنے چاہییں کذالک یبین اللہ ان احکام کے متعلق ہم نے ان آیات میں واضح طور بیان کردیا ہے تاکہ تم اس پر غور کرو اس جگہ بتلایا گیا کہ اپنی ضرورت کے لئے رکھ لو باقی رجس کا اندازہ مسلمانوں کی ایک کمیٹی مقرر کرے گی) اپنی حکومت کے حوالہ کردو اس سے سوشلسٹ پارٹی کا قانون مقرر ہوا) اور اسی طرح ہماری اشتراکیت یعنی قومی جماعت پیدا ہوگی جو حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے گی۔

حکومت کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا طریقہ ہمارے پیش نظر ہے کہ امام وہ ہوگا جس میں انتظامی قوت زیادہ ہو چونکہ اسلامی حکومت انقلابی تھی تو پارٹی کی حکومت ہوگی اور اساسی اصول منضبط

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا اور آخرت کی باتوں میں اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم کہدے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا۔ بے شک اللہ زبردست تدبیر والا۔

مجاہدین کو یقین دلایا جاتا ہے کہ اگر وہ جنگ میں شہید ہو گئے تو پس ماندگاں کے لئے کچھ خطرہ نہیں ہے کیونکہ مجاہد کو یقین ہے کہ حکومت میرے وارثوں کی نگران ہوگی اور حکومت قانونِ الٰہی کی پابند ہے اس کے تمام افراد کی یہ حالت ہے کہ ضرورت سے زائد روپیہ اپنی حکومت کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ یتامیٰ اور دیگر مستحقین لوگوں کی نگہداشت اور پرورش کیجا سکے

غرض ان حالات کے ماتحت مجاہدین کو کسی قسم کا خطرہ نہیں کہ اس کے بعد اس کے بچوں وغیرہ کی تربیت و پرورش کس طرح ہوگی وہ جانتا ہے کہ یہ قوم کا مال ہے اور قوم اس کے تمام ضروریات بہم پہنچائے گی

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ
وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کرو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاوہ نصیحت قبول کریں۔

پہلے فوج کی تیاری کے متعلق بتلایا اس کے بعد حج کی شکل میں ان کو فوجی تربیت دی گئی تربیت دینے کے بعد فوج میدانِ جنگ میں لائی گئی فتح پانے کے بعد لازماً حکومت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس کے متعلق پہلے خانگی زندگی کے حالات بتلائے جاتے ہیں انسان شادی کرتا ہے میاں بیوی ہے ان سے پھر اولاد ہے نوکری کرنا ماہوار آمدنی ہو۔ اور پھر بجٹ کی صورت میں آمدنی کی مد میں خرچ نکالا جاتا ہے کچھ پس انداز کیا جاتا ہے ہمسایوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جاتے ہیں جن میں سے کچھ تو شرفا ہیں کچھ متوسط اور مفسد درجہ کے لوگ بھی ہیں ان سب کے ساتھ انسانوں کو ان کی حیثیت کے مطابق سلوک رکھا جاتا ہے اپنے محلے کے سب شہر والوں سے تعلقات قائم رکھے جاتے ہیں غرض جس طرح حکومت میں بجٹ تیار ہوتا ہے اور دوسرے ملکوں سے تعلقات رکھنے پڑتے ہیں اپنے اقربا اور ملازمین سے برتاؤ کرنے پڑتے ہیں بعینہ خانگی زندگی کی کیفیت ہے اسلام دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ لوگوں کو جوگی یا راہب

بنا کر دنیا و ما فیہا سے الگ کسی جنگل یا پہاڑ کے گوشہ میں ہمیں زندگی بسر کرنا سکھلائے بلکہ وہ تو دنیا و دین دونوں کے اصول ہمیں بتلاتا ہے خود قرنِ اولیٰ کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

اب معلوم ہوگا کہ قرآنِ حکیم کی آیات بے ربط نہیں ہے بلکہ ایک کے ساتھ دوسری کا گہرا تعلق ہے اس آیت میں حکم دیا جاتا ہے کہ ایک گھر میں بہت سے مذاہب (خواہش) جمع نہ کئے جائیں کیونکہ اس طریقہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اولٰئک یدعون الخ اور اسی سے ایسے نتائج پیدا ہوں گے جن کا نتیجہ تمہارے لئے برا ہوگا وہ تمہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہوں گے ویبین ایتہ الخ یعنی اس میں صاف احکام ہیں فکر کرنے والوں کے لئے اہلِ دانش جو تدبیر و خوض کے عادی ہیں وہ اس آیت سے اندازہ لگا سکیں گے کہ اس میں جو گھریلو زندگی کے واقعات بتلائے جا رہے ہیں اس سے ہم کس طرف جا رہے ہیں۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان عورت ہر ایک مسلمان مرد حاکم ہونا چاہیئے۔ اور مردِ مسلمان کا وزیر (بیوی) بھی مسلمان ہونا چاہیئے۔ ترکی نے پچھلے اور موجودہ صدی کے شروع تک جوار مینیا۔ اسٹریا اور فرانس وغیرہ کی عورتوں سے شادیاں کیں اس کے نتائج ترک اچھی طرح بھگت رہے ہیں غرض مسلمان مرد ہو یا عورت کسی غیرِ مسلم حاکم کے ماتحت نہیں رہ سکتا (عورت کا حاکم اس کا مرد ہے اور مرد کا حاکم اس کی قومی حکومت ہے)۔

اس آیت میں مسلمان اور مشرک کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں طاقتیں ہیں جیسے نیکی اور بدی اور ان دونوں کا اتحاد اور مفاد مشترک نہیں ہو سکتا آج کل کی سوسائٹی کی مثال لیجئے ایک دوسرے سے بھی شادی نہیں کرے گا غرض مسلمان جہاں بھی ہو کسی حالت میں بھی ہو کسی غیرِ مسلم کے ماتحت نہیں رہ سکتا اس کا ایمان ہے کہ وہ آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد اسلامی حکومت کے ماتحت ہو جو قوانینِ الٰہی پر مشتمل ہو اس کے ماتحت وہ رہ سکتا ہے مسلمان فیڈریشن اسکیم اسی لئے تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں انہیں کی حکومت ہوگی۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○

اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا کہدے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہو دیں پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ

نے بے شک اللہ کو پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے۔

بنیادی اصول بتلا دیئے گئے ہیں کہ حیض کی حالت میں عورت کے نزدیک مت جاؤ جب تک کہ پاک وصاف نہ ہو جائے اور تفصیلی کیفیات یعنی بائی لاز کے متعلق لوگوں کی عقل پر چھوڑ دیا گیا۔

قرآن حکیم اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ قانون کی آخری حد انسان کے آگے پیش کر دی جائے بلکہ وہ بنیادی اصول بتلا کر تفصیل کے متعلق ہر ایک آدمی کو اس کی طبیعت اور حوصلہ پر چھوڑ دیا ہے مثلاً ان سے یہ نہیں بتلایا کہ حیض سے صاف ہونے کے بعد کب تک یا کتنے دفعہ عورت کے پاس جائے یہ انسان کی اپنی طبیعت

قوموں کے زوال کے زمانہ میں انسان کی عقل گم ہو جاتی ہے اور خلاف قاعدہ ہر ایک بات کے متعلق وہ قانون کی انتہا دریافت کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دریافت کرنے سے منع فرمایا ہے حکم ہوتا ہے کہ جس قدر تمہیں ضرورت ہوگی اس قدر بتلا دیا جائے گا اس کے آگے تفصیلی کیفیات تم خود سوچ لیا کرو ورنہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم تھا مگر انہوں نے جرح وقدح کر کے قانون کی انتہا لینی چاہی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آسان سی بات کے لئے ان کو کس قدر پریشان ہونا پڑا لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بنیادی اصول ضروری دیئے جائیں گے ورنہ انانیت کے پھیلنے کا خطرہ ہے کس بنیاد پر مکان تعمیر کرنا نہایت آسان ہے اس لئے کہ بنیادیں کھودی ہوئی ہیں اور نقشہ تیار شدہ موجود ہے بنیادی اصول کا ہونا نہایت ضروری ہے اور اس کے بعد بائی لاز وقت کے بموجب انسان خود بنا سکتا ہے مثلاً ایک حکیم نے کسی کو گنے کا رس چوسنے کے لئے تجویز کیا حکیم نے تو اصلی بات بتلا دی اب مریض کی اپنی غور و سمجھ کا کام ہے کہ خواہ گنے کا رس گنڈیریوں کے ذریعہ یا کسی اور ترکیب سے چوسے۔ فان تطهرن الخ خداوند تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش ایسی کی ہے کہ اکثر اوقات وہ زمین میں کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتا تو حکمت الٰہی کا مقتضا یہی ہے کہ نوع انسانی باقی رہے بلکہ بکثرت آدمی دنیا میں پھیلیں اس لئے ان سے توالد و تناسل سے قوی آدمی ہی پیدا کئے اور نسل کی رغبتیں اس میں پیدا کر دیں اور خواہش نفسانی کو اس پر غالب کر دیا تاکہ اس کی وجہ سے وہ کام پورا ہو جائے جس کو اس کی کامل حکمت نے ضروری قرار دیا ہے جب خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس راز سے مطلع کیا اور اصلی حالت آپ پر منکشف ہوگئی اس واسطے مناسب ہوا کہ آپ ان امور کو منع کریں جس سے قطع نسل ہوتی ہے یا ان سے وہ قوتیں معطل ہو جاتی ہیں جو نسل کا باعث ہوتی ہیں یا وہ قوتیں بے موقع امور کی جانب مائل ہوتی ہوں یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے، لواطت اور حیض سے یعنی عورت کا عورت سے ان تمام باتوں سے سختی سے منع کر دیا اور عزل کو مکروہ قرار دیا۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

اب بتلایا کہ عورتیں جب پاک ہو جائیں تو ان کے نزدیک جاؤ اس لئے کہ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ قرآن حکیم نے انسان کی دنیاوی و روحانی زندگی کے لئے اس قسم کے مہذب الفاظ میں ہدایت جاری کی ہے کہ تمام دنیا کے مذاہب اس خوبی سے قاصر ہیں قرآن حکیم کا یہ معجزہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا جن کے شعراء میاں بیوی کے تعلقات کو نہایت گندے اور فحش اور غیر مہذب الفاظ میں بیان کرنا فخر سمجھتے تھے مگر قرآن حکیم کی ہدایت کی پاکیزگی کا دنیا کی کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی اس کے متعلق دنیا کی دیگر کتب مثلاً انجیل زبور تورات شاستر اور ستیارتھ پرکاش کی زبان سے مقابلہ کرنے سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ عورت کو کھیتی اس لئے کہا جا رہا ہے کہ عورت کی ذات ہے جو بچہ کی پرورش کرتی ہے اور اسی کے ذریعہ انسان کا چال چلن ڈالا جاتا ہے اور اسی سے بتلایا جاتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے لئے نہیں ہیں پودے کا بڑھنا زمین کی خوبی پر منحصر ہے اس طرح ماں جو زمین کی مانند ہے اس پر انسان کی پرورش اور اس کے چال چلن کے ڈھلنے کا دار و مدار ہے۔ وقدموا لانفسکم الخ اولاد پیدا کر کے اپنے لئے آگے بھیجو یعنی جس تحریک کو تم آگے چلانا چاہتے ہو اس کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی اولاد کو تیار کرو اور ان میں آگے بڑھنے کی استعداد پیدا کرو وہ قانون کے اندازہ کو ترقی کریں گے اس طرح اپنی اولاد کی تربیت کرو غرض یہ سلسلہ تربیت ابتداً تمہاری عورتوں کے پاس ہوگا اور پھر تمہارے ہاتھ آئیگا اول اس کی ذمہ داری عورتوں پر پھر مردوں پر ہوگی تو اس لفظ اور جملہ میں بتایا گیا کہ تمہاری ترقی اور تمہاری بین الاقوامی کی ترقی تمہاری اولاد کرے گی بشرطیکہ ان کو ایسی تربیت دو کہ وہ مقدمۃ الجیش کا کام دے لیکن اگر اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا تو مسلمان دنیا میں بڑی ترقی کر جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے پاس جانے کی مدعا شہوت رانی نہیں ہے واتقوا اللہ لوگوں میں عدالت و انصاف قائم کرو۔ واعلموا اب جو شخص قانون کی پابندی کرتا ہے وہ اللہ سے مل کر خوش ہوگا اس لئے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے بین الاقوامی قانون کا پابند رہا و بشر المؤمنین جو بین الاقوامی قانون کو آگے بڑھا رہے ہیں ان کو بشارت دو اور ان کی ہمت بڑھاؤ اور ان لوگوں نے جتنا کام کیا ہے اس قدر اچھے نتیجے جو نکلتے آئے ہیں ان کو سمجھا دو یہ معنی ہیں بشارت کے یعنی ان کو بشارت دو کہ عنقریب ان کو حکومت ملے گی۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

اور اللہ کے نام کو نیکی کے روکنے کے لئے استعمال نہ کرو مثلاً ایک شخص ذکر الٰہی بیٹھ کر تمام اچھے کاموں سے خود بھی رک جاتا ہے اور لوگوں کو بھی سمجھاتا ہے کہ اللہ کا نام یاد کرو اور کام چھوڑ دو یعنی انسانی سوسائٹی میں اصلاح کرنا اگر چھوڑ دیا جائے تو پھر تمام اجتماع خراب ہو جائے گا اصل میں خدا کی یاد کرنا ہے کہ سوسائٹی میں نیکی کی روح پیدا کرنی چاہیئے اور عدالت و تقویٰ کی روح انسانوں میں پیدا ہو اور ان کے روزمرہ کے جھگڑوں سے ان کو خلاص کیا جائے تاکہ اجتماع اچھے معنوں میں پیدا ہو جائے مگر یہ شخص اللہ تعالٰے کے نام کو اس کے روکنے پر استعمال کرتا ہے اور اصول سوسائٹی یہ ہیں (۱) نیکی کی روح جماعت میں پیدا کرنا یہ ہیں بر کے معنی (۲) لوگوں میں تقویٰ کی روح پیدا کرنا یعنی عدالت و انصاف اللہ تعالٰے کے نام سے پیدا کریں (۳) انسانوں میں صلح و صفائی کا مادہ پیدا کرنا۔

بنیادی اصول سوسائٹی بنانے کے بتلا دیئے ہیں اور تفصیلات کہ کس مواقع پر ان اصولوں پر عمل درآمد کرنا چاہیئے اسے انسانوں کی فہم و فراست پر چھوڑ دیا اس لئے کہ مصلحت وقت کے اقتضاء سے جو صورت مناسب ہو گی اس طرح پر انسان اس پر کاربند ہو گا۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: نہیں پکڑتا تم کو اللہ بیہودہ قسموں پر تمہاری لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔

قسم یعنی شخصی قانون یعنی جو آدمی اپنے متعلق قانون تجویز کرے وہ قانون جماعت کے لئے نہیں بلکہ شخصی قانون ہے یا ایک ملک کے لوگ اپنے لئے کوئی قانون بناتے ہیں تو یہ بھی قسم کے درجہ کا ہے جب تک دوسرے ملکوں کو اس پر مجبور نہ کرے اگر اس پر مجبور کیا تو چونکہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کا نہ تھا اس لئے اس پر دوسروں کو مجبور

کرنا گناہ میں داخل ہوگا خدائی قانون وہ ہوتا ہے جو اقوام عالم کے لئے بنایا جاتا ہے اب یہ قانون قسم کے درجہ پر دو قسم کے ہیں ایک لغو۔ دوسرا اپنی عزیمت سے تیار کر کے چلنا اس آیت میں دونوں قانون کا حکم بتا دیا گیا۔

غرض انسان ایک قانون بنانا چاہتا ہے وہ اس کے متعلق سوچتا ہے مگر بعد میں اندازہ لگاتا ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے اس کے بعد وہ ایک اور طریقہ سوچتا ہے مگر اسے وہ بھی نامناسب دکھلائی دیتا ہے آخر ایک اور طریقہ سوچتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کرتا ہے اب جو انسان اس قدر سوچ سمجھ کر ایک راستہ اختیار کیا ہے اگر اس پر چلنے میں غلطی کرتا ہے اور اس بنائے طریقہ کو بلا وجہ چھوڑتا ہے تو خطا کار ہے اس کو گرفت ہوگی اس لئے کہ انسان کو قانون بنانے کے لئے بنیادی اصول بتلا دیئے گئے ہیں تو اس بنیادی اصول کے ماتحت (یعنی اس کے مخالف نہ ہو) اس نے اپنے لئے ایک راستہ نکالا تھا جیسے ایک انجنیئر ہے اسے مکان کا نقشہ تیار کر کے حکم دیا گیا کہ اس نقشہ کے مطابق ایک عمارت تیار نہ کرے تو وہ مجرم ہے ہاں جو چیز غلطی سے ہو گئی یا کوئی بات بلا ارادہ زبان سے نکل جائے تو اس کے متعلق انسان کو گرفت نہیں ہے جو بات وہ سوچ سمجھ کر کرے اور اسے غلط

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾

جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قسم یعنی شخصی قانون۔ میاں بیوی دونوں ایک جگہ رہتے ہیں میاں میں روزی کمانے کی طاقت اور قابلیت ہے اور بیوی میں بچوں کی تربیت کا سلیقہ ہے غرض ان دونوں کے اتفاق سے گھر کی حکومت چلتی ہے خاوند چونکہ مشقت کا کام کر سکتا ہے اس لئے اسے بیوی پر کچھ تفوق حاصل ہے ورنہ رتبہ میں دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں اس لئے وہ دونوں محبت و الفت و صلح سے رہتے ہیں۔

غرض اس مثال سے حکومت کے متعلق سمجھایا جا رہا ہے کہ تمام آدمی ایک ہی رتبہ کے ہیں مگر نظام عالم کے چلانے کے لئے ایک سمجھدار آدمی اپنا سردار یا امام تسلیم کر لیا جاتا ہے جس طرح خانگی زندگی میں میاں بیوی اور بچے وغیرہ سب مساویانہ حیثیت اور پیار و محبت سے رہتے ہیں اسی طرح حکومت کے متعلق بھی ان کو حکم ہے کہ کوئی کام کریں تو اس کے صلاح مشورہ سے کریں غرض اسی لئے اسلام کے آغاز میں مجلس شوریٰ منعقد کی گئی تھی یہ نہیں کہ حاکم نے جس طرح چاہا کسی کے مشورہ بغیر اسے سرانجام دیا بلکہ اس کے لئے مجلس شوریٰ سے صلاح و

اب اگر میاں بیوی میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے یا اختلاف ہو جائے اور میاں اپنے لئے ایک شخصی قانون بنالے یعنی قسم کھائے کہ میں بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا خواہ وہ کتنا ہی عرصہ دراز کے لئے کھائے مگر اسے ایک حد کے اندر رہنے کا حکم دیا گیا ہے (موجودہ صورت میں چار ماہ کی قید لگی گئی ہے) اس کے بعد بھی اگر اختلاف رکھتا ہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ یا تو رجوع کرے یا بیوی کو الگ کرے، غرض اسی طرح حکومت کے بارہ میں کہ اگر حاکم کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتا ہے تو اسے یا تو قوم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے یا استعفار دے کر الگ ہو جائے حاکم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ غاصبانہ احکام یا اس قسم کے اور قوانین جاری کرے اسے کچھ مدت دی جائے گی تاکہ اس عرصہ میں یا تو وہ اصلاح کرے ورنہ استعفار

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

اور اگر ٹھہرالیا چھوڑ دینے کو تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

یعنی اگر اصلاح نہ کرے تو اسے الگ ہو جانا چاہیئے یعنی استعفیٰ دے دینا چاہیئے (طلاق کے مزید احکام سورۃ وہ حاکم ہے کہ اس نے دور اندیشی کی بات سوچی ہے مگر مصلحتِ وقت نہیں کہ اسے آشکارا کیا جائے اس کے لئے حکم ہے کہ وہ اس کے لئے رعایا کو کچھ وقفہ دے یعنی جیسے طلاق کے لئے کچھ وقفہ دیا گیا ہے یہ نہیں کہ اس قدر ہو یہ خانہ داری کا معاملہ اس کو مثلاً سو میں ضرب دو یہی طریقہ آج کل اسمبلی یا پارلیمنٹ یا کسی دوسری مجلس شوریٰ میں رائج ہے مثلاً گورنمنٹ کوئی خاص راز کی بات کرتی ہے مگر چند اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ عوام پر اظہار نہیں کئے جاتے اگر کوئی ممبر اس کے متعلق اپنی پارلیمنٹ میں اس مسئلہ کے متعلق سوال کر کے دریافت کرتا ہے تو گورنمنٹ ہمیشہ یہی جواب دیتی ہے کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ عرصہ کے بعد بحث کرنے کی اجازت دی جائے گی اگر اس وقفہ کے بعد گورنمنٹ رعایا کو مطمئن کر سکے تو فبہا ورنہ اسے حکومت سے دستبردار ہونا پڑے گا اور اس کے بجائے

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے آخر کا ترجمہ شروع کیا جائے تاکہ مطلب واضح ہو جائے ولھن مثل الذی علیھن اور ان کو منصفانہ طریقہ پر ایک دوسرے کے خلاف مساوی حقوق ہیں یعنی مرد اور عورت کے لئے خانہ داری کے متعلق یعنی داخلی امور میں دونوں مساویانہ حقوق ہیں وللرجال اور مردوں کا درجہ تھوڑا سا بلند ہے یعنی خارجی امور میں مرد کو تھوڑا سا تفوق ہے۔

اس آیت کی اب حکومت کے متعلق تفسیر کیجئے لوگوں نے اس کے صلاح و مشورہ سے ایک بہترین آدمی کا انتخاب کیا داخلی معاملات میں ان تمام کے حقوق مساوی ہیں مگر حاکم کو حاکمانہ طریقہ پر تھوڑا سا تفوق ہوگا کہ وہ خارجی پالیسی میں ان سے ذرا سا بلند درجہ رکھے گا حاکم صلاح مشورہ کے لئے ہر ایک آدمی کا دست نگر ہوگا اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے اور حاکم الگ ہو جائے تو حاکم کو ایک وقفہ تک نظر ثانی کی اجازت ہے اس لئے کہ اگر یہ اسی طرح الگ ہو گئے تو ان کا گھر یعنی قومی (یعنی ملا کر دی) حکومت بہت جلدی تباہ ہو جائے گی اور ان کی ہوا اکھڑ جائیگی اگر دونوں فریق ملنا چاہیں تو ان کو اجازت ہے کہ وہ آپس میں صلح و آشتی سے دوبارہ متحد ہو جائیں اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ میاں بیوی کا تعلق قابل انقطاع ہے یعنی دونوں تباہی سے بچنے کی خاطر ایک دوسرے سے الگ ہو سکتے ہیں ہندوؤں یا دوسرے مذاہب کی مانند غیر قابل انقطاع نہیں بعینہٖ حکومت کا یہی حال ہے کہ اگر حاکم نا قابل ہو تو اسے منصب سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے اور اس کا حق موروثی نہ سمجھا جائے بلکہ اسے بھی اسی طرح قابل انقطاع تصور کیا جائے اسلام میں امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے اس قانون شکنی کی کہ اپنے بیٹے یزید کے لئے اپنی زندگی میں بیعت لی مسلمانوں نے اس وقت اس پر اعتراض کیا تو امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت پر عمل کر رہا ہوں صحابہؓ نے جواب دیا نہیں قیصر و کسریٰ کے طریقہ پر یعنی ابو بکرؓ نے اپنے لڑکے کو وارث قرار نہیں دیا بلکہ وفات کے قریب لوگوں کو حضرت عمرؓ کے متعلق مشورہ دیا اسی طرح عمرؓ نے شہادت کے وقت چھ اصحاب کے نام تجویز کئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک منتخب کر لینا آپ نے لوگوں کو ایک مخلصانہ مشورہ دیا تھا حکم کے طور پر نہیں کہا تھا لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا کہ اسے مانیں یا انکار کریں حضرت عمرؓ کا مقصود یہ تھا کہ خلافت کے متعلق ان کے بعد بہترین انتخاب ہو،

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک جوان لڑکی اس کا باپ اس کے لئے بہت محنت اور تلاش کے بعد ایک خاوند کا انتخاب
کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی لڑکی کو اس سے شادی کرنے کا مشورہ دیتا ہے اب لڑکی کی مرضی پر ہے خواہ اس سے
شادی کرے یا انکار کر دے اس کے باپ نے تو مخلصانہ مشورہ دے دیا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ
لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا
حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ
لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

طلاق رجعی ہے دو بار تک اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے
لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جب کہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا پھر اگر تم
لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ
دے کر چھوٹ جاوے یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی
ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت
اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا پھر اگر طلاق دے دے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان
دونوں پر کہ پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان

فرماتا ہے واسطے جاننے والوں کے

ان آیات میں اسلام نے مرد کو اختیار دیا ہے کہ اگر میاں بیوی کا آپس میں ملاپ نہ ہو سکے تو مرد چند حالتوں کے اندر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے عورت کو چونکہ مرد سے مساویانہ حقوق اسلام نے دیئے ہیں اسے بھی مرد کی مانند اختیار دیا گیا ہے کہ جو کچھ اس نے مرد سے حاصل کیا ہے اسے واپس دے کر طلاق حاصل کرے۔

آج کل شوشلسٹ پارٹی نے بہت چھان بین کے بعد تحقیق کیا ہے کہ اقتصادی ضرورت کے تحت جو رشتہ ہوگا وہ دیرپا ثابت ہوگا اس کے علاوہ جو رشتے ہوں گے وہ بہت کم مدت تک قائم رہیں گے اسلام نے اسی طرح اقتصادی اصول کے ماتحت میاں بیوی کا ملاپ کیا ہے یعنی مرد کو عورت کی خوراک وغیرہ کا متکفل بنایا اور عورت کو مرد کے بچوں کی تربیت اور انتظام خانہ داری کا ذمہ دار قرار دیا ہے اسلام نے اسی لئے وراثت میں مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ تجویز کیا اس لئے کہ عورت ایک حصہ تو اپنے باپ کی طرف سے وصول کرے گی اور اس کی ضروریات کا متکفل اس کا خاوند ہوگا۔ یورپ میں آج کل شادی کے متعلق ایک طوفانِ بے تمیزی برپا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ عورتیں اقتصادی حالت میں مردوں کی محتاج نہیں بلکہ دونوں اپنی روزی الگ پیدا کرتے ہیں اس لئے دونوں ایک دوسرے کی سخت بات کو سننا بھی برداشت نہیں کر سکتے بات بات پر جھگڑا ہے غرض ان دونوں کا ملاپ کسی دائمی طریقہ پر نہیں ہے بلکہ عارضی طریقہ پر ہے جیسے ریل یا کسی سفر میں ملاقات ہوگئی۔

مرد پر چونکہ اقتصادی بوجھ ہے اس لئے اسے لازمی طور پر کچھ فوقیت دی گئی اس سے نتیجہ نکلا کہ ٹیکس دہندگان مجلس میں اپنی رائے دینے کا حق رکھتے ہیں۔

غرض ان آیات میں بتلایا گیا کہ میاں بیوی کے اوپر ایک تیسری طاقت بھی ہونی چاہیئے جو ان دونوں کے خاندان سے ہو اگر میاں بیوی میں کسی بات میں شکر رنجی بھی ہو جائے تو یہ تیسری طاقت ان دونوں کے درمیان صلح وصفائی کرنے کی کوشش کرے اگر تیسری طاقت دیکھے کہ میاں بیوی کی طبیعتیں مختلف الخیال ہیں تو ان کے درمیان اگر ان میں یا تو صلح وصفائی کرادے ورنہ ان کو امن کے ساتھ ایک دوسرے سے علیحدہ کرا دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے باغ واپس کرا کر اس کو طلاق دلوا دی تھی۔

اسی طرح امیر المؤمنین علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائی میں مسلمانوں کی ایک طاقت بالکل غیر جانب دار ہے اور ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی یہی دستور آج کل بھی رائج ہے کہ جب دو طاقتیں آپس میں بھڑ جاتی ہیں تو ان کی تیسری طاقت (یعنی ان کی پارلیمنٹ بحث ومباحثہ کے بعد) صلح کرا دیتی ہے غرض میاں بیوی کے تعلقات (حکومت کی پہلی منزل) میں بتلایا جارہا ہے کہ اگر دو طاقتیں آپس میں جھگڑ بیٹھیں تو ان کی تیسری

طاقت بیچ میں آکر ان کو سمجھا کر راضی کرے اس تیسری طاقت کی عدم موجودگی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ دونوں طاقتیں تباہ و برباد ہوجائیں گی مثلاً اگر آج ایک نے فتح حاصل کی تو کل دوسرا غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں آہستہ آہستہ بالکل تباہ ہوجائیں گے اور کوئی غیر طاقت ان پر حکمران ہوجائے گی۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّ
اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ
يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا ع ۲۹ ۱۳
طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرح سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو اور جو ایسا کرے گا وہ بے شک اپنا ہی نقصان کرے گا اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جب کہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے

ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

عورت و مرد طلاق کے بعد بھی دوبارہ شادی کر سکتے ہیں یعنی امیر یا حاکم ایسا قانون بناتے ہیں کہ مطلقہ عورت کو دوبارہ شادی کرنے سے منع کرتے ہیں یا کوئی عورت مطلقہ اگر اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ شادی کرنا چاہے اور رشتہ دار اس میں رکاوٹیں ڈالیں اس کے متعلق منع کیا گیا غرض اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ عورت کو اختیارات و حقوق دیئے گئے ہیں ان کو مت کچلو یا دوسرے لفظوں میں حکومت کے معاملات میں حاکم کو اختیارات دیئے گئے ہیں مگر ایک حد کے اندر یعنی حاکم کو اندھا دھند اختیارات نہیں دیئے گئے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ
الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا
تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ
بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ
مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَ
كُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٣﴾

اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جائے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ حوالہ کر دو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور

جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے

بعد الطلاق معنی الآیۃ ظاہر یعنی حکومت میں جو قوانین مرتب کئے جائیں وہ اس قدر سخت نہ ہوں کہ لوگ اس پر عمل ہی نہ کر سکیں بلکہ لوگوں کی طاقت کے مطابق قوانین مرتب کرنے چاہییں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۲۳۴ وَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ

اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح (منگنی) ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہہ دو کوئی بات رواج شریعت کے موافق۔ (منگنی)

عورت کو خاوند کے مرنے کے بعد مکمل آزادی دی گئی ہے کہ وہ جہاں چاہے شادی کرے اگر اسے رد کا گیا تو ممکن ہے کہ اس کا چال چلن بگڑ جائے یعنی قانون بناتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ

خلافِ فطرت قانون نہ بنائے جائیں

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
حَلِيْمٌ ۲۳۵ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ

تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى
الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَ
إِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ
بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے۔ کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگذر کریں عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگذر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے۔

اس میں قانون کا احترام کرنا سکھایا جا رہا ہے جب کوئی چیز کسی قانونی شکل میں آ جائے تو اس کی عزت آ گے سے (کم از کم) دگنی ہو جائے گی مثلاً کسی آدمی کے کسی عورت سے ناجائز تعلق سے جو بچہ پیدا ہو گا اسے ہر ایک حرامی کہے گا اور اگر مرد و عورت کی باقاعدہ شادی سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ نہ صرف تمام خاندان میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا بلکہ باپ کے بعد اس کا جائز وارث اور جانشین قرار دیا جائے گا۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾

خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔

غرض ادب سے کھڑا ہونا سکھایا جا رہا ہے اگلی آیت میں چل کر بتلایا جاتا ہے کہ طلاق کے مسائل میں نماز کی آیتیں

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ
مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے ۔

خوف کی حالت میں ادب سے کھڑے ہونے سے معاف کر دیا گیا ہے اس کے آگے پھر طلاق کی آیات ہیں ان میں بتلایا گیا ہے کہ جس طرح تم پر نماز کی پابندی ضروری ہے اسی طرح ان آیات کے احکام کی پابندی یعنی فرض ہے یہ مت سمجھو کہ نماز وغیرہ تو دینی اور حکومت وغیرہ دنیاوی کام ہے جس طرح تم پر دین مقدم ہے اسی طرح دنیا یعنی حکومت بھی از بس ضروری ہے ۔

غرض نماز کی مانند اس قانون حکومت پر عمل کرنا فرض ہے نماز امن کی حالت میں پوری پڑھی جاتی ہے اور خوف کی حالت میں چند رعائتیں جائز قرار دی گئی اسی طرح امن کی حالت میں قانون کی پابندی فرض ہے ہاں حالتِ خوف میں رعایت ادنیٰ درجہ پر ہے مگر جب امن کی حالت عود کر آئے تو پھر امن کی حالت کے قوانین پر عمل کرنا فرض ہے امن کی حالت میں ملک ہی سول قانون ہوتی ہے مگر خطرہ کی حالت میں مارشل لا یعنی فوجی قانون نافذ کر دیا جاتا ہے اسی طرح جب امن کی حالت نہ رہے یعنی کفار غلبہ کر لیں تو قانون پر مکمل طور پر عمل کرنا معاف ہے ۔ مگر قانونی روح پر عمل کرنا چاہیئے ۔

اب عورتوں کے حقوق کی آیات ختم ہوئیں ۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ
مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا
فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ
مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾

اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں

وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدے کے موافق لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

یہ احکام احسان کے درجہ کے ہیں یعنی مردوں کی طرف سے عورتوں پر زائد احسان کرنا۔ جس قدر بیوہ عورت کو اپنی آئندہ زندگی کے مشکلات پیش نظر آرہے ہیں اسی تمدنی حالت میں بڑا خطرناک زمانہ ہے تو مردوں کو چاہیئے کہ اپنی عورت کے لئے کچھ وصیت کریں تاکہ اس کا دل کچھ تسکین کرے اور اسی طرح مطلقات پر احسان کریں۔

اب اس سے حکومت کا مسئلہ اس طرح استنباط ہوسکتا ہے کہ حاکم کو کمزور پارٹی پر ان کے حقوق سے زائد احسان کرنا چاہیئے تاکہ وہ شکستہ خاطر نہ ہوں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۳۱ ع ۷ ۱۵

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو۔

ایک چھوٹی سی عملی زندگی یعنی گھریلو زندگی کے قوانین بنا کر بتلایا گیا کہ قانون کی روح تمہیں سمجھا دی گئی ہے اب تم اپنے واسطے کوئی قانون بناؤ تو اس میں یہ روح قائم رہے۔

اس فصل میں ملک داری کی تیاری ختم ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

دشمن کا غلبہ ہے اور موت کا یقین ہے تو اس کا نام "جہاد" اور "بیعت علی الموت" ہے اور اگر برابر کا معاملہ ہے تو "قتال" ہے۔ اس جماعت پر دشمن کا غلبہ ہوگیا اگر جنگ کرتے ہیں تو مرتے ہیں اس لئے بھاگ نکلے مگر اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ جنگ میں مر جاؤ ذلیل زندگی سے عزت کی موت اچھی ہے تو موت کی جنگ انہوں نے کی اللہ تعالٰی نے ان کو فتح دی اور یہ جماعت زندہ قوم ہوگئی اللہ تعالٰی کے احکام میں بڑی حکمت ہے ولکن اکثر الخ۔ شکر کے معنی ہیں دی ہوئی چیز کی قدر کرنی۔ دی ہوئی طاقت کو کام میں لانا اور اگر حکم ملے تو کام کرنا یہ شکر ہے مگر اکثر

لوگ بات کی تہہ کو نہیں پہونچتے اور مرنے پر دل نہیں رکھتے ورنہ موت میں حیات ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بے شک خوب سنتا جانتا ہے۔

اگر تم کو حیات کی طلب ہے تو جنگ کرو اس سے زندہ قوموں میں شمار ہوگی غرض ان دونوں آیات کا یہ مطلب ہے کہ جب تم جنگ کے لیے روانہ ہو تو موت کے خیال کو دل سے نکال دو مقابلہ کے لئے جان فشانی دکھلاؤ اگر بالفرض تم جنگ میں شہید بھی ہو جاؤ تو شہادت کو موت مت سمجھو بلکہ اسے حیات سمجھو مرنے سے موجودہ زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا بلکہ نئی زندگی کا دور شروع ہوتا ہے جب تک تم موت کا ڈر اپنے دل سے نہ نکال لو تب تک قاتلوا فی سبیل اللہ میں جو حکم ہے تمہیں اس پر یقین نہیں آ سکتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بار موت پر بیعت ہوئی اور قتال موت ہوا یعنی صحابہ اپنی حیات سے ہاتھ دھو کر لڑے دونوں بار فتح ہوئی پہلا واقعہ بدر کا ہے دوسرا احزاب کا ہے حدیبیہ میں بھی بیعت علی الموت ہوئی جس سے قریش نے ڈر کر صلح کر لی تھی۔ غرض حکومت میں لڑنے والی جماعت یعنی فوج کا ایک شعبہ ہونا چاہیے یہ مقصود ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ کا۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

جنگ میں روپیہ پیسہ کی بہت ضرورت ہے تو اس کا حکم شروع ہوتا ہے جنگ سے اول مخالف حکومت کی رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں کر لینے چاہیئے اور ان کی غریب و امیر رعایا کو اپنے احسان سے قید کر لینا چاہیئے یہ ہے قرض حسنہ اور جنگ جب جاری ہو جائے یا اس کی تیاری میں خرچہ کرنا ہے انفاق فی سبیل اللہ اور اپنی قومی اندرونی نظام میں خرچہ کرنا یہ ہے زکوٰۃ یعنی کسی گروہ کے پاس اگر ضرورت سے زائد روپیہ ہے تو اسے چاہیئے کہ اس روپیہ کو قومی و ملی حکومت کو بطور قرض حسنہ دے تاکہ قومی حکومت اسے ملکی مفاد میں خرچ کرے مہذب حکومتوں میں یہی دستور رائج الوقت ہے۔

وقف لازم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَاءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ

لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ

إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسٰی کے بعد جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو وہ بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو۔

یعنی لڑائی کی آرزو کرتے ہو مگر خیال رکھو کہ جنگ کرنا ایک عظیم الشان کام ہے جب اس کا حکم دیا جائے گا تو بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ اب علمی طور پر ایک واقعہ (لبعد بنی علیہ السلام کا) بتلایا جاتا ہے کہ کس طرح ایک قوم کو جنگ کی اجازت دی گئی مگر ان میں سے بہتوں نے ہمت ہار دی، آخر اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والے کامیاب ہوئے۔

موسٰی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا ایک مدت تک کام بنا رہا مگر جب وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے تو ان پر غنیم مسلط کیا گیا ان کے پاس ایک صندوق تھا جس میں ان کے تبرکات تھے اور لڑنے کے وقت ان کو آگے رکھ لیتے اس کی برکت سے ان کو فتح ہوتی جب جالوت کافر بادشاہ نے ان کے شہر چھین لئے تو ان کا صندوق بھی چھین گیا بنی اسرائیل وہاں سے بھاگ کر بیت المقدس میں آئے اور شموئیل پیغمبر سے درخواست کی کہ کوئی با اقبال بادشاہ مقرر کیا جائے کیونکہ وہ بغیر با اقبال بادشاہ کے نہیں لڑ سکتے تھے ان کے نبی نے کہا کہ جنگ کا حکم دینے پر تم نافرمانی نہ کرو گے انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دشمن کے خلاف جنگ نہ کریں جب کہ اس نے ہمارے بچوں کو قتل کر دیا ہے اور ہمیں ہماری زمینوں سے بے دخل کر دیا ہے غرض

فلما کتب علیہم الخ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا
أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ
سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً
فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیوں کر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشایش مال میں پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنے والا سب کچھ جاننے والا۔

بنی اسرائیل نے تسلیم سے انکار کیا اور کہا انی یکون له الملك الخ لانه لم یکن له قومه سلطنیة من قبل وکان یکسب لقوته۔ نبی نے جواب دیا کہ سلطنت کسی خاص آدمی کا حق نہیں ہے اللہ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس کا علم وسیع اور طاقت تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ ع ۳۳ ۱۶

اور کہا بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسی اور ہارون کی اولاد اٹھا لاویں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

غرض طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے پر صندوق بکیفیت مذکورہ حسب سابق آ گیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ

غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۲۴۹

پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بے شک اللہ تمہاری آزمایش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے ان میں سے پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

الی آخر القصہ اور جب انہوں نے جالوت کی فوج کو مور و ملخ سے بھی زیادہ دیکھا تو بادشاہ سے کہا لا طاقۃ لنا الخ کم من فئۃ الخ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ ایک چھوٹی منظم جماعت ساری دنیا پر غالب آسکتی ہے یہ نہیں کہ لڑاکے جوانوں کی کثرت تعداد سے ہی زبردست حکومت ہو سکتی ہے بلکہ تھوڑی جماعت بھی ہو مگر منظم جیسا کہ آیت ۲۱۶ میں ذکر ہے آج کل چھوٹی چھوٹی طاقتیں تمام دنیا پر محیط ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی اصول پر عمل کر رہے ہیں اور اس لئے ان میں منظم طاقت ہے۔ جو انگریزوں کو دیکھو کہ ہندوستان میں ایک ضلع میں چند انگریزوں نے تمام ضلع کو قابو میں رکھا ہوا ہے اور اسی طرح ہندوستان میں انگریزوں کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں مگر اس کے باوجود وہ چالیس کروڑ انسانوں پر صرف ہندوستان

کئی ملکوں پر حکومت کر رہے ہیں

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ
اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰

اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر۔

دُعاء۔ قاعدہ ہے کہ انسان جس چیز کی خواہش کرتا ہے اس کے حصول کے لئے وہ ہر ممکن سعی کرتا ہے
ہر ممکن ذرائع استعمال میں لاتا ہے اور جب اس کام کا مصمم ارادہ کرتا ہے تو اللہ سے اس کی تکمیل کی دعاء کرتا ہے
اس دعاء میں تو ضرور تاثیر ہوگی اس کے برعکس ایک آدمی ہے جو اپنی قوم و ملک کے خلاف قوم فروشی و وطن
فروشی میں رات دن مصروف ہے مگر ساتھ ہی دعاء بھی کرتا ہے کہ اے اللہ میری قوم و ملک کو عزت دیجیئو تو اس دعاء
میں خاک تاثیر ہوگی اس کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ کو دھوکہ دے رہا ہے حدیث میں آتا ہے کہ سب دعاء مقبول
ہے مگر قطیعہ رحم وغیرہ کی دعاء قبول نہیں "الحدیث بمعناہ مختصراً" یعنی جب اپنی قوم کی بھی خواہی کے برعکس قدم اٹھانا

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ
الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ
نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کر دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہوجاتا
ملک لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر۔

توراۃ میں ہے غرض مقابلہ میں جالوت خود میدان میں آیا الیٰ قولہٖ اس کے بعد طالوت نے اپنی بیٹی کی شادی
داؤد سے کر دی جو اس کے بعد ایک جلیل القدر بادشاہ ہوا یہ مضمون توراۃ کا ہے اور قرآن حکیم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ
جنگ کے بعد حضرت داؤد کو بادشاہ کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جنگی افسر سے انتظامی ملک داری نہیں ہو سکتی
اس کے لئے حلم اور حوصلہ اور معاملہ شناسی ہونی چاہیئے اس لئے جب فتح ہوئی تو یہ اوصاف داؤد علیہ السلام میں
پائے گئے وہ ایک نہایت رحم دل انسان اور معاملہ کی تہ کو پہنچنے والا و حلم والا تھا اور یہ جوہر اس کے اس لڑائی میں
ظاہر ہوئی اس لئے قوم نے اس کو حکومت کی باگ دی اور امیر لشکر ویسے طالوت رہا یہ ہے مضمون قرآن حکیم کا
غرض اس واقعہ سے بتلایا کہ جنگ حق کے لئے ہونی چاہیئے اور جنگ چھڑ جانے پر پوری قوت سے دشمن
کا مقابلہ ہونا چاہیئے اور دشمن کی کثرت تعداد سے کبھی نہ گھبرانا چاہیئے بلکہ اس کے برعکس اپنے آپ کو منظم کرنا چاہیئے
اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھ کر مقابلہ کرنا چاہیئے کہ فتح و شکست اسی کے اختیار میں ہے اور ملک فتح ہونے پر
پریزیڈنٹ اس کو بنانا چاہیئے جس میں انتظامی قوت اور ملک داری کے معاملہ شناسی میں دخل ہو اور داؤد
نے چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور حکومتوں کو ایک بین الاقوامی سلطنت قائم کر دی اور اس میں انتظامی قوت اور

فیصلہ کی عالی قوت تھی جیسے کہ قرآن میں ہے اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب یعنی اس کو بہت بڑی سمجھ عطا کی گئی تھی۔

کشاف الہدیٰ مرتبہ یعقوب حسن مدراس ص ۳۷ و ص ۵۴ میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت کے ساتھ حکمت بھی عطا کی گئی لہٰذا قوت فیصلہ اس میں بہت شاندار رکھی گئی تھی۔

اس کے علاوہ اس کو شاعرانہ طبیعت بھی دی علم ادب کی تاریخ میں نظم کو نثر پر تقدم اور فضیلت حاصل ہے ہر قوم اور ہر علمی زبان کا جو پہلا ادیب ہوا وہ شاعر ہوا ہے اس زمانہ میں بھی جب کہ لکھنے پڑھنے کا نام تک نہیں تھا شعراء کا کلام برابر کئی کئی صدیوں تک سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہتا تھا سب سے زیادہ قدیم شاعر جس کا کلام ہم تک پہنچا ہے وہ یونان کا مشہور ھومر ہے جو ۱۰۰۰ سنہ ابراہیمی میں تھا یعنی حضرت مسیح سے ایک ہزار برس قبل اور داؤد علیہ السلام ہومر سے بھی ایک صدی پہلے تھے اور آپ کے بعد یونان میں نامی گرامی حکیم سقراط۔ بقراط۔ ارسطو۔ افلاطون۔ جالینوس فیثاغورس اور ایسے ہی بیسیوں حکیم پیدا ہوئے جن کی تعلیم وتدریس سے یونان علم وفضل وحکمت کا اکھاڑہ بن گیا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام مسیح علیہ السلام سے پورے دو ہزار برس قبل پیدا ہوئے تھے عیسوی سنہ پر دو ہزار برس کا اضافہ کر دینے سے ابراہیمی سنہ بن جاتا ہے ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے ساتھ اسلام کی بنیاد قائم کر دی تھی ابراہیمی سنہ کو اسلام سے بہت بڑا تعلق ہے اس لئے اس کو عیسوی سنہ پر ترجیح دی جانی چاہیئے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک اور تو بے شک ہمارے رسولوں میں سے ہے۔

تجھے اپنے احکام سنا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرح دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے طالوت کے واقعہ میں تمہارا لائحہ عمل بتلا دیا ہے کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو یقیناً دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرو گے جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا۔

الجزء الثالث

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

وقف لازم

مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ
مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ع ۳۳ ۱
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے درجے اور دیئے ہم نے عیسٰی مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح القدس یعنی جبرئیل سے اور اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے پیچھے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف حکم لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر چاہتا اللہ تو باہم نہ لڑتے

اس میں یہ اصول بتلایا کہ کچھ نبی مراتب میں دوسرے انبیاء سے افضل ہیں اس میں درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا تذکرہ ہے گذشتہ آیت میں بتلایا کہ داؤد علیہ السلام کو جلیل القدر بادشاہ بنایا اس آیت میں بتایا کہ عیسٰی علیہ السلام بنی اسرئیل کی روحانی تکمیل کے لئے روانہ کئے گئے اور دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں اور ان کی فضیلت کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ اور قرآن شریف کی بہت سی آیات اس شہادت کا مظاہرہ کر رہی ہیں اس کا مکرر ذکر آتا ہے اور انبیاء کو جو فردًا فردًا فضیلت دی گئی تھی ان تمام کا مجموعہ ہم نے آپ میں جمع کر دیا ہے اس واسطے آپ کو رحمۃ للعالمین کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ دنیا کی تمام قوموں کے لئے رحمت بن کر آئے اور ایک بین الاقوامی قانون تمام دنیا کے روبرو پیش کر کے اس کو کامیاب بنا دیا اور ایسا انقلاب دنیا میں کر دکھلایا کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی اور اپنے پروگرام پر دنیا کو چلا کر ایک متحدہ ذہنیت بنا دی اور ظالم سلطنتوں کو جو بڑی شان و شوکت سے حکومتیں کر رہی تھیں (قیصر و کسریٰ) ان کو تہ و بالا کر کے نئی سوشلسٹ حکومت قائم کر دی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید فروخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم۔

حکومت بین الاقوامی کے لئے روپیہ جمع کرو اتنا بڑا عظیم الشان انقلاب سوائے اخراجات کے مکمل نہیں ہو سکتا

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

باری تعالےٰ کی تعریف اسلام نے جو ان آیات میں کی ہے دنیا کے تمام مذاہب ایسی جامع اور پرمعنی تعریف سے قاصر ہیں اسلام نے سب سے پہلے یہ سکھلایا کہ اس کا کوئی شریک نہیں وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے لہ مافی السمٰوٰت کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے الخ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے ہاں سفارش ہو سکتی ہے مگر اس کی اجازت سے یہ درست ہے کہ اسلام اس اصول کو نہیں مانتا کہ خدا کے ہاں سفارش کے لئے سفارشی چاہیئے اس لئے عیسائی اصول نجات سے اسلام متفق نہیں مسلمانوں کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے خلق عظیم ہے جو انسانی کمالات کا جامع ہے اور ان سے دوسروں کو مکمل انسان بنانے کے لئے ایک شاہراہ بتلا دی ہے جو لوگ اسکی پیروی کرتے ہیں وہ صحیح معنوں میں مکمل انسان ہو سکتے اور اسی کو اسلام میں نجات کہتے ہیں مگر چونکہ ہر ایک انسان مکمل نہیں ہو سکتا اس لئے رحمتِ باری تعالیٰ غالب آئے گی اور اس کے اذن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کی غلطیاں معاف کرانے کے لئے سفارش کریں گے۔ (...)

مسئلہ شفاعت | قرآن شریف میں ہے کہ انسان کو اس کی ذرہ بھر نیکی اور برائی کا بدلہ ملے گا نیکیوں کا بدلہ جنت برائیوں کا دوزخ ہے انسان کے تمام اعمال لکھے جاتے ہیں ان کی جزا و سزا اسے اس دنیا میں ملتی رہتی ہے مثلاً ایک شخص بغیر زادِ راہ کے دور کا سفر کرتا ہے ضروری ہے کہ اسے راستہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑیں غرض ان اعمال کو قیامت

کے دن بھی اس کے روبرو کیا جائے گا انسان کے سب عمل لکھے جاتے ہیں مگر جو خیالات وہ صرف دل میں لاتا ہے وہ کس طرح ظاہر نہیں ہوتے نہ لکھے جاتے ہیں مثلاً ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتا ہے گو اسے اس کے اظہار کا موقع نہیں ملتا حساب کے دن اس کی یہ محبت پیش نہیں ہوگی کیونکہ فرشتوں نے اسے نہیں لکھا اس کا علم اللہ ہی کو ہے اللہ اس دن اپنے رسول کو حکم دے گا کہ آپ اس کے لئے سفارش کریں غرض شفاعت بھی اصل اعمال کا نتیجہ ہے

غرض آیت الکرسی کا مطلب یہ ہے کہ بین الاقوامی حاکم اللہ کے سوائے کوئی نہیں ہے اللہ کی حکومت یہ ہے کہ اس کے قانون رائج ہوں جو نوعِ انسانی کی تکمیل کے لئے نازل کئے گئے ہیں اور کوئی طاقت اس میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کر سکے غرض قانون الٰہی جب دنیا کو دے دیا گیا تو صرف اللہ کی حکومت ہوگی آپ کے مبعوث ہونے اور کتابِ الٰہی کے نازل ہونے پر دنیا میں قانون کی حکومت ہوگی جس میں اللہ کا قانون نافذ ہوگا اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۵۶)

زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

انسانی طاقت جو روشنی سے اندھیرے کی طرف لے جائے اس آیت میں خدا اور طاغوتی حکومت کا فرق بتلایا کہ جو انسان ہو کر انسانوں میں رہے انسانوں سے مشورہ لے کر قانونِ الٰہی نافذ کرے یہ انسان حاکم ہے اور جو خود خدا بن کر حکومت کرے اور جو جی میں آئے اس کو بطورِ قانون پیش کرے اپنی رسومات زبردستی سے منوائے یہ طاغوتی حکومت ہے کیونکہ انسان اصل فطرت میں آزاد پیدا کیا گیا ہے اس کو لاچار کر کے اس پر حکومت کرنا یہ اکراہ ہے مگر ظلم دور کرنا اور ظلم کے طریقے جہان سے زبردستی مٹانا یہ اکراہ نہیں بلکہ انسانیت کے فائدہ کے لئے ایک شخص نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اس لئے دین میں زبردستی سے بیاج سود خوری کو منع کر دیا گیا ہے اور اس طرح زنا وغیرہ بداخلاقی کو۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ع ۳۴ ۲

أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝

اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس میں بتلایا کہ جو قانون الٰہی کے پابند رہتے ہیں اللہ ان کا نگہبان ہوتا ہے اس کی مدد سے وہ اندھیرے سے نکل کر صاف راستہ پر آتے ہیں اس کی آگے تین مثالیں دی گئیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرٰهِيمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ۝

کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے بے شک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو۔

پہلی مثال یعنی جو ایسا بادشاہ جو لوگوں کی موت وحیات اپنے ہاتھ میں رکھ کر جبروت سے حکومت کرے وہ طاغوت ہے ایسے سے لڑنا جھگڑنا ضروری بات ہے یہ لوگوں کو اندھیرے میں ڈال اور ان کی انسانیت تباہ کر رہا ہے اور انسانیت کی آزاد خیالی اور آزاد فکری کو روک رہا ہے تو ایسے طاغوت سے جس قدر مقابلہ ہو سکے کرنا انسانیت کا فرض ہے اللہ تعالیٰ اس کو مدد دے گا جو اس کے مقابلہ میں نکلے گا اور اس مرد حقانی کا رعب ان پر ڈالے گا ایسے جابر قاہر بادشاہ کا ابراہیم علیہ السلام مقابلہ کرنا اور اس کو مبہوت بنا دیتا ہے جب اس کو ایسی حالت طاری ہوگئی کہ ایک شخص سے ڈر گیا تو اس کی سطوت کی حقیقت ہر ایک شخص جان کر اس کا مقابلہ

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا قَالَ أَنّٰى يُحْيِي

هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر۔ بولا کیوں کر زندہ کرے گا اس کو اللہ مر گئے پیچھے پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو کہا تو کتنی دیر یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا وہ دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مثال ثانی:۔ ایک طاغوت سرکش کی مثال ہے کہ اس نے ایک زندہ قوم پر تسلط کر کے اس کو تباہ کر دیا قریۃ کے معنی ہیں اجتماع اور اس کا ترجمہ ہے سوسائٹی یعنی اجتماع و سوسائٹی کو برباد کر دیا تھا تو اگر کوئی اجتماع یعنی سوسائٹی صالحہ کو تباہ کر دے اور اس کی ہستی کو فنا کر دے تو پھر ویسی سوسائٹی اگر کوشش لگاتار کی جائے تو سو برس میں پھر انقلاب ہو سکتا ہے اور قوم میں پھر حیات پیدا ہو سکتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک سوسائٹی تباہ ہو جاتی ہے اور انکے اسباب زندگی و معشت برباد کئے جاتے ہیں اور سوشیل ترقی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا تو ایک سمجھدار آدمی اس پر گزر کر حیران ہو جاتا ہے کہ یہ سوسائٹی تنزل کے بعد کس طرح آباد ہو گی فاماتہ اللہ مائۃ عام قوموں پر قدرتی طور پر ترقی کے بعد تنزل آجاتا ہے اور کام کرتے کرتے گویا تھک جاتے ہیں تو ان پر نیند طاری ہو جاتی ہے اور گہری نیند میں سو جاتے ہیں کہ صدیوں تک بیداری نہیں ہوتی اور عیش کی نیند میں سو جاتے ہیں اور ان کے قویٰ عمل مخدر ہو جاتے ہیں گویا ان میں حس و حرکت نہیں ہے ثم بعثہ پھر وہ نیند سے جاگتے ہیں اور ان کے قویٰ عمل کام کرنے لگ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر اس طاغوت سے بر سر پیکار میدان میں نکل آتے ہیں اور ان کو اپنی نیند کی مدت بھی معلوم نہیں ہوتی گویا ہم سوسائٹی بھی نہ تھے ایسا سمجھتے ہیں اور ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

گویا ہم جاگتے تھے اور ہمارے قومی عمل کام کر رہے تھے فانظر الی طعامك الخ اگر سوسائٹی برباد ہو گئی مگر انکی
آبادی کے ذرائع ویسے ہی محفوظ ہیں تو پھر اطمینان سے ترقی کر سکتی ہے بیت المقدس کی مسجد کو طاغوت نے
تباہ کیا مگر اس کے چشمے اور نہریں اور زمین و باغات ویسے کے ویسے رہ گئے تھے ان میں کچھ تغیر نہیں آیا تھا تو قوم
آہستہ آہستہ جمع ہوتی ہوتی ایک اجتماعِ صالح یعنی سوسائٹی بن گئے یہ سوسائٹی سوشیل ترقی کر کے اپنا نظام صالح پیدا
کر لیا اور غیر قوم کی سلطنت خود بخود فنا ہو گئی تو یہ مثال طبعی ترقی کی ہے ۔ وانظر الی حمارك سواری کو اب تلاش
کر کے اس پر سوار ہو جاؤ یعنی جب سوشیل ترقی ہو جائے گی تو پھر بار داری کے اسباب خود بخود پیدا ہو جائیں گے۔
وانظر الی العظام جیسے جب قوم تنزل کرتی ہے تو فقط ہڈے رہ جاتے ہیں جس میں نہ کوئی حس نہ کوئی حرکت حس
وحرکت گوشت و پوست سے پیدا ہوتا ہے تو پھر ان بوسیدہ ہڈوں پر حرکت طاری ہو جاتی ہے اور ان پر
گوشت چڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر چیز زندہ ہو جاتی ہے یعنی جیسے ہڈوں پر گوشت چڑآتا ہے اور
ہڈوں کی پوشاک گوشت ہے اسی طرح قوموں میں حس وحرکت آجاتی ہے اور پورانے لوگوں کی جگہ نئے لے لیتے
ہیں اور ان میں حس وحرکت آجاتی ہے اسی طرح زندگی اقوام کی مثال ہے ۔ ولنجعلك اٰیۃ الخ یعنی تم جاکر
ان کو اب تعلیم و تربیت دو اب ان پر گوشت و پوست چڑھ آیا ہے اور تمہارے جانے کے بعد ان میں حس
وحرکت آجائے گی اور تیرے باعث قوم بنی اسرائیل زندہ ہو جائے گی یعنی اگر ایک شخص قوم کی تربیت و تعلیم
کرے تو قوم زندہ ہو جاتی مگر قوموں کی نیند سو سال ہے اس کے بعد کوئی جگانے والا جگلائے تو جاگ اٹھیں
گے آپ آگے مثال دی جاتی ہے کہ قوم کو کس طرح زندہ کیا جائے اور کون سے اسباب سے قوم جلدی ترقی
کر سکتی ہے اور موت کے بعد ان میں حیات آجائے اب سب سے بڑا سبب بتایا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ
بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ
اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ
وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵ ۲

اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھا دے مجھ کو کہ کیوں کر زندہ کرے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین
نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے

پھر ان کو بلائے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے
اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا۔

مثال ثالث: وہ سبب جس سے قوم زندہ ہوتی ہے وہ تربیت ہے جب ایک رہبر قوم قوم کو تربیت
دے گا اور اس کی سوشیل اصلاح کر دے گا اور ان کی اقتصادی حالت درست کر دے گا تو قوم چاروں طرف سے
نکل کر اس کے گرد جمع ہو جائے گی میدانوں۔ پہاڑوں۔ ملکوں میں دربدر شدہ افراد اور جزیروں میں چھپی ہوئی جماعت
اس کے گرداگرد جمع ہو جائے گی تو دار و مدار ترقی کا اقتصادی حالت کے سدھارنے پر ہے اب آیت کی تفسیر
شروع ہوتی ہے اس مثال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ کس طرح قومیں جو بام ترقی پر ہوتی ہیں اپنی
بداعمالیوں سے تباہ ہو جاتی ہیں اور صفحہ ہستی سے معدوم شدہ قوموں کو اللہ تعالے کس طرح ترقی دیتا ہے بشرطیکہ
وہ زندہ رہنے کی کوشش کریں ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے وعدہ پر پورا ایمان تھا اور اسی ایمان کے بھروسہ پر
اس نے اپنے دشمن پر فتح پائی تھی مگر تسکین قلب کے لئے اللہ تعالے سے درخواست کی تھی کہ کیف تحی
الموتی اس میں اجنبی کی بالکل کوئی بات نہیں جب اللہ نے ابراہیم کی اولاد سے ایک ایسی قوم پیدا کر دی
ابراہیم کو چار پرندوں کے سدھانے کی ہدایت کی جاتی ہے جو اس کے بلانے پر دور کے پہاڑوں سے
بھاگتے ہوئے آتے ہیں اگر پرندے ان کے بلانے پر فوراً اس کے پاس آموجود ہوتے ہیں حالانکہ وہ ان کا نہ خالق
اور نہ حقیقی مالک تھا تو کیا قومیں اپنے خالق کی صدا پر لبیک نہ کہیں گی اور ایک مرکز پر جمع نہ ہو جائیں گی جو
ان کا خالق اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اگر ایک انسان صرف ایک دفعہ کے لئے پرندوں کو سدھاتا ہے اور وہ
ان پر حقیقی اختیار بالکل نہیں رکھتا اور اس معمولی سدھانے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرندے اس کے صدا پر اس
کے پاس آتے ہیں تو کیا اللہ تعالے ان اسباب پر قادر نہیں جو قوموں کی زندگی اور موت کا موجب ہوا کرتے ہیں
جب کبھی کسی قوم کی تباہی کے دن نزدیک آجاتے ہیں تو اللہ تعالے ان کی تباہی کے سامان پیدا کر دیتا ہے
اور جب کسی قوم کو بام عروج پر لانا چاہتا ہے تو ان کے ترقی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔

غرض دوسری مثال میں اقتصادی حالت کا قیام تھا اور تیسری میں سوشیل نظام قائم کرنا اور ان کی سوشیل
تربیت دینے میں قوم زندہ ہو سکتی ہے علم الکلام مصنفہ مولانا شبلی میں ہے کہ اکثر مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں کہ
ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ان کو ذبح کر دیا تھا لیکن تفسیر کبیر رازی میں ہے کہ ابو مسلم
اصفہانی نے اس تفسیر پر متعدد اعتراض کئے ہیں (۱) فصرھن الیک کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا کے نہیں ہیں اگر
کبھی اس معنی میں آتا ہے تو اس کا صلہ (الی) نہیں آتا (۲) ادعھن میں جو ضمیر ہے وہ ذی الروح کے لئے مخصوص
ہے اس لئے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پرندوں کو بلاؤ۔ اب ایک اور اعتراض ہے کہ اگر یہ مقصود تھا تو چار پرندوں (۳)

کی کیا حاجت تھی ایک پرندہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور پھر اس کو جلا دینا کافی تھا شک رفع کرنے کو جو تعلق ہر وہ زندہ کرنے سے ہے ایک دو چار کو اس میں کیا دخل ہے۔

ابو مسلم اصفہانی نے تمام مفسرین کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور آیت کے معنی یہ قرار دیئے کہ خدا نے تمثیل کے طور پر ابراہیمؑ سے کہا کہ مثلاً اگر تم چار پرندوں کو پالو اور ان کو خوب پر چالو کہ وہ تم سے خوب ہل جائیں پھر ان کو الگ الگ پہاڑ پر چھوڑ دو اور بلاؤ تو وہ چلے آئیں گے۔ [illegible]

پرندوں کو ہلانا اور انسانوں پر مال خرچ کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا اور ان کو تعلیم و تربیت دینی یہ انسانوں کو ہلانا ہے اس سے صالح سوسائٹی پیدا ہوگی۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ
سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے

اللہ کے راستہ میں خرچ کرے مگر اس کے ساتھ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں کی طرح سمجھے اور اپنا درجہ ان سے بلند نہ کرے۔ مثلاً ایک آدمی عالم ہے اپنے فن میں کامل و یکتا ہے اگر اس کے ہنر کی بنا پر اسے بزرگی دی جائے تو جائز ہے مگر ایک آدمی کو اگر صرف اس وجہ سے بزرگ و افضل تسلیم کیا جائے کہ وہ مالدار ہے تو یہ انتہائی درجہ کی بے انصافی ہے اسلام اسے روا نہیں رکھتا اسی کو دوسرے الفاظ میں سرمایہ داری سے تعبیر کرتے ہیں اس جگہ سے لے کر آیت ٢٧٧ تک اسی بات کی مذمت کی جا رہی ہے کہ لوگوں کو روپیہ پیسہ۔ کی وجہ سے بڑا مانا جائے!

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا
مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے۔

عطیہ جو قومی یا انفرادی بہتری کے لئے دیا جائے اس میں ذہنی ذاتی مصلحتیں نہیں ہونی چاہیئے اسی سے عطیہ دینے والے کو مخالفت ہے کہ وہ اس کے متعلق کسی سے ذکر تک بھی نہ کرے تاکہ کسی کے دل میں یہ اثر نہ پیدا کرے کہ ان

سے اس عطیہ سے اسی آدمی کو اپنا مرہونِ منت کر لیا ہے یا اسے اس سے کسی قسم کا صدمہ یا اس کی عزت میں کسی قسم کا حرف آئے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾

جواب دینا نرم اور درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمل والا۔

اس لئے بتایا کہ کسی کی عزت میں حرف لانے سے تو صدقہ یا عطیہ یا مدد سرے سے دی ہی نہ جائے تو بہتر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾

اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو

جب کسی کو مدد دینے کی جزاء اللہ دے گا تو خیرات وغیرہ صرف فی سبیل اللہ ہونی چاہیئے نہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے صرف فی سبیل اللہ اسی صورت میں دے گا جب اللہ پر ایمان ہوگا یہ تشریح ہے القوم الکافرین تک آیات کے آخری لفظ میں ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن ان کفار کا ذکر کرتا ہے کہ جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے بے سود اپنا روپیہ برباد کیا وہ اپنا روپیہ اندھا دھند خرچ کر رہے تھے کہ کسی طرح اسلام ترقی نہ کر سکے ان کو بتایا جا رہا

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا

ضِعْفَيْنِ ۚ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

اس میں بتلایا کہ جو صدقہ سے فی سبیل اللہ مدد دے رہے ہیں ان کے لئے اللہ کے ہاں اجر ہے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ
فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ
الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ ع
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ
تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہووے اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح میوہ حاصل ہو اور آ گیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف تب آ پڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم غور کرو اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا

اس میں آیت ۲۶۲ کی مانند بتایا کہ جو خیرات عزت پر دھبہ یا کسی اور قسم کا صدمہ پہنچانے کے لئے کی جائے اس کے برے نتائج سے آگاہی کی جاتی ہے۔ الخ کسبتم سے مراد تجارت ہے اور اخرجنا سے مراد کاشتکاری ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً
مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾
وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشایش والا ہے سب کچھ جانتا ہے عنایت کرتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے کوئی منت تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

شیطان وعدہ کرتا ہے کہ قومی کاموں میں خرچ کرنے سے خود مفلس ہو جاؤ گے اللہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم تحریک بین الاقوامی کو کامیاب بنانے میں خرچ کرو گے تو اس کی طرف سے تم پر فضل رحمت ہوگی قرون اولی نے دیکھ لیا کہ جب انہوں نے اس انٹرنیشنل (اسلام) کے کاموں میں حصہ لیا تو تمام دنیا میں اس کا طوطی بولنے لگا شام کی زرخیز زمین عراق مصر وغیرہ زرخیز ملک اللہ نے ان کے قبضہ میں دے دیے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ

أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ
إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾

اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔ تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم مال سو اپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضا جوئی میں اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا۔ خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بے شک اللہ کو معلوم ہے۔

علانیہ خیرات یا مدد کرنے اور نام و نمود کے لئے کرنے میں بہت بڑا فرق ہے جس کا ذکر آیت ۲۶۴ میں ہے علانیہ خیرات وغیرہ کرنے سے مراد ہے کہ قومی بہتری یا نوع انسان کی بہتری کے لئے جو کام کیا جائے اس لئے اس علانیہ خیرات کو مقدم رکھا و ان تخفوھا علانیہ کے بعد در پردہ خیرات کا حکم دیا۔ جو انواد بہتری کے لئے

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو ان کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ینفقون فی تحریک۔ انفر یشتمل فی کل حالۃ علانیۃ واخفاءً دائماً فلا خوف علیھم من وجہ یعنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے خرچ کر رہے ہیں وہ ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

یورپین طاقتوں نے یہ راز مسلمانوں سے سیکھا اس کی بنا پر وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ

وقف لازم

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ
اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

عربوں کا خیال تھا کہ مرگی دراصل کوئی چیز نہیں بلکہ شیطان جس کو مس کردے اس کا نتیجہ مرگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے غرض مرگی کو اسی نام سے تعبیر کرتے تھے تو ربا خور کو کبھی ہوش نہیں آتا کہ قوم کی بھلائی کی طرف نگاہ کرے اور دولت جمع کرنے کی دھن میں ساری قوم کو غرق کر دیتا ہے اور ایک طرف دولت کماتا ہے دوسری طرف زوال کی طرف ان کو رخ ہے ان میں توازنِ طبعی اور ارتقاءِ طبعی نہیں رہتا۔ انسان جب مرگی سے ہوش میں آتا ہے تو اس وقت اسے کوئی بات نہیں سوجھتی جب تک کہ اسے مکمل طور پر ہوش نہ آئے مطلب یہ ہوا کہ اس کی غور و فکر کی طاقت سلب ہو جاتی ہے غرض اس کا مطلب یہ ہے کہ جنہوں نے مال خرچ کیا اور بڑے بن گئے وہ اپنی ہستی کو بچانے کے لئے مال و دولت کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں اگر ان کا تمام مال آہستہ آہستہ خرچ ہو گیا تو ان کو اپنی بناوٹ عزت برباد ہونے کا خطرہ دامن گیر ہے اس لئے ان سے کوئی مدد مانگے تو سوائے اپنے ذاتی فائدہ کے اسے کبھی کسی قسم کی مدد روپیہ پیسہ نہیں دیتے جب تک کہ ان کے ساتھ سود کے منافع کی شرط نہ لگا دیں گے جس طرح شیطان کے چھونے سے آدمی کی حالت مرگی زدہ سی ہو جاتی ہے وہ کچھ نہیں سوچ سکتا اسی طرح ان لوگوں کے دلوں میں بھی معارض قوتیں اس قدر جمع ہو جاتی ہیں کہ ان کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور وہ کوئی کام نہیں کر سکتے اسی حالت میں وہ کہتے ہیں انما البیع مثل الربٰوا یعنی تجارت بھی تو سود کی طرح ہے حالانکہ انہیں علم ہے کہ تجارت اور چیز ہے اور

سود اور چیز ہے تجارت میں انسان نفع و نقصان دونوں کا شریک مگر سود میں صرف منافع کا شریک ہے اور ربا خور کا قیام لوگوں میں شیطانی مس شدہ کی مانند ہے کہ انفرادیت کی طرف لوگوں کو کھینچ رہا ہے واحل اللہ الخ حرمت مانتے ہوئے حلال و حرام کی تمیز نہیں رکھتا اس لیئے اس کا دماغ دو کوڑی کا نہیں رہتا۔ اور اجتماع صالح یعنی سوسائٹی کا دشمن اور مفلوج عضو ہے اس مفلوج عضو سے سمجھ سوچ کی بات دماغ میں سما بھی نہیں سکتی تو اگر ربا خور لوگوں میں قائم ہو گیا یعنی اس کو قوت و طاقت آگئی تو ساری قوم کو بے کار کر دے گا ان کا مال چھین لے گا۔ وہ کسی مروت تو میں نہیں لگائے گا جب قوم تباہ ہو جائے گی تو خود بھی تباہ ہو جائے گا یعنی یہ سوشیل اصلاح کی ضد ہے تو قوم کا دشمن ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے۔

(بذا الحکم نی سن یونس بالقرآن) اگر وہ بدستور ربوا لیتے رہیں گے تو اس میں کسی قسم کی برکت نہیں رہے گی بلکہ اس سے برکت اٹھالی جائے گی۔ واللہ لا یحب اس شخص کی حالت یہ ہے کہ ایمان کو چھوڑ دینا گوارا کرے گا مگر سود لینے سے درگزر نہیں کر سکتا اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ اسے سزا دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ ان کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

زکوٰۃ سے یہ مراد ہے کہ مثلاً ایک آدمی دوسرے کو مدد کے طور پر روپیہ دیتا ہے مگر اس سے کسی قسم کے منافع کی توقع نہیں رکھتا اس کے برعکس سود خوار آدمی جب کسی کو روپیہ دیتا ہے تو وہ اپنے ذاتی مفاد کے سوا اسے کبھی روپیہ نہیں دے گا یعنی وہ صرف اس لئے روپیہ دے رہا ہے کہ اس کے ساتھ سود بھی آ رہا ہے غرض زکوٰۃ اور سود دونوں متضاد چیزیں ہیں اس جگہ پہلے نماز کا پھر زکوٰۃ کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح نماز کے لئے طہارت کی شرط ہے اسی طرح زکوٰۃ دینے والے پر سود خوری سے توبہ کرنا ایک ضروری امر ہے غرض آیت ۲۷۶ میں سود چھوڑنے کا ذکر ہے اور ۲۷۷ میں نماز و زکوٰۃ کا ذکر کر کے ۲۷۸ میں دوبارہ سود کا ذکر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِن كُنتُم
مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا۔

حکم دیا کہ آج کے بعد سود کا لین دین بالکل بند کرو ان کنتم مومنین اگر اللہ کے قانون کی پابندی کرنا چاہتے ہو تو سود کا لین دین ضرور ہی بند کر دو۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ
رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ایک انقلابی سیاسی جماعت ہے وہ ہر ایک آدمی کو اپنا ممبر بننے کے لئے مجبور نہیں کرتی مگر وہ اپنا پروپگنڈا ضرور کرتی رہتی ہے اور اس سے متاثر ہو کر ایک آدمی اس سوسائٹی کا ممبر بن جاتا ہے اسے بعد میں تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعد اسے کام پر لگایا جاتا ہے اب اگر وہ سوسائٹی سے بغاوت کرنے کی کوشش کرے تو اس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

بعینہٖ اسلام ایک انقلابی جماعت کا نام ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ انقلاب پیدا کر کے قانونِ الٰہی کو نافذ کرے یہی مثال ہے لا اکراہ فی الدین (٢٥٦) میں یعنی دین میں جبر نہیں اس کے اندر کسی آدمی کو داخل کرنے میں کسی قسم کا جبر نہیں مگر اسلام اپنا پروپگنڈا برابر کرتا ہے اور جو آدمی اس کے اصول کو تسلیم کر کے اس جماعت میں داخل ہوتا ہے اور پھر ان کا ایک فرد قرار پاتا ہے اسے پھر بغاوت کرنے کی اجازت نہیں اگر وہ بغاوت کرے یعنی اسلام کے کسی اصول کے ماننے سے انکار کرے مثلاً سود کے لینے سے باز نہ آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی جنگ۔ لا اکراہ فی الدین کے حاشیہ پر شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "اگرچہ قدرت اکراہ ہست" وہ اس آیت سے سود خوری کو زبردستی سے بند کرنے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾

ترجمہ، اور اگر ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہیئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لیئے اگر تم کو سمجھ ہو۔

اسلام کی وسعت نظری دیکھئے جو وہ لوگوں کے درمیان پیدا کرنی چاہتا ہے غریب آدمی کو کسی قسم کی تکلیف دینے کی اجازت نہیں دیتا نہ ہی اسے جیل میں ڈالنے کی اجازت دیتا ہے لیکن روپیہ کا مطالبہ اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہیے جب تک وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے اور سب سے بڑھ کر تمام قرضہ معاف کر دینا چاہیے

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾ ۱۴۸ ع ۸ ۶

اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

اللہ سے ڈر کر اس کے قانون کی پابندی کرو اور بالکل معاف کر دینا تمہارے لئے بہت اچھا ہے کہ اس سے مسلمانوں میں ایک عمدہ نظیر ہوگی دوسروں کو بھی احسان کرنے کی ہمت ہوگی۔ اس جگہ باب ۷ ختم ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ

إِحْدٰىهُمَا الْأُخْرٰى ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا ۚ وَلَا تَسْئَمُوْٓا
أَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا أَوْ كَبِيْرًا إِلٰٓى أَجَلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰٓى أَلَّا تَرْتَابُوْٓا إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۗ وَأَشْهِدُوْٓا إِذَا تَبَايَعْتُمْ
وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوْا فَإِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا
فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ
أَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗٓ
٣٩ ع اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾

اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہیئے کہ لکھ دے اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلادے کارگذار اس کا انصاف سے اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلادے اس کو وہ دوسری اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا

کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گروی ہاتھ میں رکھنی چاہئے پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپاوے تو بے شک گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

اب معاملات کے لین دین کے طریقے بتلائے جا رہے ہیں اگر لین دین دست بدستی ہے تو تحریر کی ضرورت نہیں اگر خرید و فروخت کر رہے ہو تو لین دین کو بتمامہ تحریر میں لے آؤ گواہوں کو ناجائز تکلیف مت دو ورنہ آئندہ اس تحریر میں بطور گواہ پیش نہ ہوں گے اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کے گھر تعلیم یافتہ ہونے چاہئے جو اپنے گھر کے حساب و کتاب کو ضبط تحریر میں لا سکیں۔ مسلمانوں کے گھروں میں مرد و عورتیں۔ لڑکے لڑکیاں تمام تعلیم یافتہ ہونے چاہئے۔ لطف یہ ہے کہ یہ تعلیم مسلمانوں کو اس وقت دی جا رہی ہے جب عرب پر جہالت چھائی ہوئی تھی ان کا نبی امی تھا اور عرب اپنے آپ کو امی کہنے پر فخر کرتے تھے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۸۴

اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اب حکومت کرنے کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے حکومت صرف اللہ کی ہے اس نے جن لوگوں کو حاکم مقرر کیا ہے ان سے ذرا ذرا حساب ظاہری و باطنی لے گا اس لئے کہ انہیں دنیاوی سلطنت ہی نہیں بخشی گئی بلکہ ان کو قانون الٰہی کی حکومت عطا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن کر کام کریں اس کے واسطے حکم ہے کہ وہ ظاہری باطنی طور پر کسی طرح بھی مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکتا لادینی سیاست میں اگرچہ دھوکہ جائز ہے مگر دینی سیاست یعنی خدائی قانون میں بجز جنگ کے موقع کے سوا دھوکہ دہی قطعی حرام ہے اسے مسلمانوں کی محض خیر

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا

تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا

بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۴۰

مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سُنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔

اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگزر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے مدد کر ہماری کافروں پر۔

پہلی آیت سن کر صحابہ گھبرائے تو حضور الخ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی قانونِ الٰہی کی حکومت چلانے کی ذمہ داری لینے والے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھی یعنی صحابہؓ ہیں جنہوں نے اللہ کے تمام قوانین پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور رسول اور مومنین نے اس بات کو مان لیا ہے کہ وہ اس پر اخلاص (آیت ۲۸۵)

کل امن باللہ الخ ہم انبیاء کی جماعت کو مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جماعت کے ایک ممبر ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو فرضی طور پر مان لیا جائے تو اپنے بزرگِ اعلیٰ کی صفات اور اللہ کی صفات میں ہم فرق نہیں سمجھتے اس طرح انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے کیوں کہ اسی طرح اپنے نبی

کو بلند درجہ دے کر خدا بنا لیتا ہے مگر جب انسان انبیاءؑ کی جماعت کو بھی انسان مان لے تو وہ شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کا نبی بھی صلعم اس جماعت کا ایک فرد بن جائے گا۔

لانفرق الخ پہلی امتوں کی ہدایت کے لئے جس قدر انبیاءؑ آئے ہیں ان میں کسی میں ہم امتیاز نہیں کرتے یعنی سب کو ایک درجہ پر مانتے ہیں اس طرح تمام قومیں اس کام میں شامل ہو جائے گی اور اسلامی تحریک بین الاقوامی بڑی شاندار ہو جائے گی وقالوا سمعنا ما قیل فی قولہ للہ ما فی السموات الخ تعالوا الخ تیرے حکم ہم نے سمجھ لئے واطعنا جیسے افسر اپنے کسی ماتحت کو حکم دے کر اس سے رسید لے لیتا ہے کہ اسے حکم مل گیا اسی طرح یہ کہتا ہے کہ یا اللہ ہم نے تیرا حکم سن لیا اس کی پوری پوری اطاعت کریں گے۔

← غفرانك الخ تیرے حکم پر عمل کرنے کو مستعد ہیں نادانی سے عمل میں غلطی ہو جائے وہ معاف کر دینا والیك المصیر تجھ سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی، ہم نے تیری طرف ہی آنا ہے لا یکلف اللہ الخ تو اس میں اشارہ ہے کہ جو احکام سورۃ بقرہ میں بتلائے گئے ہیں وہ انسانی طاقت سے باہر نہیں ہیں اور حضورؐ اور مومنین کا اس کو کر کے دکھلا دینا اس کی دلیل ہے یہ معنی ہیں امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون سے چونکہ یہ احکام سوسائٹی کی تکمیل کے لیئے ہیں اور حضورؐ صلعم کی جماعت نے اس کو تکمیل کے درجہ پر پہونچایا تو آئندہ بھی جب ایک جماعت اس کو تکمیل کے درجہ پر پہنچانا چاہے گی اور اس کی ابتداء تہذیب اخلاق اور سوشیل اصلاح سے شروع کرے گی تو تمام مدارج ترقی طے کرنے گی اور اس پروگرام بین الاقوامی کی تکمیل ہو جائے گی ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کام کرنا ہی نہ چاہئے - ربنا لا تواخذ نا الخ صحابہؓ میں طاقت تھی کہ وہ کام کرتے تھے مگر زمانہ کی تبدیلی کے باعث ہم میں وہ طاقت نہیں رہی کہ ہم ان کو اسی طرح ادا کر سکیں لہٰذا ہماری کمی معاف کر یہ مثلاً عرب کو قرآن عربی ہونے کے باعث جلدی سمجھ میں آ جاتا تھا مگر عجمی کے سمجھنے کے لئے وقت ہے لہٰذا ان کی کمی معاف کر اس طرح دعا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ جواب یہی ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری دعا سن لی اور غلطیاں معاف کر دیں لہا ما کسبت الخ انسان کی تمام تر ترقیوں کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یقین ہو کہ اس کے خیر وشر ترقی و تنزل کا مدار تمام تر اس کی سعی پر ہے اور دین و دنیا کی تمام کامیابی محض اس کی کوششوں پر موقوف ہے دنیا میں جب کسی قوم نے تمدن میں ترقی کی ہے یا آئندہ

غرض اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام تمدن کے موافق ہے اور تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور تمدن کو اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تمدن کا انتہا درجہ ہے۔

ربنا لا تواخذنا الخ قاعدہ ہے کہ انسان جب کسی چیز کو چاہتا اور اس کے لئے ہر ممکن سعی کرتا اس کے

[illegible]

لئے اللہ سے دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ حکومت چلانے میں جو بھول چوک ہو جائے تو معاف رکھیو اس کا نتیجہ تھا کہ عمرؓ کی حالت ذرا ذرا سے معاملہ (حکومت) میں دگرگون ہو جاتی اسی حالت میں انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے ربنا لا تواخذنا الخ

ولا تحمل علینا اصرا الخ: بوجھ یہ کہ مثلاً بنی اسرائیل کا اپنا قانونِ الٰہی تھا اور ان کی اپنی حکومت تھی مگر ان کی بدمعاشیوں کے باعث ان سے حکومت چھین لی گئی اور اہلِ مصر (جو ان کے قدیمی دشمن تھے) کو دی گئی اور بنی اسرائیل کو اہلِ مصر کا تابع ہو کر رہنا پڑا اور پھر وہی قدیمی غلامی ان پر سوار ہو گئی جس کی وہ طاقت نہ رکھتے تھے اب مسلمانوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ تم بنی اسرائیل جیسے کام مت کرنا ورنہ دشمن تم پر غالب ہو جائیں گے اور تم پر غلامی سوار ہو جائے گی اور غلامی ایک ایسی لعنت ہے کہ انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا اور مصر میں مصریوں کا اپنا قانون رائج تھا اسی صورت میں بنی اسرائیل کو دو قوانین کی اطاعت کرنی پڑتی ایک مذہبی اور دوسرا حکومت کا قانون (یہی معنی ہیں الا بحبل من اللہ وحبل من الناس کے) اور یہ قریباً ناممکن تھا کیونکہ موسوی قوانین الگ تھے اور مصری قوانین الگ اس لئے بنی اسرائیل کو ایک بڑی مصیبت کا سامنا تھا مثلاً سلطنت ان سے خراج ٹیکس لیتی تھی چونکہ وہ کافر سلطنت تھی وہ عشر میں محسوب نہ کر سکتے تو مذہبی اصول کے مطابق ان کو کاشتکاری یا تجارت سے دوسرا عشر نکالنا پڑتا تھا یہ بڑی مالی مصیبت تھی اس کی برداشت مذہبی قوم میں طاقت نہیں ہے تو اس آیت ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ کے معنی یہ ہوں گے کہ یا اللہ ہم کوشش کریں گے کہ ہم پر غیر حکومت غلبہ نہ کر سکے اس لئے کہ اس کے اور ہمارے قوانین مسلمانوں کے شرعی قانون اور دوسری حکومتوں کے قانون میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ دونوں حکومتوں کے قوانین کی ایک وقت اطاعت نہیں کر سکتے جب تک کہ ان کی اپنی حکومت نہ ہو مثلاً نکاح وطلاق میں میاں بیوی دونوں کو آزادی لڑکوں اور لڑکیوں کا حقِ وراثت مسلمان مرد و عورت پر علم کا سیکھنا فرض ہونا غرض یہ باتیں غیر حکومت کے ماتحت مسلمانوں کے لئے امرِ محال ہے اسی طرح ٹیکس تو حکومت نے پھر دوبارہ ان کو زکوٰۃ دینا پڑے اور محصولِ اراضی زیر کاشت تو حکومت نے پھر اس کو عشرِ شرعی دینا ضروری یہ تکلیف ہے جو برداشت سے باہر ہے۔

واعف عنا انسان بعض اوقات دانستہ طور پر غلطی کرتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنے مالک سے دوسری طرف نہیں جانا چاہتا اسے اپنے اللہ تعالیٰ مالک سے جو تعلق ہے اس کو اسی جرم کے سرزد ہونے کے سبب توڑنا نہیں چاہتا گو جرم بہت بڑا کیا ہے انسان کا ایک خاص درجہ ہے کہ وہ اپنے مالک سے کسی حالت

میں بھی علیحدہ ہونا نہیں چاہتا اب اسی دعویٰ کو مدنظر رکھ کر کہ ہم تجھ سے کسی حالت میں علیحدہ ہونا نہیں چاہتے آخری دعا مانگتا ہے کہ ہماری غلطی معاف کر واعف عنا جو غلطیاں لوگوں سے چھپا کر ہم نے کی ہیں (ان کو چھپا کر معاف کی جاسکتی ہیں) وہ ہمیں معاف کر دے وارحمنا ہم پر رحم کر انت مولٰنا اب ان تینوں دعاؤں کے مانگنے کا سبب بتایا جاتا ہے کہ تو ہمارا مالک ہے تجھ کو چھوڑ کر ہم کہاں جائیں جب اللہ تعالیٰ سے الی تولہ تو ہمیشہ یہی جواب ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری دعا سن لی اور غلطیاں معاف کر دیں۔

فانصرنا الخ جو لوگ رہی ایکشتری ہیں یعنی اس بین الاقوامی قانون کے خلاف چلنا چاہتے ہیں ان پر ہمیں فتح دے اور کامیاب بنا۔

اس سورت کا آخری حصہ بتلایا کہ قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے والے بالآخر کامیاب رہیں گے اور اسی بات کو سورت کے آغاز میں بتلایا کہ قانونِ قرآن کی پیروی کرنے والے ترقی کی اوج پر پہنچیں گے۔

(آیت ۲۷۲) سورۃ البقرہ وما تنفقوا من خیر الخ یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ ولذائذ جن چیزوں کا نام ہے گو وہ ہزاروں لاکھوں ہیں لیکن اگر ان کو اقسام میں محدود کیا جائے تو کل تین قسم ہیں (۱) مال و دولت (۲) آل و اولاد (۳) شہرت و بقائے نام اس جگہ صرف پہلی قسم سے بحث ہے باقی دونوں قسمیں اپنے اپنے موقع میں ذکر ہوں گی ایک بہت بڑا قرینہ جس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن میں خدا نے مال و دولت کس لقب سے یاد کیا ہے قرآن میں ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے اور ۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا اور ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے اور ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے چنانچہ علامہ احمد بن الرازی نے تمام ان آیات کو بعینہٖ نقل کیا ہے نمونہ کے طور پر چند آیات کو نقل کرتے ہیں جن میں مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے (۱) وما تنفقوا من خیر (۲) قل ما انفقتم من خیر (۳) وما تنفقوا من خیر یوف (۴) وما تقدموا لانفسکم من خیر (۵) مناع للخیر (۶) وانفقوا خیرا لانفسکم اس میں شک نہیں کہ قرآن نے مختلف موقعوں پر مال و دولت کی برائی بھی کی ہے لیکن جب دونوں قسم کے موقعوں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ دولت کی برائی جہاں کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع صرف کی جائے اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے

عرب کے جغرافیہ حالت ماخوذ از ارض القرآن

عرب کے ساحل دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں۔ عمان، بحرین، ایران، عراق کے متعلق ہیں۔ یمن و حضر موت افریقہ اور ہندوستان سے

تعلق ہے حجاز کے سامنے مصر ہے اور شام کا ملک اس کے بازو پر واقع ہے اس جغرافیہ تجربہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبعی سہولتوں کے لحاظ سے عرب کے کس صوبہ کو دنیا کے کس زرخیز خطہ سے تجارتی تعلقات حاصل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ تاریخی سندوں سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عرب کے ان تجارتی صوبوں کو اپنے انہیں ہمسایہ ملکوں سے زیادہ تر تعلق تھا بحر روم کے سواحل پر جو شام و کنعان کے بحری مقامات تھے۔ یہاں کی قوموں کو بنی اسرائیل۔ رومی کنعانی اور اہل یونان، ان کو فینیشن کہتے تھے انہوں نے یورپ اور افریقہ کے انتہائی ملکوں تک اپنے تجارتی سلسلے پھیلا رکھتے تھے یمن اور حضر موت کے لوگ ایک طرف تو بحر افریقہ کو عبور کر کے ملک حبش اور دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی صوبوں سے تجارت کرتے اور کشتیوں پر لاد کر اپنے وطن لاتے اور وہاں سے اپنی سرحدوں کو عبور کر کے حجازیوں کے سپرد کرتے اور یہ اس کو شام و مصر کی منڈیوں تک پہنچا آتے۔ یہ تجارتی حالات کس قدر تورات کے صفحوں سے اور زیادہ یونانی تاریخ سے واضح ہوتے ہیں ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب کے تاجر ۲۰۰۰ دو ہزار برس قبل مسیح کے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے ہیں اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی کڑی ہمیشہ یہی رہی افریقہ اور ہندوستان سے سامان تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضر موت کے سواحل پر اترتا اور یہاں سے خشکی کے راستے سے بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز۔ مدین۔ وادی القری کو قطع کر کے شام پہنچتا اور وہاں سے بحر روم ہو کر یورپ کو چلا جاتا یا شام کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے چل کر اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کو روانہ ہوتا۔

غرض یہ تجارتی شاہ راہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام کو جاتے تھے قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین ظاہر راستہ کہا ہے اور عرب کی بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔ اصحاب الایکہ اور حضر موت کا گاؤں۔ مؤتفکہ اسی راستہ پر آباد تھے قرآن مجید میں ہے انہما لبامام مبین (یعنی یہ گاؤں کھلے راستہ پر ہیں۔ سورۂ السبار میں آتا ہے وجعلنا بینھم وبین القری التی بارکنا فیھا (ای قری الشام) قری ظاھرۃ الخ کہ ان میں دن رات بے خوف و خطر چلو۔

عرب کا ملک ایک بنجر اور بے آب و گیاہ زمین ہے وہاں تجارت کا کیا سامان تھا اس کے متعلق عربوں کے پاس تو معلومات کا مسالہ نہیں مگر جن قوموں کے ہاتھ وہ ان چیزوں کو فروخت کرتے تھے انہوں نے ایک چیز یاد رکھی ہے اس تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں (۱) ایک کھانے کا مسالہ اور خوشبودار چیزیں (۲) سونا جواہرات لوہا (۳) چمڑا کھال زمین پوش بھیڑ بکری یونانی تحریروں سے ظاہر ہوتا

ہے کہ اکثر خوشبودار چیزوں کی خود یمن میں کاشت ہوتی تھی یا ان کے وہاں باغ موجود تھے اس کے متعلق کا بیان سورۂ سبا آیت ۱۵ میں مفصل طور پر دیا گیا ہے ان میں سے بعض تو یمن میں پیدا ہوتی تھیں اور بعض مسالے مقابل کے حبشی سواحل لائے جاتے تھے ہمدانی نے لوبان اور زعفران کی نسبت لکھا ہے کہ یہیں سے تمام دنیا میں جاتا ہے مسالے یعنی لونگ۔ سیاہ مرچ۔ الائچی۔ دارچینی۔ ناریل اور املی وغیرہ جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتی تھیں علاوہ گزشتہ تاریخی بیانات کے خود آج تک یہ چیزیں یہیں سے تمام دنیا میں جاتی ہیں اور ایک بڑا ثبوت اس دعوی کا یہ ہے کہ مسالہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آتے ہیں مثلاً مشک (۱) فلفل (۲) کافور (۳) زنجبیل (۴) صندل (۵) نارجیل (۶) قرنفل (۷) بعض چیزوں کے نام ہندی کا لفظ نام کا جزو ہو گیا ہے مثلاً عود ہندی (۱) تمر ہندی (۲) قسط ہندی (۳) لوہے کی تلواریں (۴) ہندوستان سے بن کر جاتی تھیں۔

موتی خاص سواحل عرب کی چیز ہے۔ بحرین اور عمان کے دریاؤں میں موتی کے خزانے ہیں اور اب تک بمبئی وغیرہ میں موتی کے برابر بڑے بڑے عرب تاجر ہیں۔

سورۂ الرحمٰن آیات ۱۱ تا ۲۲ میں اس کا ذکر ہے ہمدانی نے یمامہ اور نجد کی چھ کانوں کا پتہ دیا ہے۔ سونے کے علاوہ چاندی۔ تانبا عقیق کی کانیں بھی بتائی ہیں۔ در عدن۔ عقیق یمن کی شہرت یہیں سے ہوئی ہے یمن کی کھال پہلے بہت مشہور تھی طائف بھی اس کے لئے مشہور تھا مسلمانوں نے مکہ سے بھاگ کر جب حبشہ میں پناہ لی تھی اور قریش نے ایک شخص کو کچھ نذر تحفہ دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ کہ مسلمانوں کو وہ اپنے ملک سے نکال دے اس وقت بھی قریش کا شاہانہ تحفہ یہی کھال تھا غرض ان چیزوں کو عرب سوداگر اپنے ملک سے باہر لے جا کر فروخت کرتے تھے اور ان ملکوں سے حسب ذیل چیزیں لاتے تھے۔ کپڑا۔ غلہ۔ شراب۔ ہتھیار۔ آئینہ وغیرہ اور آتش کی چیزیں۔ مارب جو سبا کا پایہ تخت تھا روئی اور کپڑے کا کاروبار وہاں سے زمانہ اسلامی تک تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ کے بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا یمن کا کاروبار زیادہ تر ہندوستان کے راستے تھا اس لئے یہ تحقیق نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کپڑے سب یمن ہی میں بنتے تھے یا ہندوستان سے آتے تھے عرب میں بعض کپڑوں کے نام ہندی الاصل ہیں مثلاً ساس (ململ)، فوطہ (چار خانہ دار تہبند) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کچھ کپڑے ہندوستان سے آتے ہوں گے اہل عرب کے تجارت کے شوق کی یہ حالت تھی کہ عرب کے بڑے بڑے بازار تھے جہاں سال میں ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا اور دور دور سے سوداگر یہاں اسباب لاتے اور فروخت کرتے تھے یہ پہلے شام کے پاس دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عراق کے حدود بحرین و عمان سے ہوتا ہوا بحر ہند

کے مقابل حضرموت اور یمن سے گزرتا ہوا حج کا زمانہ مکہ میں گزار کر حجاز سے ہوکر پھر شام میں آکر ختم ہوجاتا تھا اس کا نقشہ آج کل شمالی برما میں بخوبی مل سکتا ہے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ تجارت اور سوداگری عرب کا قدیم پیشہ ہے لیکن چونکہ اسلام سے تین سو سوا تین سو برس پہلے سے یمن اور شام میں سیاسی انقلاب پے در پے ہورہے تھے اس لئے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہاشم پیدا ہوئے تو انہوں نے کاروانِ تجارت کو منظم کیا۔ اہل حبش یمن پر قابض ہوگئے تھے اور شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کئے کہ قریش کو ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے سال کی دو فصلیں مقرر کیں جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام بلکہ ایشیائے کوچک تک قریش سوداگر جاتے تھے قریش کی تاجرانہ ترقی کی انتہا یہ تھی کہ بیوہ اور ناچار عورتوں تک اپنا سرمایہ اس میں لگاتی تھیں اور دوسروں کو اپنا روپیہ دیتی تھیں کہ وہ اس سے تجارت کریں اور نفع میں شریک ہوں چنانچہ حضرت خدیجہؓ قریش کی ایک بیوہ عورت تھیں اس طریقہ سے تجارت کرتی تھیں ان کا سامانِ تجارت ہر سال شام کو جایا کرتا تھا ابو طالب حضرت علیؓ کے والد تاجر تھے اور بڑے بڑے امراء قریش مثل ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ بھی تجارت پیشہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر کئی دفعہ بصریٰ تشریف لے گئے جو شام کی سرحد پر واقع تھا محدثین نے تصریح کی ہے کہ آپ یمن کے بازار جرشی میں دوبار تشریف لے گئے بحرین میں بھی آپ کا جانا ثابت ہے اسلام کے بعد قریش کی تجارتی سرگرمی افسردہ نہ ہوئی بلکہ زیادہ تیز ہوئی وابتغوا من فضل اللہ (سورۃ الجمعہ) کے حکم نے تو اس کو واجب کا درجہ دے دیا حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے مدینہ میں بھی بمقام سنح ان کا کپڑے کا کارخانہ تھا کبھی خود بہ نفس نفیس اسلام کے بعد بصریٰ سوداگری کا مال لے کر جاتے تھے حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے شاید ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت کرتے تھے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پنیر بیچتے تھے حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور شام سے ان کا بیوپار تھا دیگر مہاجرین بھی مدینہ میں تجارتی زندگی بسر کرتے تھے۔

انصار زراعت پیشہ تھے اس لئے مدینہ تجارتی کاروبار تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا مدینہ سے شام تک انہیں کی منڈیاں تھیں مسلمانوں نے آخر کار ان کی جگہ لینی شروع کردی اور آخر ۵ھ ہجری میں ملک کو ان کے پنجہ سے آزاد کیا۔ عرب میں جو بڑے تجارتی میلے لگتے تھے قریش ان میں سے زیادہ عکاظ۔ ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے عکاظ کے بعد ذوالمجاز کے دن آتے تھے یہ میلہ عین مکہ میں آکر

لگتا تھا اور حج تک قائم رہتا تھا، اسلام آیا تو لوگوں نے ان میلوں میں شرکت اور ایام حج میں خرید وفروخت کو برا جانا اس پر یہ آیت اتری لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم الخ

(۱۸۵) انزل فیہ القرآن ھدی للناس الخ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج ہے سلاطین کی تعظیم، فرامین شاہ کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں لوگوں کا ان کے مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا ان کا پڑھنا پڑھانا بھی تھا ان کے علوم کو ہمیشہ کے لئے قبول اور حاصل کرنا بغیر الٰہی کتاب کے بادی الرای محال بھی تھا جس کو وہ پڑھیں یا اس کی بات کریں اس واسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت کا نزول ہو یعنی قانون الٰہی انہیں عطا کیا جائے جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا اور اس کی تعظیم واجب ہو تعظیم کی صورت یہ ہو کہ لوگ اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں اس جگہ قرآن شریف کے متعلق تین خاص باتیں بیان کی گئیں ہیں:

(۱) یہ کہ تمام لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اس لئے ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس میں تعلیم ہے۔

(۲) ہدایت کے لئے یہ بالوضاحت دلائل پیش کرتا ہے اس طرح اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

(۳) دلائل کے علاوہ یہ کتاب فرقان حق و باطل میں کراتی ہے۔

قرآن دراصل قرأ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں جمع اس نے چیزوں کو اکٹھا کیا (لسان العرب مصنفہ ابو الفضل جمال الدین محمد اور تاج العروس) اس کے دوسرے معنی ہیں پڑھنا یا بیان کرنا کسی کتاب کو اسی واسطے پڑھنے اور بیان کرنے پر محمول کرتے ہیں کیونکہ پڑھنے میں حروف اور لفظوں کو ایک ترتیب سے اکٹھا کیا جاتا ہے (مفردات الامام راغب اصفہانی)۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

اس سورۃ کا نام آل عمران ہے جو موسیٰ وہارون علیہما السلام کے والد تھے چونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل سے نبوت کے انتقال کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام آل عمران ہی پڑا ہے۔

الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝١

اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کا خالق ہے اور آخری درجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا محبوب قرار دے۔ الحی وہ ذات جس سے ہر چیز کی حیات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے روحانیت وغیرہ سب سلسلہ اسی سے شروع ہوتے ہیں القیوم سہارا دینے والا یعنی ہر چیز کو سہارا دینے والا۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٢
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝٣ هُوَ الَّذِيْ
يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٥

اتاری تجھ پر کتاب سچی تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور اتارے فیصلے بیشک جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے ان کے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا زبردست ہے حکمت والا۔

دنیا میں جس قدر ہدایت ہے اس کی تصدیق قرآن کرتا ہے۔ وانزل التوراۃ الخ ان ہدایات کے بعد!

اللہ تعالیٰ نے تورات وانجیل نازل کیں مگر ان کی تعلیم لوگوں کو اس قدر مطمئن نہ کر سکی جس قدر قرآن کی تعلیم نے کیا۔
من قبل ھدی للناس پہلی کتابیں بھی دنیا کی ہدایت کے لئے آئیں موسیٰ علیہ السلام بھی تمام دنیا کی ہدایت کے
لئے آئے مگر ان کی قوم آپس میں کٹ گئی اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم
الشان مقصد میں کامیاب نکلے ایک حدیث میں آتا ہے کہ "پہلے نبی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام لوگوں
کے لئے بھیجا گیا ہوں" اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی انبیاء بھی اس مشن کو لے کر آئے مگر ان کی کامیابی ان کی قوم تک
محدود تھی اور آپ کی کامیابی مکمل کامیابی تھی (وھذا مثل قولہ ھدی للمتقین) وانزل الفرقان فرقان
اس سمجھ کا نام ہے جس سے (۱) قانون کا منشاء صحیح معین کر سکے (۲) قانون سے جو باہر چیز ہو اس میں صحیح حل نکال
سکیں (۳) قوم کو اس صحیح حل پر راضی کر سکیں مگر دھوکہ سے نہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر
اصحاب میں اختلاف رائے ہو گیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو کہے آپ وفات پا گئے ہیں اس کی گردن اڑا دوں گا تو
حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ میں سمجھا دیا۔ غرض پہلی امتوں میں جس امت کو کتاب دی گئی اسے فرقان یعنی یہ
سمجھ بھی دی گئی کہ کتاب کو طوطے کی طرح نہ پڑھیں بلکہ فرقان سے اس پر غور و خوض بھی کر سکیں مسلمانوں
نے آج کل قرآن پر غور و خوض کرنا چھوڑ دیا ہے صرف طوطے کی طرح پڑھا رہ گیا ہے ان الذین کفروا
(اد بھم الذین اتبعوا القرآن فی الظاہر وترکوا روحہ) الذی ھو المقصد الاصلی فھم عدو
فی الکفار ومن الناس من یسعی فی ان لا تحدث فی الناس قوۃ یفھمون بھا روح القانون فھو ایضاً
من اعداء اللہ عن الکفار)

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ
وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ
مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ م
وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ
اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ ۶

وقف النبی صلعم
وقف لازم
وقف منزل

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم یعنی ان کے معنی واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب
کی اور دوسری ہیں متشابہ یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں

متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اترے ہیں، اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔

محکم قانونِ الٰہی جس میں شک شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ متشابہات، اب قانونِ الٰہی جو بخوبی سمجھ میں نہ آسکے یعنی دو مطلب نکلے یا یہ یا وہ: الذین فی قلوبھم زیغ یہ طبقہ کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کے پاس متشابہات کی اس طرح تاویل کی جائے کہ لوگوں میں قانون کی اسپرٹ ہی پیدا نہ ہوسکے وما یذکر الا الخ ان کی کیفیت آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴ و ۱۹۹ میں بخوبی دی گئی ہے یعنی جن لوگوں کے دل میں فرقان کی قابلیت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی لوگ ہیں ان میں سوچ و سمجھ پیدا ہوگئی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۷

اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے

دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان قطعی فیصلہ کرے کہ میں اس بات کو بخوبی انجام دوں گا اور اس کے سرانجام دینے کے لئے سرتوڑ کوشش کرے اور نتیجہ اللہ کے ہاتھ چھوڑے اور ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ بھی رہے تاکہ حظیرۃ القدس سے اس کی عزیمت کے موافق رحمت نازل ہوسکے اور کامیاب ہونے میں سہولت آجائے۔

ع رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۸

اے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کچھ شبہ نہیں بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ۔

ضرور ایک دن اللہ متمدن لوگوں کو اس انٹرنیشنل میں جمع کرے گا تو یا اللہ ہم کو سیدھے راستہ پر چلا مبادا اگر ہم غلط رستے پر چلیں اور کامیاب نہ ہوسکیں غرض انسان کو قانونِ الٰہی (قرآن) دیا گیا وہ اس پر عمل کرتا رہے یہاں تک کہ وہ تمام دنیا میں بڑھ جاتا ہے اب وہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ جس طرح قانونِ الٰہی کی پابندی میں ہم سرخسرو ہوئے اسی طرح جس دن تمام دنیا کی قومیں جمع ہوں ہمیں سرخ رو کیجیو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ

اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۹ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۰ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ
اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۱

بے شک جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آدیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے سامنے کچھ اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر اور اللہ کا عذاب سخت ہے کہہ دے کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہوگے اور ہانکے جاؤگے دوزخ کی طرف اور کیا برا ٹھکانا ہے۔

یعنی اعطیت الامم السابقۃ القانون الالٰھی وصارت نتیجۃ انھا اھلکت لعدم العمل بہ کذالک یعطی الناس الآن القانون الاعلیٰ من ذالک القانون ففی صورۃ عدم اتباعہ الھلاک لازم سرور دو عالم نے اس قانون کی پیروی سے کس قدر عظیم الشان انقلاب طبیعتوں کے اندر پیدا کر دیا کہ ایک یورپین مورخ جنگ عمومی کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس قانون کی پیروی نے جس طرح ابو بکر صدیقؓ سا آدمی پیدا کر دیا اگر اس قسم کے دس بیس نوجوان اس کے ساتھ ہوتے تو تمام دنیا میں توحید کا ڈنکا بج جاتا۔ غرض آیت میں کہا جا رہا ہے کہ تمہیں ایک ایسا عمدہ اور اعلیٰ قانون دیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اس کی پیروی نہ کی تو پھر سمجھ

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۲

ابھی گذر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں مقابلہ ہوا ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ زور

! ہیں اپنی مدد کا جس کو چاہے اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کو۔

تمام دنیا کی مشترکہ حقانیت قرآن میں ہے اس کی تعلیم کی پیروی سے جو طبعتوں میں انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے سے دگنی جماعت پر کامیاب ہوتے ہیں یہ درحقیقت جنگ بدر کا واقعہ ہے مسلمانوں کی تعداد الخ جنگ بدر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک نشانی تھی اور حضرت یسوع کی پیشین گوئی کی صداقت کا پورا ہوتا تھا جو عرب کی زمین کے متعلق کہتے تھے" عرب کی زمین کے لوگ پیاسے کے پاس پانی پینے کے لئے لائے انہوں نے اپنی روٹی سے اسے روکا جو ہجرت کرنے لگا تھا کیوں کہ وہ (مہاجرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر) تلواروں سے بھاگے تلواریں جو کھینچی ہوئی تھیں اور کمانوں سے جو کھینچی ہوئی تھیں اور جنگ کی سختیوں اور تکلیفوں سے اس طرح خداوند نے کہا ہے کہ اس ہجرت کے ایک سال اندر قیدار کی شان وشوکت برباد ہو جائے گی اور تیر اندازوں کی بقیہ جماعت اور قیدار کے نامور آدمیوں کی اولاد تباہ ہو جائے گی"

تاریخ کے اوراق پر صرف ایک ہی ہستی ہے جس کی فراری ایک بہت نامور واقعہ ہو گیا ہے جسے ہجرت کا سال کہتے ہیں یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو اپنے ایک وفادار رفیق کے ہمراہ میں محافظوں کی کھینچی ہوئی تلواروں سے بھاگے جب کہ ان کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر میں قیدار (قریش) کی شان وشوکت برباد ہوئی جنگ بدر ہجرت کے دوسرے سال ہوئی خاص طور پر یہود ونصاریٰ کی توجہ اس واقعہ کی طرف منعطف کرائی جاتی ہے اور اس واقعہ سے وہ آنحضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو بخوبی سمجھ سکتے کیوں کہ قرآن اور توراۃ کی پیشین گوئیاں برابر ان کی صداقت سے پوری ہو رہی تھیں ہجرت کا دوسرا سال جس سے مسلمانوں کا سنہ شروع ہوتا ہے ابھی ختم نہیں ہوا تھا

ان فی ذالك الخ غزوہ بدر لعبرة لاولی الالباب الاٰیۃ للیھود والنصارٰی لانہ اخیر فی ھٰذہ الواقعۃ ان عاقبتھم تکون مثل عاقبۃ المشرکین ان کانوا ھم کیونکہ جو اس پتھر سے ٹکرائیگا وہ چکنا چور ہو جائے گا اور جس پر پتھر گرے گا اس کو پیس ڈالے گا (انجیل)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (۱۴) قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا

عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ ج

فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضامندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہمکو دوزخ کے عذاب سے

کیونکہ جس کے پاس یہ چیزیں ہوتی ہیں لوگ۔ اسی کو اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں واللہ عندہ حسن المآب اگرچہ —— خوش انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تاکہ اس کا دل کسی طرح لگا رہے اسی طرف جھکا رہے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنا ہی مقصد زندگی ہے جو مومن اپنے لئے جزء ایمان سمجھتا ہے اور اللہ کے ساتھ رہنا یہ ہے کہ اس کے قانون کی پابندی کی جائے۔ قل اؤنبئکم بخیر من ذلک الخ فی معاوضۃ اتباع القانون وھو الملک الذی بینہ لقولہ جنٰت تجری الخ ومعہ رضاء اللہ تعالیٰ ایضاً۔ اعلم ان متبع القانون یستحق اجرین احدھما فی الدنیا۔ الثانی فی الاخرۃ فحصل المسلمون فی اتباع القانون ملک العراق والحجاز ومصر والشام والایران ولھم فی الاخرۃ اجر خیر منہ۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور حکم بجالانے والے اور خرچ کرنے والے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں

وہ آدمی جو کسی سچے آدمی کو نہ ہی مجنون کہے اور نہ ہی اسے کسی قسم کا دھوکہ دے والقانتین قانون کی روح وصورت کا تابعدار والمستغفرین سلامتی ایمان کی یہ دلیل ہے کہ انسان علی الصباح اپنے اعمال پر نظر ثانی کرے اور عہد کرے کہ کل کی غلطی آج نہیں دہرائے گا۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ النصف

اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی وہی حاکم ہے انصاف کا کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا۔

اللہ نے فرشتوں اور علماء کی جماعت کو شہادت میں اپنے ساتھ لیا ہے فرشتے آسمان میں اور علماء زمین میں اس کی وحدانیت کی شہادت ہے یعنی علماء کا کام منصف مزاجی ہے۔ ملائکہ کی طرح

عیسائی اور دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! آسمانی بادشاہت کی مانند زمین پر بھی بادشاہت ہو جس کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح فرشتے منصف مزاج ہیں اسی طرح زمین پر بھی فرشتوں کی سی منصف مزاجی ہو۔ والملٰئکة ملکی صفات انسان جن پر ملاء اعلیٰ یا اسفل سے کوئی الہام ہوتا ہے وہ بھی خدا کی بادشاہی کی شہادت دیتے ہیں۔ قائما بالقسط حال ہے اولوا العلم سے اگرچہ لفظاً مفرد ہے معنیً جمع ہے تو منصف مزاج اہل علم ہر فرقہ سے مانتے ہیں کہ بادشاہی صرف اللہ کی ہے جبراً جو لوگ حاکم ہوئے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری ہے اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد اور حسد سے اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

عند الله مذهب والا فقط اسمه اسلام و ذكر فى القرآن مرادًا ان مذهب الانبياء كلهم كان اسلامًا و فى موضع ان انبياء بنى اسرائيل بعد ابراهيم كلهم كانوا مسلمين يعنى اطاعت گذار ان میں نافرمانی کا مادہ نہ تھا علم ان الاسلام لم يكن مجرد مذهب الانبياء بل هو حسب ما قال القرآن مذهب فطرة الانسان فطرة الله التى فطر الناس عليها (سورہ روم) و فى الحديث كل مولود يولد على الفطرة الحديث - ليس معنى الاسلام مجرد الاطاعة بل قد يأتى بمعنى الدخول فى الامن وهو فى الحقيقة يعطى تعليم الامن كما فى سورة الرعد من آيت ۲۲ الى آيت ،

ان المقصد الذی یذھب الاسلام الیہ ھو موضع سلامۃ وما اختلف الذین الخ الکتاب یعنی ھذا القانون الالٰہی تو انہوں نے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے جھوٹ کو سچ میں ملا دیا اور اس طرح قانون شکنی کی ومن یکفر الخ ہر مہذب گورنمنٹ کا دستور ہے کہ وہ مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت پر سزا دیتی ہے اسی طرح اللہ بھی قانون شکنی کی سزا جرم کی نوعیت پر دے گا کیوں کہ اللہ حساب لینے والا ہے وہ ہر ایک کو اس جرم کی سزا دے گا بنی اسرائیل کو جب سزا دی قانون شکنی کی تو حکومت جو نعمت الٰہیہ ہے ان سے لے کر قانون الٰہی پر عمل کرنے والی مسلمان جماعت کو دے دی گئی ۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (۲۰) ع ۱۱ ۲۰

پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں ، اور کہہ دے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ۔

بنو اسرائیل والمشرکون ویؤلون تاویلات مختلفۃ فی امور حقیرۃ ۔ فقل اسلمت الخ ای نؤمن انا وصحابتی بالکتب المنزلۃ من اللہ تعالیٰ علی اھل الدنیا فقل کتاب تتبعونہ منزلا من اللہ لا نتاخر من الایمان بہ ۔ قل للذی الخ الامیین اھل العرب ای سئل اھل العرب والیھود والنصاریٰ ءاسلمتم بالصداقۃ مثلنا یعنی تومنون بالکتب المنزلۃ کلھا مثلنا یعنی تم اس قانون اسلام کی پابندی کرو کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے وسیع اور بلند اصول پر مبنی ہے کیونکہ تم سب (عرب یہود و نصاریٰ) ابراہیم علیہ السلام کو نبی مانتے ہو اس لئے اس جگہ ءاسلمتم فان اسلموا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہی الفاظ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ظاہر کرتے ہیں کیونکہ تمام قومیں ابراہیم علیہ السلام کی صداقت کی قائل تھیں اس لئے اس کے مذہب کے اصول ان چاروں قوموں (چوتھی قوم مسلمان) کو آپس میں ملا سکتے تھے فان اسلموا اسلموا ھذا ا فقد اھتدوا ای فوقعوا علی الطریق المستقیم اور قانون الٰہی کی تابعداری پر کمربستہ ہیں ۔ وان تولوا ای الفرق الثلثۃ عن اتباع القانون فاترکوھم علی ضدھم وعنادھم ۔ وانما علیک البلاغ

والنصیحة باتباع القانون فان لم یرضوا عنه الله بصیر بالعباد ای من یحب قانونه و من یکسر یجزیهم باعمالهم الحاصل علم فی هذه الایة ان اهل المذاهب الاخری ان اثبتت مقبهم من عند الله امن المسلمون به علی الفور. وکذلك علی المسلمین ان یعرضوا عند اهل المذاهب مالم لهم فی تسلیمه تردد یعنی لایرضوا عنه امرا ضعیفاً یقدرون علی ردہ یعنی بین الاقوامی بات پیش کریں گے جو سب مذاہب میں مشترک ہے غرض اس میں بتلایا گیا کہ مسلمان ہر ایک قوم سے تحقیق شدہ مسائل میں صلح کرنے کو تیار ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾

جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے سو خوشخبری سنا دے ان کو عذاب دردناک کی۔

اُخبرنی هذه الایة ان الجماعة المخالفة لجماعة تحب القانون موجودة فی مقابلتهم وهی ری ایکشنری رجعت پسند سعیها اقامة القتل والفساد فی الدنیا حتی لایجری القانون البین الاقوامی فی الدنیا بعد الصلح بین الجماعات کلها اور نظام عالم کو درہم برہم کردیا جائے۔ فبشرهم ای مثل هولاء الکاسرین لقانون بعذاب الیم علی کسرهم القانون واقامة الفساد فی الدنیا لان اقامة الفتنة والفساد اشد من القتل فلهذ یجری علیهم آخر حد القانون ای یقتلون وتعطی حکومتهم لجماعة تحب القانون رأی المنافقون والمشرکون هذ العذاب فی الدنیا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

یہی ہیں جن کی محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں کوئی نہیں ان کا مددگار۔

حبطت اعمالهم السابقة حین ارادوا سد القانون من النفوذ مثل رجل یسعی بتمامه فی خدمة رجل لکن تصیبه النقصان فی الآخر بوجه فتحبط اعماله السابقة فی خدمت مولاه او مثل عسکری (سپاہی) صرف نفسه مدة العمر فی خدمة الفوج لکنه التحق فی آخر عمره بالاعداء وصار باغیاً فضاعت خدماته السابقة کلها۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

کیا نہ دیکھا تونے ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصہ کتاب کا ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان میں حکم کرے پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے تغافل کرکے۔

ای الیھود وقال نصیبا لانه قد ضاع الی ھذ الوقت کثیر من الکتاب، فبقی عندھم حصة واحدة فقط من قانون الٰھی والباقی اما ضاع او صرفوه علی یطابق مقصدھم الحاصل اذا کانت الیھود الذین اوتوا شیئا من فھم الکتاب انھم یعرضون عن التوراة وقت العمل بھا عن جعلھا حکما وقت الاختلاف فلا تسئل عن حال الجھال۔ فھم کل الکتاب ھو خط الراسخین فی العلم حکما العمل ضروری بحا فھم یدعون الی کتاب یعنی مجلس میں بیٹھ کر قانون الٰہی کے مطابق درمیانی فیصلے کریں اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو معاملہ کی تہ تک پہنچے اس کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنی جماعت میں عوام کی نمائندگی کرے اور نمائندگی اس طرح کریں کہ عوام بھی سمجھ لیں کہ سب کام ہمارے ہی فائدے کے لئے کر رہے ہیں اگر یہ جماعت ایک طرف زیادہ جھک جائے گی تو عوام سے بہت دور ہو جائے گی یعنی اس جماعت کو انفرادی فوائد کے بجائے جماعتی اور اشتراکی فوائد کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے مجلس شوریٰ میں تمام مسائل کو اپنی نقطہ نظر سے حل نہ کرے بلکہ جماعتی فائدہ کو مد نظر رکھے۔

مثلاً عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے ان کو اپنی صنعت کے ظہور کے لئے بغیر باپ کے پیدا کیا انہوں نے دنیا میں نیک کام کئے اور اللہ کے دین پھیلانے میں حتی المقدور کوشش کی حتیٰ کہ یہود ان سے بگڑ گئے اب نصاریٰ ان کا رتبہ اس قدر بڑھا رہے ہیں کہ ان کو ابن اللہ کے رتبہ تک لے گئے اس کو ہر شخص تو نہیں مان سکتا وان کانت الفضیلة تقف علی التوالد من غیر اب فماذا یکون شان آدم الذی تولد من غیر اب وام۔ غرض بتلایا کہ مجلس کے مشورہ سے فیصلہ کرو خود ہی کسی بات کو مت بڑھاؤ۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي
دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾

یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں وہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے اور بہکے ہیں اپنے دین ← میں ان باتوں پر جو بناتے تھے

الاعراض بانهم بسبب انهم قالوا الخ وهو غلط كما ذكر في سورة البقرة في آيت ۱۱۱

اسی خیال میں مبتلا ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو نہ صرف دھوکہ ہی دیا بلکہ اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

پھر کیا ہوگا حال جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن کہ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاویگا ہر کوئی اپنا کیا

وہاں یہ نہیں ہوگا کہ یہ نصرانی یا یہودی ہے بلکہ عمل صالح پر دار و مدار ہے کما فی سورۃ البقرۃ آیت

۱۱۲ ان النجاة عن عمل صالحا كذلك اعطيت الحكومة في اتبع القانون الالهي يعني حكومت كا

دار و مدار عمل ہی پر ہے

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن

تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾

تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے

اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے اور ~~ذلیل کرے جس کو چاہے~~ تیرے ہاتھ ہے سب

خوبی بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

يعني خذ الحكومة من الذين يعصون قانونك واعطناها لانا نتبع قانونك . اعطاء العزة

والحكومة عطيت منك

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن کو رات میں اور تو نکالے زندہ مردہ سے اور نکالے مردہ

زندہ سے اور تو رزق دے جس کو چاہے بے شمار۔

یعنی قانون قدرت اس بات کا مقتضی ہے کہ رات کے اندھیرے کے بعد صبح کی روشنی نمودار ہو

اسی طرح اللہ کی نعمتِ حکومت وعزت اسی قوم کو دی جائے گی جس کی شب کے بعد اقبال مندی کا صبح کا ظہور ہوگا۔

وتولج النھار فی اللیل یعنی دن کے بعد پھر تاریکی آتی ہے یعنی قانونِ الٰہی پر عمل کرنے میں عزت کو ذلت سے تبدیل کردیا جاتا ہے یعنی حکومت و دولت چھین کی جاتی ہے عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو پہلے ہی متنبہ کردیا تھا کہ خداوند کی حکومت تم سے چھین لی جائے گی اور اس قوم کو دی جائے گی جو اس کے پھل سے فائدہ اٹھائینگے" یعنی اگر تم قانون کے پابند نہ ہوگے تو تم سے حکومت چھین کر پابند قوم کو دی جائے گی۔

وتخرج الحی الخ مردہ عربوں نے ایک قوم کو زندگی دی گئی جس نے قانون کی پیروی سے زندگی حاصل کی وتخرج المیت من الحی جس قوم نے حکومت ملنے پر قانون کی پابندی چھوڑ دی، اس کو مردہ تصور کرنا چاہئے اس لئے کہ آج نہیں تو کل ضرور ہی حکومت چھین لی جائے گی اس لئے کہ وہ قوم مردہ ہے یہود کی زندہ قوم کو اب مردہ سے تشبیہہ دی جارہی ہے کیونکہ قانون کی پابندی نہ کرنے والی جماعت سے حکومت چھین لی جاتی ہے پھر وہ مردہ ہوجاتی ہے سورۂ النساء ایت ۵۴ میں یہود کے متعلق کہا گیا ہے فقد اتینا ال ابراھیم الخ مگر قانون الٰہی کی پیروی چھوڑنے پر ان سے حکومت چھین لی گئی وترزق من الخ یعنی قانون کی پابندی کرنے والوں کو حکومت کی نعمت عطا کرتا ہے ذکر اللہ تعالیٰ لایفاء وعدہ (المذکور فی قولہ اللھم الخ) ثلثۃ شرائط حفظ العزۃ فی الاعداء وحصول نصرۃ اللہ واجتماع القوۃ اعن الاتفاق فھذہ الثلثۃ شرائط لحصول السلطنۃ ولبقائھا ذکر طریق الاول بقولہ لایتخذ المؤمنون الخ وخالف حاطب بن ابی بلتعۃ نزل یا ایھا الذین امنوا لاتتخذوا الخ وذکر طریق الثانی قل ان کنتم تحبون اللہ الخ من اللہ الامور للمسلمین حصول معیۃ اللہ ونصرتہ فبعدہ لاحاجت لھم الی تحصیل الاسباب المادیۃ لان للھن جنود السموات والارض من البعوضۃ الی الملٰئکۃ من ذی روح وغیرہ ذی روح فتکون الکل للمسلمین اھلک اللہ تعالیٰ نمرود بالبعوضۃ بل اسباب الاعداء وافواجھم تکون للمسلمین فی عین وقت المقابلۃ بلکہ ذا رذوق بعض الاحیان۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِىْ شَىْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (۲۸)

نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر

اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

مسلمانوں کو حکومت ملنے پر ضروری ہے کہ ان کے پاس حکومت کے راز بھی رہیں گے تو دشمنوں سے دوستی رکھنے سے لازماً وہ حکومت کے راز سے واقف ہو جائیں گے اس کے بعد مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ ہو جائینگے اس لئے کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اخلاقی معاملات میں جو دشمن نہیں وہ دوست ہیں۔ اور جو دوست ہیں وہ دشمن نہیں مگر حکومت کے معاملات میں جو دوست نہیں وہ دشمن ہیں حتیٰ کہ جو غیر جانبدار ہے وہ بھی دشمن ہے حکومت میں صرف ان لوگوں کو شریک کیا جائے گا جن پر پورا اعتماد ہوگا وہ کام کرنے میں اشتراکی ہوں گے ہر ایک اپنے کام کے لئے ذمہ دار ہوگا اگر کوئی قصور کرے گا تو اسے پوری سزا دی جائے گی۔

یہ حکومت اللہ کے نام سے جاری ہے اس لئے ہر ایک کو پوری ایمانداری سے کام کرنا ہوگا ہر ایک بات کو نہایت دیانت داری سے سرانجام دینا ہوگا ایک عجمی بادشاہ ایک دفعہ جنگل میں راستہ بھٹک گیا آخر بہت تلاش کے بعد آبادی کی طرف آنکلا پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا ایک زمیندار کے مکان پر آیا اس میں صرف لڑکی موجود تھی اس سے پانی مانگا اس نے جلدی سے گنے کا رس نچوڑ کر حاضر کیا بادشاہ نے پوچھا کہ کس قدر گنوں سے رس نچوڑا اور اس کے ساتھ ہی کہ تم اتنی جلدی رس لے آئی اس نے کہا صرف ایک گنے سے بادشاہ نے خیال کیا کہ گنوں میں اس قدر رس ہے اس پر محصول زیادہ کرنا چاہیئے ایک اور رس کا گلاس مانگا مگر اس دفعہ لڑکی بمشکل دو تین گنوں سے پہلی مقدار کا رس نکال سکی گلاس لائی اور کہا کہ بادشاہ کی نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے اس واسطے اس کی مقدار بہت کم ہو گئی بادشاہ دل میں نادم ہو کر اپنے ارادہ سے باز رہا اس واسطے قرآن میں حکم ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے دل کے راز تک جانتا ہے۔ (آیت ۲۸) اور دلوں کے راز تک کا وہ حساب لے گا یہ اس لئے کہ اصل بادشاہی صرف اللہ کی ہے انسان اللہ کے نام پر اس کا سلسلہ چلا رہا ہے اس لئے دلی خیالات بہت جلدی اثر لاتے ہیں اسلام نے لوگوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا ہے (۱) مذہبی جماعت جس کی ہوگی اس گروہ میں مسلمانوں کے سوائے کوئی فرد داخل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسلام نام ہے ایک جماعت کا جو سوشیل مذہبی اور اقتصادی مکمل انقلاب پیدا کرتا ہے اس جماعت کے ممبروں کے لئے کہ وہ اسلامی اصول پر مکمل طور پر عامل ہوں ان میں سے جو اسلامی قوانین کی مخالفت کرے گا تو یہ جماعت اسے برداشت نہیں کر سکتی اسے پوری سزا دے گی یہی گروہ یا پارٹی برسر اقتدار ہوگی اسی پارٹی سے مرکزی حکومت پیدا ہوگی اسی مرکزی حکومت میں کوئی غیر مسلم عنصر داخل نہیں ہو سکتا اس کے متعلق یہاں تک سختی روا رکھی گئی ہے کہ حجاز جس میں مسلمانوں کی مرکزی طاقت تھی یہاں سے تمام غیر مسلموں

کارِ زرے طور پر اخراج کردیا گیا تھا اس لئے کہ مرکزی طاقت میں کوئی غیر مسلم نہیں رہ سکتا حضرت عمر کے زمانہ سے بہت پہلے غیر مسلموں کو حجاز سے نکال دیا گیا تھا فاروق اعظم کے زمانہ میں وراثت کے حساب کو طے کرنے کے لئے شام سے ایک عیسائی کو جو علم ہندسہ میں ماہر تھا بلایا گیا تھا تاکہ اس کے علم سے فائدہ اٹھایا جاسکے مگر حکومت میں وہ کسی قسم کا دخل نہیں دے سکتے تھے حضرت عمر کے زمانہ میں مصر، شام، عجم وغیرہ فتح ہو چکے تھے اگر اسلام جمہوریت کی تعلیم دیتا تو ان ولایت میں جہاں کے غیر مسلم یعنی یہود و نصاریٰ کا عنصر زیادہ تھا وہاں غیر مسلموں کا عنصر زیادہ رہتا اور انہیں کی حکومت میں کثرت رہتی مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا مرکزی طاقت یعنی مدینہ منورہ میں صرف مسلمان تھے اور مجلس شوریٰ میں صرف مسلمان ہی تھے جنہیں یہاں تک آزادی تھی کہ خلیفہ پر خطبہ کے وقت ایک معمولی سی عورت بھی اعتراض کرنے کا حق رکھتی تھی ان کے سوا کسی اور قوم کو مرکزی طاقت کے عمال پر اعتراض کرنے کا حق نہیں تھا غرض یہ مذہبی جماعت مرکزی طاقت میں کام کرتی ہے اور اس میں صرف مسلمان ہی ہوتے ہیں اس کے باہر یعنی صوبوں میں جہاں غیر مسلم نہیں رہتے ہیں وہاں کے عامل یعنی گورنر ملکی اور فوجی نظام کے چلانے والے مسلمان ہی ہوں گے گو غیر مسلم طبقہ کو بھی حکومت کی مشینری میں لے لیا جائیگا مگر اس حساب سے کہ اس میں مسلمانوں کی کثرت رہے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حجاز، مصر، شام، عجم وغیرہ صوبوں کے عامل یعنی ملکی و فوجی نظام حکومت چلانے والے صرف مسلمانوں کا ہی تقرر ہوتا تھا گو مددگار کے طور پر غیر مسلموں کو لے لیا جاتا تھا مگر حکومت کی کل مشینری چلاتے ہیں ان کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا تھا خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ بر سرِ اقتدار آگئے ان کے عہد میں اس قدر فرق پڑگیا کہ پہلے حکومت کے کام میں یعنی مسلمانوں کی مرکزی طاقت میں تمام مسلمان ڈکٹیٹر کے طور ہوتے تھے مگر بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں صرف شاہی خاندان کے افراد بادشاہی خاندان کا قبیلہ برسرِ اقتدار ہوتا تھا اور وہ اپنے میں سے ایک آدمی کو اپنے اوپر مانتے تھے مگر خلیفہ کو ان کی بات ماننی ضروری تھی عباسیہ کے زمانہ میں جب برامکہ نے اپنے آپ کو خود مختار بنانا چاہا تو عباسی خاندان اس کو برداشت نہیں کرسکا اور مہدی نے ان کا نام صفحہ ہستی سے مٹادیا مامون نے بھی جب عجمیوں نے مرکزی حکومت میں کام شروع کیا وہ بھی برداشت نہیں کرسکا بنی عباس کے پہلے خلیفہ کی یہ حالت تھی کہ ابومسلم خراسانی کی مدد سے شروع ہوا اس کی سلطنت ہوا مگر جب خلیفہ نے دیکھا کہ ابومسلم خراسانی مرکزی حکومت میں دخل دے رہا ہے تو اس کو قتل کردیا مگر جب خاندان کے بجائے ڈکٹیٹر شپ شخصی ہوگئی تو حکومت تباہ ہوگئی اس لئے کہ دوسری قسم یعنی خاندان میں ڈکٹیٹر شپ ہونے میں پھر بھی مخلصانہ پند و نصائح کرنے والے کسی نہ کسی رنگ میں ہوتے ہیں مگر جب یہ حالت

شخصی قوت میں منتقل ہوگئی تو سلطنت تباہ ہوگئی۔

یہ خیال کہ اسلام جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے غلط ہے اس لئے کہ جمہوریت میں قانون نہیں ہے گو مجلس کو اختیار ہے کہ جس طرح قوانین چاہے بنالے یعنی مجلس کے ممبر مشورہ کے بعد اپنے لئے ایک قانون بنا سکتے ہیں اس کے خلاف اسلام پہلے قانونِ الٰہی پیش کرتا ہے اس کے بعد قانون کے تحت انہیں کام کرنے کی اجازت دیتا ہے یعنی اس لائحہ عمل سے کسی کو آگے پیچھے جانے کا اختیار نہیں لائحہ چلانے والی "مرکزی طاقت" ہے اس پر اعتراض کرنے کا ہر ایک مسلمان کو حق ہے۔

{۲} دوسری قسم جسے اسلام نے روا رکھا ہے وہ ذمی ہے ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اسلامی انقلاب کے خلاف نہ ہوں اور اسی کے ماتحت امن کی زندگی بسر کریں اور جزیہ دیں سورہ توبہ آیت ۲۹ میں اسی جماعت

{۳} تیسری قسم وہ ہے جو اسلامی انقلاب کے مخالف ہو اسلام اس جماعت کے ساتھ لڑنے کا حکم دیتا ہے جب تک کہ یہ جماعت مغلوب ہو کر دوسری قسم کی زندگی بسر کرنے کے شرائط تسلیم نہ کرلیں سورہ توبہ آیت ۱۲ میں اسی جماعت کے متعلق ذکر ہے۔ مشرکین جو کوئی دین بھی نہیں رکھتے اور انقلابی تحریک (اسلامی) کو بھی پسند نہیں کرتے ان کا ذکر آیت ۳۶ سورہ توبہ میں ہے وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ ا ہ یعنی جماعت = مذہبی نقطۂ نگاہ سے اور اسلام کی انقلابی تحریک سے بچنے کے لئے لڑتے ہیں اس واسطے مسلمانوں کو بھی حکم ہے کہ وہ کفار سے اسی طرح لڑیں اور اس کے بعد آیت ۱۲۳ میں حکم ہے یاایہا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم ا ہ اگر تمام مسلمانوں کی ایک مرکزی حکومت ہو تو وہ کفار سے لڑنے کا حکم دے سکتی ہے اور جس محاذ پر کفار سے لڑنا ہوگا یہ "مرکزی حکومت" اس محاذ پر روانہ کرے گی مگر جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو (مرکزی حکومت) اس وقت تک یہی حکم ہے کہ ہر مسلمان حکومت اپنے متصل کفار سے لڑیں اور اس طرح اسلامی طاقت جلدی بڑھ سکے گی اور "مرکزی طاقت" کے پیدا ہونے کا امکان ہوگا۔

سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳ میں اگرچہ ظاہری طور پر الفاظ عام ہیں مگر اس سے مطلب وہ زمین ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو ارض مقدس دی گئی اس میں فقط یہ دین ہی قائم ہونا چاہئے اور باقی تمام طاقتیں مغلوب ابراہیمی دین جو اسلامی انقلاب کو قبول کرلیں ان کو مرکز میں آنے کی اجازت ہے اور کوشش یہ ہوگی کہ ان کو اس زمین میں مسلمان اپنے اندر ہضم کرلیں اور دینِ ابراہیمی کے سوائے اور کوئی دین نہ رہے اسی لئے اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح اور کھانے پینے کی اجازت ہے تاکہ سوشیل (معاشرت) رہے اور اسلام ان کو اسی طرح اپنے اندر ہضم کرے کسی ملک میں انقلابی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں تمام غیر انقلابی تحریکوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور یہ تمام دنیا کے لئے انٹرنیشنل پروگرام کا مقام ہے اور یہ دنیا بھر کے لئے نمونہ

کو کام دے گا نجانہ پرانی دنیا کے عین وسط میں ہے ایک طرف ایشیا تو دوسری طرف یورپ اور تیسری طرف افریقہ اور تینوں براعظموں کی نمائندگی کرنے والی قومیں اس خطہ میں آباد ہیں۔

اولیاء جمع ولی جس کے معنی ہیں اس نے حکومت یعنی سرداری رکھی یا کسی چیز پر قبضہ رکھا یا کسی چیز پر نگرانی رکھی اس لئے اس کے معنی ہوئے کسی چیز کا منیجر یا مالک یا کسی دوسرے کے معاملات کا مالک اور کسی یتیم کا نگران یا اس کا پرورش کرنے والا اور کسی عورت کا محافظ جسے اس کی شادی کرنے کا مجاز ہے اس لئے اس لفظ میں تمام نزدیکی تعلقات یا رشتہ داری شامل ہے ایک انسان کو ولی اللہ کہتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ آدمی اللہ کے نزدیک ہے یا اللہ کا دوست ہے غرض اس لفظ میں یہ خصوصیت بتلائی گئی ہے کہ کسی آدمی کا اسقدر گہرا اور عزیز دوست ہونا کہ اس کے مقاصد اور اغراض اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ومن یفعل ذلک (یعنی اپنے مقاصد غیر مسلموں کے ہاتھ مت دو) فلیس الخ تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت یعنی حکومت لے لیگا الا ان تتقوا الخ یعنی جان بچانے کے لئے ظاہری دوستی (منافقانہ طور پر) دشمن سے کر لو مگر اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ اپنی مرکزی طاقت کے تحت کام کرتے رہو ہر ایک خود مختاری نہیں کریگا بلکہ اسے تمام احکام میں مرکزی طاقت کے ماتحت رہنا ہوگا مثلاً ایک آدمی کو دشمن کے کیمپ میں روانہ کیا وہ وہاں جاکر دشمن سے جا ملا اس سے جب باز پرس کی گئی تو کہنے لگا میں نے جان بچانے کی غرض سے ایسا کیا تھا غرض ایسی چالاکی مرکزی طاقت کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا شیعہ نے بھی اسی سے مسئلہ تقیہ نکالا ہے گو مسلک ٹھیک ہے مگر انہوں نے یہ بربادی کی امام کے حکم کے ماتحت رہنے کی قید اڑا دی خود مختارانہ کام شروع کر دیا۔

غرض جو بات بھی ہو مرکزی طاقت کے مشورہ سے ہونی چاہئے ڈپلومٹک پالیسی میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دشمن کو جنگ کے موقعہ پر ہر ممکن طریقہ سے دھوکہ دیا جائے اس لئے کہ خون ریزی کم ہو اور فائدہ زیادہ مگر اپنی قوم کو دھوکہ دینے کی اجازت نہیں ہے بادشاہ یا خلیفہ اپنے خاندان قوم یا شہر کے لئے کوئی خصوصیت پیدا نہیں کر سکتا اسے ہر ایک کے ساتھ برتاؤ یکساں کرنا پڑے گا اگر وہ دشمن کی طرح اپنے آدمیوں کو بھی دھوکہ دے تو اس صورت میں وہ دینی حکومت نہیں رہے گی بلکہ اس درجہ سے گر کر "ملک داری" کی حکومت ہو جائے گی جیسے

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ اور اس کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں

میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس لئے کہ یہ دینی حکومت ہے جو اللہ کے نام سے چلائی جا رہی ہے وہی اس کا محافظ ہے ذرہ ذرا ذرا سی بات کا حساب لے گا اسی کا اثر تھا کہ فاروق اعظمؓ جیسی بزرگ ہستی قحط کے ایام میں سخت گرمی کے موسم میں ایک غریب بڑھیا کے لئے آٹے کی بوری اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں اور کبھی یہ حالت ہے کہ شام کے سفر میں باری باری غلام کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور کبھی یہ حالت تھی کہ ایک عورت شیر خوار بچہ کا دودھ چھوڑا رہی تھی کہ اس کا ماہانہ مقرر ہو جائے اور آپ اس سے بے قرار ہو جاتے ہیں۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ رَءُوفٌۢ بِٱلْعِبَادِ ○

جس دن موجود پاوے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کر کی ہے اس نے برائی آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر۔

تو تم نے اگر دینی حکومت چھوڑ کر ملک داری کی حکومت اختیار کی تو اللہ حساب لے گا کیونکہ انسان کو دنیا پر اس لئے روانہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے نام سے اس کی زمین پر حکومت کرے مگر دینی حکومت کو ملک داری حکومت میں بدلنے والے اس دن سخت پریشان ہوں گے اور کہیں گے کہ کاش اللہ تعالٰی اس کا حساب نہ لیتا ویحذرکم اللہ نفسہ اس لئے اللہ تعالٰی تمہیں اس سے خبردار کرتا ہے کہ ملک داری کا خیال چھوڑ کر دینی حکومت کی طرف رجوع کرو۔ واللہ رؤف اس لئے قبل از وقت اپنے بندوں کو چوکنا کرتا ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کر تم دینی حکومت قائم کرو گے تو اللہ تمہارا نگہبان ہوگا اور دینی حکومت کے چلانے میں جو غلطی ہوگی اسے صاف کر دے گا کیونکہ نیک نیتی سے کام کر رہے ہو اسلئے

کے لئے اللہ تعالیٰ نادانی کی غلطیاں معاف کر دے گا۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے۔

اطاعۃ اللہ ھو الاخذ بالقرآن واطاعۃ الرسول اخذ طریق العمل الذی بینہ ابن علیہ السلام لا تخترع صورۃ عملیۃ للعمل بالقرآن فی مقابلۃ صدرۃ اختارھا ابن علیہ السلام لانھا مردودۃ عند اللہ کما علم فی شان نزول "قل ان کنتم تحبون اللہ الخ" کما ھو وآب اھل القرآن فی ھذا الزمان فانہ کل عمل ھو خلاف سنۃ النبی علیہ السلام وسنۃ الخلفاء فھو مردود عند اللہ وان زعم عاملہ انہ یرضی اللہ عنہ مثل ما یفعلہ اھل الزمان من اھل البدعۃ فلو تدبروا فی ھذہ الآیت والتی قبلھا اعنی قل ان کنتم تحبون اللہ الخ لا تضح الامر عندھم لکنھم لا یریدون الحق.. یعاندون یعنی اگر دینی حکومت کو اس قانون الٰہی کے تابع ہو کر اگر چلاؤ گے جو تمہیں بذریعہ رسول ملا ہے تو اللہ تمہارا نگہبان یعنی حکومت تمہارے پاس رہے گی لا یحب الکافرین بمعنی الذین لا یتبعون

القانون یعنی مطلب منھم نعم

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے۔ جو اولاد تھے ایک دوسرے کی، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

آل بمعنی الاولاد ممکن لا مطلقا بل القابل اور اپنے باپ کے پروگرام پر عمل کرنے کا عہد کرے اگرچہ غیر نسبی ہو اس لئے کہ رشتے ایک دو پشت تک عموماً ملتے ہیں۔ غرض جو شخص اپنے بزرگ کے پروگرام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم رکھتا ہو وہ آل کے معنی میں شامل ہے اور حدیث "سلمان منا اہل البیت" شاہد عدل ہے علی العلمین عالمگیر یعنی بین الاقوامی اس میں صرف غور و فکر کرنے والی جماعت شامل ہے اور غیر سوچنے والی مثلاً جمادات و حیوانات اس میں شامل نہیں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام اقوام میں برگزیدہ کیا۔

ہندوؤں میں، چار فرقے قرار دیئے گئے برہمن چھتری ویش شودر برہمن کا کام یہ تھا کہ وہ تعلیم میں

یکتا ہو اور باقی فرقوں کو تعلیم دے سکے اسی طرح چھتر سے مراد یہ تھا کہ وہ دلیر ہو اور سپاہیانہ سپرٹ اور جوش اس کے اندر ہو اور ویش کا کام یہ تھا کہ وہ اپنے فن میں ماہر ہو اور شودر وہ تھے جو مفتوح قوم تھے ان سے خدمت کا کام لیتے تھے مگر بعد میں ہندوؤں میں غلطی یہ ہو گئی کہ اگر برہمن کا لڑکا قابل نہیں ہوا تو اسے پھر بھی بدستور برہمن رہنے دیا گیا اسی طرح اگر کسی چھتری میں سپاہیانہ اوصاف نہ پائے جاتے ہوں تو بھی اسے چھتری قرار دیا گیا اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام نظام درہم برہم ہو گیا درحقیقت مدعا یہ تھا کہ ہر ایک اپنے فن میں یکتا پیدا ہو جیسے ہمارے ہاں مشائخ کی اولاد باوجودیکہ اپنی فنا و بقاء کی حقیقت سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہوتی اور وہ پھر گدی نشین ہوتے ہیں اسی طرح اب حضرت آدم۔ نوح۔ ابراہیم کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ ان کی اولاد میں سے جو قابل اور فخرِ روزگار ہوں گے ان کا انتخاب کیا جائے گا اور صرف انہیں کو برسرِ اقتدار کیا جائے گا نالائق کو جگہ نہیں دی جائے گی جیسے نوح علیہ السلام کے لڑکے کا واقعہ ہے بیٹا اگر نالائق ہو تو اس کی بجائے دوسرا قابل آدمی رکھا جائے گا اگر لڑکا قابل ہے مگر ایک اور شخص اس سے بھی زیادہ قابل ہے تو زیادہ قابل کو ترجیح دی جائے گی ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر کی تو کہا فمن تبعنی فانہ منی یعنی جو ہمارے پروگرام پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے ہے اور نالائق کو اپنے میں سے خارج کیا یعنی برسرِ اقتدار صرف قابل ہی لوگ ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر عمل کر کے دکھلایا آپ کی اولاد سے اگر کوئی قابل ہے تو وہ سردار ہے (سید) اگر اس کے بجائے غیر نسبی قابل ہے تو وہی سردار ہوگا۔ نسلی امتیاز اسلام نے روا نہیں رکھا التحیات میں جو درود (اللھم صل علی محمد الخ) پڑھا جاتا ہے اس سے مراد یہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر چلنے والے ہیں۔

مغلیہ خاندان ہندوستان میں شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں عین اوج پر تھا مگر مشکل یہ ہوئی کہ اورنگ زیب کے بعد نااہل تخت پر بیٹھے جو حکومت کو چلا نہ سکے۔

اس آیت میں چار مراتب بتلائے (۱) آدم (۲) نوح (۳) ابراہیم (۴) آلِ عمران۔ آلِ عمران سے بعض عیسٰی علیہ السلام مراد لیتے ہیں اس لئے کہ آگے چل کر ان کا ذکر شروع ہو جائے گا اور بعض موسٰی علیہ السلام مراد لیتے ہیں اس لئے کہ ان کے باپ کا نام عمران تھا اور موسٰی علیہ السلام بین الاقوامی پروگرام کی تعمیر میں ایک آدم اور نوح کے ساتھ آل کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اس لئے کہ ان کے زمانہ میں تعلیم خاندانی تھی اور ابراہیم اور عمران کے ساتھ لفظ آل آیا ہے اس لئے کہ ان کی امت میں سے اتباع کرنے والے بھی برگزیدہ بنائے جائیں گے ذریۃً بعضھا من بعض ایک خاندان کی ترقی دوسرے میں منتقل ہوتی چلی آئی ہے یعنی ایک کی

ترقی ضائع نہیں ہوتی بلکہ دوسرے میں منتقل ہوکر چلی جاتی ہے غرض اس آیت میں بتلایا گیا کہ اسی عالمگیر پروگرام میں اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح علیہما السلام وغیرہ کو ایک دم اس کمال پر نہیں پہنچایا بلکہ وہ قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے سے تدریج اس کمال تک پہنچے

اختار ھٰذہ الواقعۃ من الواقعات للتفصیل بخصوصۃ المقام اعنی الرد علی النصاریٰ والیھود لان المقصود بالذات فی ھٰذہ السورۃ اصلاح النصاریٰ وذکر الیھود تبعًا فرد فی ابتداء السورۃ التثلیث ونبوۃ عیسیٰ علیہ السلام واراد الاٰن ان یبین حالات عیسیٰ وامہ الصحیحۃ ازالۃ تشنیعهم لان الیھود قالوا انہ ولد زنیۃ وقال النصاریٰ انہ ابن اللہ زعما فیھم ان الولد لایمکن فی غیر اب ففی ھٰذہ الواقعات سبق لنبی علیہ السلام وصحابۃ اعنی قضاء حاجات المخلصین واستجابۃ دعائهم وسبق للنصاریٰ والیھود۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾

جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد رکھ کر سو تو مجھ سے قبول کر بے شک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا۔

حضرت مریم کے باپ کے نام میں انجیل میں عمران نہیں ہے اس کا جواب یوں ہے کہ امرأت عمران سے مراد ہے امرأت من عمران یعنی عمران کے خاندان کے خاندان سے ایک عورت نے نذر باندھی یا یہ ہے کہ خود انجیل میں غلط واقع ہوا ہے یا ایک شخص کے دو نام ہوتے ہیں قرآن مجید نے ایک نام جو مشہور تھا بتا دیا آیت کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ذلت کا زمانہ ہے اور ایک عورت دعا کرتی ہے کہ یا اللہ اگر مجھے بچہ دے تو میں اسے تیری راہ میں لگا دوں یعنی اس سے اپنی کسی قسم کی خدمت نہیں لوں گی شاید اس کے باعث بنی اسرائیل ذلت سے نکلیں کیونکہ قوم کو بیدار کرنے اور اس کی قومی ذہن کو کام پر لگانے کے لئے ایک آدمی کافی ہوتا ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

پھر جب اس کو جنا بولی اے رب میں نے تو اس کو لڑکی جنی اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور بیٹا نہ ہو جیسی وہ بیٹی اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔ تو یہ کیا کرے گی اور قوم کو کس طرح ذلت سے نکالے گی غرض اب اس عورت کو جو تخیلات تھے سارے کے سارے درہم برہم ہو گئے۔

اللہ اعلم بما وضعت جملہ معترضہ ہے یعنی اللہ نے دعا قبول کر لی اور بڑی استعداد والی لڑکی ہے تمام خاندان کی استعداد اس میں موجود ہے جو اس کی پشت سے آ رہی تھی لیس الذکر کالانثیٰ یہ تفسیر ہے اللہ اعلم بما وضعت کی یعنی وہ مذکر جو تیری خواہش تھی وہ اس لڑکی جیسا نہیں ہے بلکہ یہ لڑکی اس سے افضل و اعلیٰ ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بنی اسرائیل کو اوج پر پہنچائے گا غرض آیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنی حضرت مریم کی والدہ کے دل میں الہام ہوئے جس سے اس کو تسکین ہوئی کہ اس لڑکی کے باعث قوم کو ترقی ہو گی جیسے حضرت عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کے حق میں اس کے والد بزرگوار نے پیش گوئی کی تھی کہ اس کے بطن سے ایک ولی اللہ پیدا ہوں گے غرض جب مریم کی والدہ کو تسلی ہوئی تو کہتی ہے کہ انی اعیذھا الخ یا اللہ جس کام کے لئے اسے تیرے راستہ میں نذر کر رہی ہوں اس سے یہ اور اس کی اولاد منحرف نہ ہو بلکہ اس کام کو مکمل کریں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۳۷

پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو جس وقت آتے اس کے پاس حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ کھانا کہا اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس۔

جیسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو قبول کرتا ہے یعنی ان کو ان کی ذہنی و عملی و روحانی ترقی کے راستے آسان کر دیتا ہے اسی طرح مریم کے لئے زکریا علیہ السلام کے باعث تمام مدارج علمی و عملی و روحانی آسان کر دیئے ایک تو پہلے صاحبِ استعداد تھی دوسرے زکریا علیہ السلام کی توجہ پھر بیت المقدس جیسے پاک جگہ تو سونے پر سہاگہ تھا وجد عندھا رزقا خرقِ عادت دیکھنے سے بے اختیار ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوئے جیسے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ
اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ
اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ
حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو سننے والا ہے دعا کا پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحیٰی کی جو گواہی دے گا اللہ کے ایک حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائے گا اور نبی ہوگا صالحین سے۔

بنی اسرائیل کی اصطلاح میں جو مستقبل میں آنے والی صحیح صحیح پیشین گوئیاں کرے اسے نبی کہتے ہیں۔ نوح علیہ السلام سے بہت پہلے سے پہلی امتیں مستقبل کی خبروں کے معلوم کرنے کے عادی تھیں اور اسی علم کو علم نجوم کہتے تھے وہ جس قدر اس علم میں ترقی کرتے اسی قدر اپنے خدا سے دور ہو جاتے پہلے نبیوں نے اور ابراہیم علیہ السلام نے خصوصاً اس کو حرام قرار دیا مگر جب دوسری مدمقابل قومیں مستقبل کی خبریں معلوم کرتی تھیں تو ضروری تھا کہ بنی اسرائیل کے دل میں بھی یہ خواہش قدرۃً پیدا ہوتی ورنہ ان کی ترقی رک جاتی اس لئے ان میں مستقبل کی صحیح خبریں دینے والے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے جنہیں نبی کہتے ہیں غرض پہلے زمانہ میں اس کا نام نبوت تھا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہوگئی اور یہ صحیح صحیح مستقبل کی پیشین گوئیاں کرنے والے بزرگوں کا سلسلہ دنیا میں قائم رہے گا ان کو ولی اللہ کہتے ہیں اور ان کی ان باتوں کو کرامات کہتے ہیں تاکہ نبی کے کسی فعل کے ساتھ دور کی مشابہت بھی نہ پائی جائے۔ اگر ایک پروگرام دیا جائے اور ایک کے سر پر اس کی تکمیل کی ذمہ [illegible]

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ
كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ
ع ۱۲/۴ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

بولا اے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا

ہے جو چاہے کہا اے رب مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی فرمایا نشانی تیرے لئے یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح۔

اب متنبہ ہو کر اسباب کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں اور اپنی طبعی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں اجعل لی اٰیۃ جس سے میرے دل کو تسکین ہو جائے اٰیتک ان لا تکلم الخ فیہ قولان للمفسرین غرض غیر طبعی طور پر دو واقعات بتلائے ایک[1] مریم کی پرورش دوسرے[2] یحییٰ کی پیدائش ارض القرآن میں ہے شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہانِ بابل نے برباد کیا بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا تو ان کو ۵۵۵ھ قبل مسیح میں پھر آزادی نصیب ہوئی اور فارس کے زیرِ اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندانِ یہود نے جن سے یہودیہ کی بنیاد پڑتی ہے ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم کی لیکن ۳۳۳ھ قبل مسیح میں اسکندر رومی نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا اس کے بعد مملکتِ یہودیہ (یروشلم یعنی بیت المقدس) بطلیموس (اسکندر کا سردار اس کی وفات پر مصر و شام پر قابض ہو گیا) اور انٹی گونس (سکندر کا دوسرا سردار جس نے ایشیا کوچک پر قبضہ کر لیا) آخر میں سلوقین (تفصیل آگے آتی ہے) کے ماتحت ہو کر فنا ہو گئی دوسری صدی قبل مسیح میں جو یونانیوں پر سال تو تھیں نوجوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھا کر اس کے لئے جگہ خالی کر رہی تھیں یہود کی ابدی الموتِ زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی اور مکابیین کے نام سے رومیوں کے بل پر ۱۶۸ھ قبل مسیح میں ایک حکومت یہودیہ قائم ہوئی مکابیین اولاً مذہبی کاہنی تھے لیکن آخر ش بادشاہ بن بیٹھے اس کی بنا کی کیفیت یہ ہے کہ سکندر کے بعد اس کے تیسرے سردار سلوکوس نے بابلِ فارس۔ ترکستان پر قبضہ کر لیا اور ۳۰۱ھ میں شام بھی ملا لیا خاندانِ سلوکوس کو اہلِ عرب سلوقیین کہتے ہیں غرض سلوقی خاندان ابھی سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ ۱۶۶ھ قبل مسیح میں کہ اس وقت ان کا بادشاہ غالب حارثِ اول انباط کا بادشاہ تھا جس کا زمانہ ۱۶۹ھ قبل مسیح ہے کہ یہودا مکابی موجودہ خاندانِ یہود کے بانی نے بغاوت کی اور رومیوں کے بل پر آزادی حاصل کی سلوقی خاندان کا چوتھا بادشاہ حارثِ رابع (چہارم) ۹ھ قبل مسیح تا ۴۰ھ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کا معاصر تھا اس کا نام پہلا انیس تھا اپنے باپ عباۃ ثالث (حکومت ۳۰ھ تا ۹ھ قبل مسیح) کے بعد جب یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارث اختیار کیا حکومت یہودیہ کا اس وقت ہیرودانیس مقرر ہوا ہیرود شاہِ یہودیہ حارثِ رابع شاہِ سلوقیہ کا داماد تھا ہیرود نہایت بدکار اور ستم دوست تھا اپنے بھائی ایٹی پیٹر کے مرنے پر ان سے اپنی بھاوجہ سے جو اس کی علاتی بھتیجی بھی تھی شادی کر لی۔ حضرت یحییٰ ان دنوں پند و موعظت کے پیغمبرانہ اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے وہ جس قدر یہودیوں میں محبوب ہوتے جاتے تھے ہیرود اسی

ڈر رکھا تھا جیسا کہ تھا حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیروڈ کو اس شادی پر ملامت کی خون آشام بادشاہ سے ضبط نہ ہو سکا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر دوسری بیوی (جو اس کی پہلی بھاوج تھی) کے نذر کیا ہیروڈ کی پہلی بیوی اپنے باپ حارث رابع شاہ سلوقیہ کے پاس چلی گئی حارث اس خاندانی اہانت پر غصہ سے بے تاب ہو گیا فوراً ہیروڈ شاہ یہودیہ پر فوج کشی کی تیاری کر دی اور اس زور و شور سے حملہ آور ہوا کہ ہیروڈ تاب نہ لا سکا یہودی معتقد تھے کہ یہ شکست یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا پاداشی عمل تھا حارث سیدھا دمشق پر قابض ہو گیا رومی ہیروڈ کی مدد کے لئے لیکن اتفاقاً اس اثنا میں (۳۷ء) خود قیصر مر گیا ہیروڈ کے بعد رومیوں نے اس کی ریاست کے تین ٹکڑے کر کے اگرپا اول رومی کو رئیس یہود بنایا اگرپا کے بعد یہ مستقل رومی صوبہ ہو گیا۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَٰلَمِينَ ﴿٤٢﴾ يَٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کر لیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر۔ اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

ہم نے تجھے بین الاقوامی کام کے لئے انتخاب کیا ہے تو اس ہی کے لئے ایک منبع بنے گی

اللہ کو رات دن یاد کر اس لئے کہ تجھ سے روحانی کام لینا ہے غرض اس طبعی کمزوری کو خارجی طاقت سے مضبوط کر کے کام لینے کا سبق دیا جا رہا ہے اس لئے آگے چل کر خارجی اثرات سے کام لیا جائیگا۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾

یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل کی کتابوں میں اس تفصیل سے درج نہیں ہے ہم تجھے یہ واقعہ اس لئے بتلاتے ہیں کہ اپنی نبوت کی صداقت میں اسے پیش کریں یہ ایسا واقعہ نہیں ہے کہ بیٹا باپ سے یا شاگرد استاد سے سن لے بلکہ اس کی اطلاع صرف وحی کے ذریعہ دی جاتی ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے مقربوں میں۔

کلمۃ منہ خدا کے حکم سے مسیح نجات دہندہ وجیہا بڑا آبرودار جس کے ماتحت اور ماننے والے زبردست

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾

اور باتیں کرے گا لوگوں سے جب کہ ماں کی گود میں ہوگا اور جب کہ پوری عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں ہے بولی اے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

پختہ جوان ہو کر رسالت کا کام کرے گا یعنی وہ ایک مستقل پروگرام لائے گا۔ مریم کی پرورش یحییٰ کی پیدائش دونوں خرق عادت ہیں ایک کمزور اسباب کو خارجی اسباب سے مضبوط کر دیا گیا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہے مفصل شرح سورہ مریم میں ہے [illegible]

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ﴿۴۸﴾

اور سکھاویگا اس کو کتاب اور تہ کی باتیں اور توریت اور انجیل۔

کتاب قانون حکمۃ فلسفہ تورات بنی اسرائیل کی کتاب انجیل تورات کا فلسفہ یا آگے مستقبل کی ایک بشارت موسیٰ علیہ السلام باقاعدہ ایک پروگرام دنیا میں لائے تھے عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اس پروگرام پر چلایا اور پھر آہستہ آہستہ ان کو بین الاقوامی پروگرام کی طرف لائے موسیٰ علیہ السلام کے قانون میں جہاں ضروری سمجھا گیا مناسب طور پر تبدیلی کر دی گئی اور اسی کا نام انجیل ہے۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ

الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ
وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۴۹﴾
وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي
حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۵۰﴾
إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ
عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ
أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿۵۴﴾

اور کرے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف بے شک میں آیا ہوں تمہارے پاس نشانیاں لے کر تمہارے رب کی طرف سے کہ میں بنا دیتا ہوں تم کو گارے سے پرندہ کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ اڑتا جانور اللہ کے حکم سے اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے اور بتا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ کر آؤ اپنے گھر میں اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے کہ حلال کر دوں تم کو وہ چیزیں جو حرام تھیں تم پر اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہی راہ سیدھی ہے پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر بولا کون ہے کہ میری کرے اللہ کی راہ میں کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کی، ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے حکم قبول کیا۔ اے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے رسول کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں۔ اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

یعنی بنی اسرائیل کو مستقل قانون دینے والا ہوں

من ربکم الخ یہ قدرت کے اثر بتلائے جاتے

ہیں کہ اللہ کا بندہ اللہ کے نام کی برکت سے یہ غیر فطری باتیں دکھلا رہا ہے وانبئکم تمہاری موجودہ استعداد یں اور آئندہ استعداد میں تم کو بتا دوں گا اور اب سرمایہ داری کو میں ختم کرنے کو آیا ہوں جتنے قدر تم کھانے اور گھروں میں خزانے بناتے ہو اس کا حکم بھی دوں گا یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو صاف بتا دیا کہ کوئی دولت آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتی ومصدقا لما بین یدی موسیٰ علیہ السلام جو قانون لائے تھے اسی پر تمام انبیاء چلتے آئے تھے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس میں مناسب ترمیمیں زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے کردیں۔ من انصاری الی اللہ یعنی ایک جماعت پیدا کردی۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾

جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا اپنی طرف اور پاک کردوں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کردوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

طہرہ فی البہتانات کلہا القرآن وجاعل الذین اتبعوک ہم النصاریٰ والمسلمون فوق الذین کفروا ہم الیہود فہم مغلوبین الی یوم القیامۃ انجیل وغیرہ کے نامکمل ہونے کا کافی ثبوت یہی ہے کہ اس قسم کی روشن پیش گوئی کا انجیل وغیرہ میں کہیں ذکر تک نہیں ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿۵۶﴾

سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار۔

اس تنبیہ کی صداقت یہودیوں کا جو آج تک حالت ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۵۷﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۵۸﴾ إِنَّ

مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ

فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو ان کو پورا دیگا ان کا حق اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف۔ یہ پڑھ سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور بیانِ تحقیقی بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا حق وہ ہے جو تیرا رب کہے پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے

ظالموں سے مراد عیسائی ہیں جنہوں نے قانونِ الٰہی کو توڑ ڈالا اور عیسیٰ کے رتبہ کو بڑھا کر خدا کا بیٹا قرار دیا۔

ثم قال لہ کن الخ: جس طرح آدم کی پیدائش لفظ کُن سے کی اسی طرح عیسیٰ کی بھی لفظ کن سے کی الحق من ربك، اس پر بغیر کسی چون وچرا کے ایمان لے آنا چاہیئے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آ چکی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہہ دے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب

اور لعنت کریں اللہ کی ان پر جو کہ جھوٹے ہیں

یورپین مورخ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت پر اس قدر ایمان تھا کہ آپ اس پر ہر قسم کا مباہلہ کرنے کو تیار تھے ۱۰ھ ہجری میں نجران کی طرف سے نصاریٰ کا ایک وفد آیا جس میں ساٹھ آدمی تھے اور ان کا سردار عبدالمسیح تھا جو نجران کا سردار تھا آپ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اسی طرح آپ نے مذہبی آزادی کی بنیاد رکھی جس کی مثال آج تک دنیا میں نہیں مل سکتی اور آپ نے ان کو دلائل سے ثبوت دیا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا نہیں ہے بلکہ اللہ کا بندہ اور اس کا نبی تھا جب وہ دلائل سے نہیں مانے تو آپ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی انہوں نے اس پر غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت مانگی دوسرے دن عبدالمسیح اور اس کے دو ساتھی آپ کے پاس آئے اور کہا کہ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ آپ کے خلاف بددعا نہ کریں گے اور ہم کو نجران ہی میں مذہبی آزادی ملے ہم آپ کی حکومت کے ماتحت رہیں گے آپ نے ان سے وعدہ کیا۔

بے شک وہ آزادانہ طور پر اپنے مذہب پر قائم رہیں اور یہ کہ ان کے اختیارات اور حقوق میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی رسم و رواج میں دخل دیا جائے گا جب تک کہ وہ باامن اور سیدھی طرح رہیں ۔"

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

بے شک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی نہیں ہے سوائے اللہ کے اور جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا۔

یعنی یہ بیان سچ ہے اور اللہ کی ذات وحدہ لاشریک ہے عیسیٰؑ اور آدمؑ تو صرف اس کے بندے تھے ۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع ۶ ۱۴

پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے ۔

یعنی اس قسم کی صاف تعلیم دی جائے اور پھر بھی اس پر عمل نہ کریں اور اس کی قانون شکنی کریں تو اس قسم کے فسادی لوگوں کو اللہ اچھی طرح جانتا ہے ۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی کو اور نہ بناوے کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے ۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں ۔

اسلام کے وقت نصاریٰ دو گروہ تھے ایک تورات پر عمل کرتا دوسرا گروہ فلسفی خیالات کا جو منطق وغیرہ سے ہر ایک کو قائل کرتا تھا پہلا گروہ اول درجہ کا تھا دوسرا درجہ دوم کا تھا بعینہٖ ہندوستان میں علماء کی جماعت اور سر سید احمد کی جماعت (علیگ) غرض اہل کتاب کے اول گروہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے تعالوا الیٰ کلمۃ حکومت میں بھی دستور ہے کہ جب ایک جماعت سے دوسری جماعت بہتر پیدا ہو جائے تو کمزور جماعت اپنے سے افضل جماعت کے لیے جگہ چھوڑ دے مسیح علیہ السلام نے حواریین کی ایک جماعت تیار کی ان کو تورات کی تعلیم دی اب جب اس جماعت سے افضل ایک اور جماعت پیدا ہو گئی تو ان کو لازم

ہے کہ اپنے سے افضل جماعت کے لئے جگہ دینی چاہیئے تھی مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے حکم ہوتا ہے
کہ آؤ ہم اور تم یعنی نصاریٰ کی جماعت اور مسلم جماعت ایک بات پر متفق ہو جائیں اور متحد ہو کر مشترکہ کام کریں
اور جس کام بین الاقوامی کیلئے مسیح علیہ السلام آئے تھے وہ سرانجام ہو جائے ان لا تعبد الخ دونوں قومیں
یعنی مسلم و اہل کتاب کے اساسی اصول یہ ہیں (۱) تورات و قرآن حکیم دونوں اس پر زور دیتے ہیں کہ انسان
کو صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے شرک سے باز رہنا چاہیئے اس لئے اس ایک بات پر دونوں متحد ہو سکتے
ہیں دونوں کی مشترک بات ہے اسے لے لیں انہیں الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرکیولیس کو سنہ
ہجری میں ایک چھٹی تحریر فرمائی جو بخاری میں موجود ہے اور اس چھٹی کے الفاظ (جو اب دستیاب ہوئے ہیں)
بعینہ بخاری کی حدیث کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں ولا یتخذ الخ کما فی سورۃ براءۃ اتخذوا
احبارھم الخ و تفسیرہ فی الحدیث اور مسلمانوں میں بھی جو اپنے عالموں اور پیروں کو یہی رتبہ دیتے ہیں
وہ بھی اسی غلطی کے مرتکب ہیں مگر جو بات دلیل سے تسلیم کرائی جائے یا جسے عقل سلیم تسلیم کرے اس کے ماننے
میں کوئی عذر نہیں ہے فان تولوا یعنی اسی مشترکہ بات پر متحد نہیں ہوئے فقولوا تو تم کہو ہم تو عیسیٰ علیہ السلام
کے پیرو ہیں ہم ان کو بھی نبی مانتے ہیں ان کی تعلیم پر بھی عمل کرتے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ
الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۶۵) هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ
فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۶۶)

اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت اور توریت اور انجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں۔
سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ
جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کو دعوت دی کہ ہم مشترک بات میں متحد ہو جائیں مگر عیسائی اس بات
پر رضامند نہ ہوئے اس لئے کہ وہ تو عیسیٰ کو ابن اللہ کا درجہ دیتے تھے اب حکم ہوتا ہے کہ اگر اس بات پر
متفق نہیں ہوتے تو چلو مرکزی طاقت کو تسلیم کرو اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو مسلمان، یہود، نصاریٰ

سب مانتے ہیں اور باقی تمام اولوالعزم انبیاء مثلاً اسحاق و یعقوب و یوسف و موسٰی و عیسٰی علیہم السلام
یہ اور باقی انبیاء حضرات انبیاء کی پیدا کی ہوئی سوسائٹی کے فرد تھے ابراہیم پر اتفاق کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ
ان پر اور ان کی تعلیم پر مسلمان۔ یہود۔ نصاریٰ سب متحد ہوجائیں گے مگر انہوں نے کہا کہ وہ تو یہودی (بخیال یہود)
اور نصرانی (بخیال نصاریٰ) تھے حالانکہ یہودی اور نصرانی کا لفظ تو ابراہیم کے بعد کا ہے وہ نہ یہودی تھے
نہ نصرانی یہی حال آج کل تمام فرقوں کا ہے شیعہ جب تک امام حسینؓ کو تسلیم نہ کرالیں اور اہل سنت
والجماعت جب تک امام ابوحنیفہؒ کو تسلیم نہ کرالیں مثلاً وہ دوسرے فرق کو مانتے ہی نہیں۔

مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾

نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا مشرکین
حضورؐ سے نصاریٰ عیسٰیؑ کے متعلق بحث وغیرہ کرتے تھے اس لئے کہ ان کو عیسٰیؑ کے متعلق تھوڑا علم
تھا مگر ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو انہیں بھی کچھ علم نہ تھا و ما کان من المشرکین صابی موحد تھے مگر ان
میں رفتہ رفتہ بعض فرقے بت پرست اور آتش پرست بن گئے تھے ابراہیمؑ کا باپ آذر موحد صابی جماعت
سے تھا آذر شہر کے رہنے والا جو دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا صابی جماعت کا ایک حصہ ہندوستان
میں اور دوسرا عراق میں اب بھی پایا جاتا ہے غرض ابراہیم تو صابی موحد جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور
ان کا والد بھی صابی موحد تھا حنیف وہ ہے جو ہر غلط بات کو رد کرے اپنی فطرت سلیمہ سے ذرا سی
شرک والی بات کو جھٹ پہچان لیتا ہے اور جب اس کو یہ ثابت کردیں کہ یہ خدا کا حکم ہے تو وہ اسے
بلا تکلف مان لیتا ہے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ
اٰمَنُوا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کی تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس
نبی پر اور اللہ والی۔ ہے مسلمانوں کا۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد اسحاق۔ یعقوب۔ یوسف۔ موسٰی۔ عیسٰی علیہم السلام اس کے پیرو تھے اور

بنی اسرائیل کے بعد بنی اسماعیل یعنی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے صحابہؓ اب یہ تم سے زیادہ قابل اور ایماندار ہیں اس لئے اے یہود و نصاریٰ تمہیں اپنے سے بہتر اور اعلیٰ جماعت کے لئے جگہ دینی پڑے گی واللہ ولی المؤمنین قانونِ قدرت یہی ہے کہ ایک پھول کھلتا ہے اور پھر مرجھا جاتا ہے تو اس کی جگہ ایک نیا پھول کھلتا ہے اسی طرح بہتر جماعت برسرِ اقتدار آئے گی ان کو اللہ اپنی مدد و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (۶۹)

آرزو ہے بعضے اہل کتاب کو کہ کسی طرح گمراہ کریں تم کو اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے۔

یہود و نصاریٰ کو چاہیے تھا کہ [illegible] دنیا میں مسلمانوں سے متحد ہو کر مشترک کام کرتے اور ابراہیمؑ نے جو توحید کا سبق سکھایا تھا اسے دنیا میں پھیلاتے مگر انہوں نے اسے تسلیم نہ کیا بلکہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر مستعد ہوئے مگر مسلمان تو ابراہیمی طریقہ پر سیدھے [illegible] ہیں یہ گمراہ کرنے والے خود گمراہ ہو جائیں گے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (۷۰)

اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کے کلام کا اور تم قائل ہو۔

تم اقرار کرتے ہو کہ یہ نبی اور یہ کتاب سچی ہے اور یہ نبی عرب کے لئے مبعوث ہوا ہے جو تمہاری کتاب اور تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتا ہے جس طرح تم رکھتے ہو مگر جب وہ تمہاری کتاب تورات و انجیل سے ثبوت دیتا ہے کہ وہی نبی جس کی بشارت تورات و انجیل دیتی چلی آتی ہے تو تم جھٹ انکار کر دیتے ہو۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۷۱)

ع ۸
۱۵

اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ میں جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات جان کر۔

مسلمان تو امی تھے انہیں تورات و انجیل پڑھنی نہیں آتی تھی اگر مسلمان کبھی اہلِ ہنود سے ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرتے جن میں حضور کے مبعوث ہونے کی بشارت تھی وہ سرے سے اس کے منکر ہو جاتے اور اسی طرح جھوٹ کو سچ میں ملا دیتے یہ سلسلہ یہود و نصاریٰ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے کہ وہ بھی قرآن حکیم کی آیات کے معانی بیان کرنے میں اس جذبہ پر عمل کر رہے ہیں

مثلاً جہاد فرض تھا مگر آج غیر ضروری قرار دیا جا رہا ہے اور مسئلہ حیاتِ مسیح یہ بہت ضروری ہے یعنی اس
طرح ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری بنایا جا رہا ہے۔ امر آگے حیوۃ النبی اور حیاۃ الانبیاء و متعلم مسلم ؟

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور کہا بعضے اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن اول اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جاویں
یعنی شام کو مسئلے کے کمزور پہلو پر بحث شروع کر دو تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ یہودی اس قدر عالم ہیں
ان کو مذہب اسلام مطمئن نہیں کر سکتا اس طرح ممکن ہے بہت سے مسلمانوں کے قدم بھی لڑکھڑا جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ
یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ
اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اور نہ مانیو مگر اسی کی جو چلے تمہارے دین پر کہدے کہ بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور یہ
سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا جیسا کہ تم کو ملا تھا یا وہ غالب کیوں آگئے تم پر تمہارے رب
کے آگے تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار۔

یعنی یہودیوں کو کسی نبی پر ایمان نہیں لانا چاہیئے جو قانونِ موسوی پر کاربند نہ ہو قل ان الھدی
ہدایت تمہارے ٹھیکے میں نہیں آتی اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ پر چلائے ان یؤتی مثل الخ یہودی کہتے
تھے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر تھے اس طرح کا اولوالعزم پیغمبر بھی وہ ہونا چاہیئے جس
کے متعلق اس نے بشارت دی ہے کیونکہ موسیٰ کے ساتھ اللہ کا وعدہ تھا کہ "میں تیری ہی قسم کا ایک نبی
تیرے ہی بھائیوں سے اٹھاؤں گا اور میں اپنے اس کے منہ میں ڈالوں گا" یہ وعدہ ضرور پورا ہونا چاہیے
اور جو نبی اس طرح آئے اور وہ مثیلِ موسیٰ ہو وہی اصلِ ہدایت دے سکتا ہے لیکن اگر یہود و نصاریٰ
کی دلیل مان لی جائے کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہو گی جو ابراہیم کی اولاد میں سے تھے تو اس پیشین گوئی

ادھوری رہ جاتی ہے اس لئے کہ بنی اسماعیل بھی تو ابراہیم کی نسل سے ایسے تھے جیسے بنی اسرائیل اور ابراہیم نے جس طرح اسحاق (بنی اسرائیل) کی نسل کے لئے دعا کی تھی اسی طرح اسماعیل (بنی اسماعیل) کی نسل کے لئے بھی کی تھی یحاجوکم عند ربکم اس کے معنی ہیں کہ وہ تم پر فتح مند ہوں اس میں خوبی یہ ہے کہ مطلب بہت واضح کردیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قدر طاقت ور اور عطا کرنے والا ہے کہ وہ اپنی بخشش سے نہ صرف ان کو (بنی اسماعیل) اس کی مانند دے (یعنی نبی) جیسا کہ بنی اسرائیل کو دیا گیا لیکن وہ ان کو (بنی اسماعیل) ان پر فتح مند بھی کرسکتا ہے یختص برحمتہ جس قوم میں رحمت کے چلانے کی استعداد دیکھتا ہے اس قوم پر رحمت کی بارش برساتا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور بعضے اہل کتاب میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کا تو ادا کردیں تجھ کو اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ رہے اس کے سر پر کھڑا یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں کے حق لینے میں کچھ گناہ اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر

یعنی وہ امین ہے ومنھم من الخ خیانت کرنے والا ہے ذلک بانھم یہ اس لئے کہ یہ سمجھ رکھا ہے کہ غیر کا مال مار لینا جائز ہے اگر قوم خیانت کی طرف جھک پڑے تو نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کو تعلیم دی گئی تھی کہ غیر مسلم کا مال مار لینا جائز ہے اور اسے مال غنیمت تصور کرتے تھے اس طرح کئی دفعہ فرسٹ کلاس سے سفر کرتے وقت جب باہر نکلتے تو غیر مسلموں کا جس قدر مال ہاتھ آتا اڑا جاتے اور گھر آکر اس میں سے پانچواں حصہ نکالتے یہ بات ان کے مریدوں تک بھی پہونچی انہوں نے بھی اسی طرح غیر مسلموں کا مال مال غنیمت کے طور پر اڑانا شروع کیا جب زیادہ شور ہوا تو پولیس نے نگہبانی کرنی شروع کی تب انہیں معاملہ کی نزاکت معلوم ہوئی اور سب اس لغو حرکت سے باز ہوئے یعنی وہ (اہل کتاب)

خیانت اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا خیال ہے جو نصاریٰ یا یہودی نہیں اس کا مال مار لینا مباح ہے۔
موضح القرآن میں ہے کہ اللہ صاحب مسلمانوں کو سُناتا ہے کہ جن کی یہ نیت ہے کہ پرایا حق کھانے کو
یہ مسئلہ بنا لیا کہ ہم کو غیر دین والوں کی امانت میں خیانت روا ہے ان کی بات دین کے مقدمہ میں کیا سند ہو سکتی
ہے ہمارے ہاں بھی کافر حربی کا مال زور سے لینا روا ہے لیکن امانت میں خیانت روا نہیں رکھی گئی ویقولون
علی اللہ الکذب دانستہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں خدا نے ان کو کہیں ایسا حکم نہیں دیا موضح القرآن میں
"ہے یعنی بے پڑھوں کو دغا دیتے ہیں اپنی عبارت بنا کر قرآن کی طرح پڑھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔"

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾

کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا قرار اور وہ پرہیزگار ہے تو اللہ کو محبت ہے پرہیزگاروں سے۔
بلکہ اللہ تو یہ کہتا ہے کہ جو وعدہ کرو اسے پورا کرو اس لئے کہ وعدہ وفا کرنے والے اور قانون کی
پابندی کرنے والے کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا
خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾

جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کریگا
ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے واسطے
عذاب ہے دردناک۔
جس نے خدا کے نام پر لوگوں سے پیسے لیا اور ان کو دھوکہ دیا ان کو سخت عذاب ہوگا۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: اور ان میں ایک فریق ہے کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے اور وہ
نہیں کتاب میں، اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ نہیں اللہ کا کہا اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر۔

دانستہ طور پر دین میں بھی جھوٹ بولتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہود میں اب استعداد ہی نہیں رہی
کہ وہ اپنے دین پر رہ سکیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ
لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ
تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو تم میرے بندے
ہوجاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہوجاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم
آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔

عقل سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتی کہ خدا تعالیٰ کسی کو کتاب و حکمت و نبوت دے اور وہ
لوگوں سے اپنی پرستش کرائے ولکن کونوا ایسے اشخاص یعنی کتاب الٰہی کے معلم یا حکیم یا انبیاء تو لوگوں
کو کہتے ہیں کہ حق پرست ہو جاؤ۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ
بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

۸ ع ۹ ۱۶

اور نہ یہ کہے تم کو کہ ٹھہرالو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب، کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

نہ وہ نبی اپنے آپ کو نہ پہلے انبیاء کو نہ ہی فرشتوں کو نہ ہی رشتہ ہے انسانوں کو خدائی کا رتبہ دیگا
ایامرکم بالکفر یہ کب ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کے تابعدار ہو اور وہ تمہیں کفر کی دعوت دے اس سے یہ نتیجہ
نکلا کہ کسی نبی نے بمعہ عیسٰی کے اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم کبھی نہیں دی کہ وہ اس کی پرستش کرے یا دوسرے
الفاظ میں یوں کہتے کہ اگر کوئی اس قسم کی دعوت دے تو وہ من جانب اللہ نہیں ہوگا فرشتوں کا اس لئے ذکر کیا
کہ جاہل عرب فرشتوں کی پرستش کرنے تھے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۚ قَالَ

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۚ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوْا

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

جو نبی بھی دنیا میں آتا ہے، اس سے پہلے اقرار لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بعد میں آنے والے نبی کا اعلان کر جائے ابراہیم و موسٰی و عیسٰی علیہم السلام سب آخری نبی کے متعلق باری باری بشارت دیتے آئے ہیں موسٰی علیہ السلام اپنی قوم کو کہتے ہیں کہ میرا مثیل ایک نبی تم میں سے اٹھایا جائے گا وہ صرف میرے الفاظ ہی بولے گا اور جو کوئی اس کی آواز نہ سنے گا میں اس سے بازپرس کروں گا عیسٰی علیہ السلام نے جب آنے والے کے متعلق پیش گوئی کی تو کہا کہ وہ تمہیں سچائی کی طرف لے جائیگا کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولے گا لیکن جو کچھ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا وہی کہے گا (کتاب یوحنا انجیل) غرض یہ بشارت ہر نبی کے ذریعہ دی گئی اور جس طرح ہر نبی اپنی امت کو نبی آخر الزمانؐ کے قبول کرنے کی دعوت دیتا رہا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہؓ کو بھی تعلیم دی کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر جو مختلف زمانہ میں مبعوث ہوئے ان سب پر ایمان لائیں

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

ای بعد ھذہ الھدایۃ الواضحۃ اس سے زیادہ بدبخت کون ہے اور یہی لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ہیں

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا

وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ:۔ اب کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے اور اسی کی طرف سب پھر جاویں گے۔

تمام کائنات عالم اللہ کی تسبیح پڑھ رہی ہے اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ اسلام بمعنی قانونی اطاعت کو قدرت کے ہر ایک کام میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک کی طرف رجوع کرتی ہے اسلام کے مذہب کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے غرض اس نظام عالم کو جو طاقت چلا رہی ہے اسی کے دین کو قبول کرنا چاہئے۔ اور وہ یہی ہے کہ فطرت کا مذہب ہے ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود میں کام چلانے کی استعداد نہیں رہی اگلی آیات میں بتلایا جائے گا کہ یہ استعداد اب مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہے اور قانون فطرت بھی ہے کہ اپنے سے برتر کے لئے (یعنی اپنے سے افضل کے لئے) جگہ چھوڑنی چاہئے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں سے کسی کو اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

مسلمانوں کی فراخ دلی اور عالی حوصلگی کی استعداد بتلائی جا رہی ہے کہ وہ سابقہ انبیاء علیہم پر ایمان رکھتے ہیں ان کی وسیع قلبی کی یہی نشانی ہے۔ ونحن لہ مسلمون ہم فقط خدا کے حکم کے تابع ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت تمام انبیاء پر ایمان رکھتی ہے اور وہ بین الاقوامی امت ہے یہی جماعت ہے جو اب کامیاب نکلے گی اس لئے کہ ایک نبی کو ماننے والی جماعت اب بازی نہیں لے جا سکتی اور اسی جماعت کے ساتھ جو ہو گا وہ ضرور کامیاب ہو گا اوپر کی آیت میں اسلام کی عالی حوصلگی کا واقعہ بتلایا گیا اب

کہا گیا جو اس بین الاقوامی مذہب سے انکار کرے گا وہ ضرور خسارہ میں رہے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

کیوں کر راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دے کر کہ بے شک رسول سچا ہے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں روشن اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔

یہود و نصاریٰ کو علم تھا کہ عرب کی حالت حد سے زیادہ خراب ہونے کے باعث ان میں ایک نبی کا آنا ضروری تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہود و نصاریٰ ان کو عرب کا نبی مانتے تھے مگر جب آپ نے بین الاقوامی نبی ہونے کے ثبوت تورات و انجیل سے دیئے تو انہوں نے سرے سے ہی آپ کا انکار کر دیا حالانکہ پہلے آپ کو نبی تسلیم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس قوم نے جان بوجھ کر آپ کی تعلیم کا انکار کر دیا تو اسی قوم کو اللہ کس طرح ہدایت دے گا جب کہ انہوں نے سرچشمہ سے سیراب ہونے سے ہی انکار کر دیا غرض اس وقت مسلمان اپنی حالت پر غور کریں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو سچا مانتے ہوئے اس پر کار بند ہونے سے جی چراتے ہیں تو پھر ان کو ترقی کا راستہ کون دکھائے گا لا یھدی القوم الظالمین اللہ ظالم قوم کو ترقی کا راستہ نہیں دکھاتا بلکہ ان پر تو لعنت برس رہی ہے یعنی یہ قوم چاہتی ہے کہ ہم پیغمبر کو بھی مانیں اور ہمارے ظلم کے طریقے بھی جاری رہیں تا کہ لوگوں پر ظلم کر کے اپنے لئے جائدادیں اور عزت و سرمایہ پیدا کرتے رہیں۔ مگر

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مقصد ضعیف لوگوں سے ظلم کا دور کرنا اور عدالت قائم کرنی ہے اور ظالموں اور بے جا لوٹنے والوں کا نیست و نابود کرنا ہے تو اس تعلیم کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور لوگوں کو اس کے قریب نہیں آنے دیتے اور مخلوق بالہی اس تعلیم و پروگرام کی تلاش میں سرگردان ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے کیونکہ یہ تعلیم تو مخلوق میں عام کرنے کے لئے تھی اور وہ عام نہیں کرتے ان پر ملائکہ کی بھی لعنت ہے کیونکہ خطیرۃ القدس میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انسانوں کی نجات اس میں ہے اور جو شخص اس تعلیم کو جان کر لوگوں میں عام نہیں کرتا تو ملأ اعلیٰ کی اس پر لعنت برسے گی لوگوں کی بھی اس پر لعنت ہے کیونکہ لوگ۔

ظلم کے کرنے کے طریقہ کو تلاش کر رہے ہیں اور اس قوم کے پاس وہ راستہ خدا کا بنایا ہوا موجود ہے اور یہ نہیں بتاتے تو تمام لوگوں کی اس پر لعنت ہوگی یہ انسانیت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ ان کو فرصت ملے مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

لعنت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ان سے عزت و آبرو و حکومت چھین لے گا اور ان کی دشمن قوم کو دے دیگا وہ ان کو عذاب دیتی رہے گی اور یہ عذاب و محکومیت کی بلا اور تکلیف کبھی ان سے کم نہ ہوگی نہ ان کو کبھی ایک یا دو سال یا دس سال مہلت ملے گی یعنی شب و روز یہ قوم تکالیف اور دنیا کی ذلت میں مبتلا رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ الا الذین تابوا الخ اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم ہو کر جتنا کام انہوں نے بگاڑا ہے اس کی اصلاح کریں اور اس تعلیم و تربیت سے لوگوں کو مستفید کریں اپنی ریاست و پیری مریدی کو چھوڑ دیں آپس کے جھگڑوں کو چھوڑ دیں اور اصل بنا جھگڑوں کی ریاستوں پر ہے اس کو ترک کر

اسلام میں سرمایہ داری یعنی ملکیت زمین کا نام و نشان نہ بنائے اس کے بعد جب اسلامیہ سلطنت ہندوستان میں ضعیف ہوئی تو زمین پر مالکانہ تصرف ہونے لگے اور علماء و مشائخ و امیر زمین پر قبضہ کر کے غرباء پر ظلم کرنے لگے ہندوستان کی زمین خراجی ہے اور خراجی زمین بیت المال کی ہے اس لئے شاہ عبد العزیز صاحب شکر بار رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے "ارض الھند موقوفۃ" اور یہ فتویٰ شاہ عبد العزیز صاحب دھلوی کے فتاوی میں ہے اور اخبار زمیندار لاہور مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۵ء میں مضمون ایک انگریز کا نکلا ہے اس میں ہے کہ "سلاطین مغلیہ کے دور حکومت میں امراء جدی اور آزاد روسانہ تھے کوئی نواب یا امیر ترکہ میں زمین حاصل نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ تمام زمین بادشاہ کی ملکیت (یعنی بیت المال) سمجھی جاتی تھی"

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی نواب یا امیر مرنے کے بعد اپنے وارث کے لئے کوئی جائداد چھوڑ جائے اس زمانہ میں امارت کے حصول کا انحصار زیادہ تر قابلیت پر تھا پھر قابلیت بھی ایسی جس کے جوہر اعلیٰ فوجی عہدوں پر رکھ کر دکھانے پڑتے تھے سرکاری عہدوں کی تنخواہیں غیر ممالک کے قابل ترین افراد کے لئے جو ہندوستان میں اپنی قسمت آزمانے کی غرض سے ایک طویل سفر کی صعوبتیں برداشت

کرتے تھے مقناطیسی کشش کا حکم رکھتی تھیں یہ لوگ زیادہ تر ایران کے معزز گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اس طرح مغلی دور کے سرکاری عہدہ داروں میں غیر ملکی عنصر غالب ہوگیا تھا لیکن ترکوں - عربوں - ایرانیوں - افغانیوں اور ملکی ہندوؤں اور مسلمانوں سب کے بام رفعت پر پہونچنے کے لئے یکساں مواقع حاصل تھی جن میں زیادہ ، راجپوت (شاہزادے) اور راجہ مہاراجہ ہوتے تھے ان مختلف النسل نوابوں سرداروں اور راجوں کے اجتماع کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ دربار مغلیہ اس وقت مشرقی تمدن کا بہترین نمونہ پیش کرتا تھا دوسرا فائدہ یہ کہ خود امراء اور رؤسا کی طاقت ایک خاص سطح پر قائم رہتی تھی

فان الله غفور الخ جب انہوں نے نبی کی تعلیم کو سنا اور اس پر ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ نے انکو معاف کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ (۹۰)

جو لوگ منکر ہوئے مان کر پھر بڑھتے رہے انکار میں ہرگز قبول نہ ہوگی ان کی توبہ اور وہی ہیں گمراہ ۔

مگر جس نے ایمان لانے کے بعد کام کرنے سے انکار کر دیا یعنی پوری طرح سمجھ لیا کہ راستہ یہ ہے اور پھر منکر ہو کر اس کے خلاف کام کرنا شروع کیا اور آگے بڑھتا گیا تو اس کی گذشتہ توبہ تو بے کار ہوگئی (یعنی اعمال حسنہ) اور آئندہ بھی اس کو توبہ کا موقعہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو مخالفت میں کام کر رہا ہے اس لئے اس کی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ
الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (۹۱) ع ۱۱/۱۷

جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا اور اگرچہ بدلا دیوے اس قدر سونا ان کو عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار ۔

توبہ تو ندامت ہے جس سے اخلاق پر اثر پڑتا ہے اور اخلاق اچھے پیدا ہوتے ہیں مرنے کے بعد اخلاق کسب کرنے کا موقع نہیں ہے ۔ فلن یقبل الخ کیونکہ اس میں استعداد ترقی نہیں رہی خرچ کرنا بے فائدہ ہے وما لھم من الناصرین (فی میدان الحشر مثل ھولاء اعداء الحق) غرض حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سیدھا راستہ بتلا رہے ہیں مگر یہ کمبخت لوگوں کو شک میں ڈال دیتے ہیں ان کو سیدھے راستہ کی طرف نہیں آنے دیتے ان کے لئے سوائے لعنت کے کیا ہے اور یہ کہ اس کو اس کی سزا دی جائے جیسے ایک قافلہ سخت گرمی میں نڈھال ہو کر کسی چشمہ کی طرف آئے اور کوئی آ دُلٹیرے کر ان کو پیاس نہ بجھانے دے وہ اسی طرح جان بلب دم توڑیں تو کیا ایسے ظالم کے لئے رحم کی گنجائش ہو سکتی ہے وہ خواہ کتنی ہی دولت معاوضہ میں دے وہ کام نہیں آئے گی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے۔ الجزء الرابع ۴

خدا کے راستہ میں خرچ کرنا درحقیقت اپنے نفس کو شائستہ کرنا ہے نفوس میں بخل بدترین اخلاق میں سے ہے آخرت میں ضرر رساں صفت ہے بخیل کا قلب مرنے کے بعد مال کی محبت میں الجھا رہتا ہے۔ اس وجہ سے عذاب میں مبتلا رہتا ہے انسان جب خیرات کا عادی ہو کر بخل کی صفت کو دل سے نکال دیتا ہے آخرت میں اس کو بہت نفع پہونچتا ہے جس طرح فرمانبرداری سے نفس میں خدا کی کبریائی پر اطلاع پانے کی صفت حاصل ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سخاوت سے دنیاوی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ سخاوت فی الحقیقت ملکیت کے بہیمیت پر غالب ہونے اور ملکیت کے رنگ میں رنگے جانے اور اس کا حکم قبول کر لینے کا نام ہے اور ان اوصاف پر نفس کو ان باتوں سے تنبیہ ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی ضرورت کے وقت مال کو خدا کے لئے خرچ کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندگی کی حالت میں ایک درہم کا صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بعد سیر ہوتے شکم کے صدقہ دے" اس کا امر یہ ہے کہ ایسی چیز کا خرچ کرتے جس کی اس کو حاجت نہیں اور نہ حاجت ہونے کی توقع ہے پوری پوری سخاوت پر مبنی نہیں ہے غرض جب آدمی آدمی کو اس جگہ موقع ہاتھ سے کھو دیا دنیا کی کوئی دولت اس کو نجات نہیں دلا سکتی اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کو وہ چیز صرف کرنی چاہیئے جسے وہ سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ نیکی کرنی ہو تو ابھی موقع ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

كُلُّ ٱلطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَٰٓءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ
مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا۟ بِٱلتَّوْرَىٰةِ فَٱتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ
صَٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر وہ جو حرام کر لی تھی اسرائیلؑ نے اپنے اوپر توریت نازل ہونے سے پہلے تو کہہ "لاؤ توریت اور پڑھو اگر سچے ہو۔"

اس کے متعلق سورۂ انعام آیت ۱۴۷ میں ہے کہ ان کی بغاوت پر ہم نے ان کو سزا دی تھی یعنی یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اپنے نفس پر نذر کے طور پر حرام کیا تھا نہ اپنی اولاد و اتباع پر یہود نے اس کو حرمت ابدی کا حکم دے دیا یہ ان کی سینہ زوری ہے اچھی چیزیں اللہ حرام نہیں کرتا نہ ہی حکم دیتا ہے کہ اچھی چیزیں خیرات نہ کرو تو یہ اعتراض دفع ہو گیا کہ انسانوں کو جو محبوب چیزیں ہیں وہ کیوں اوروں کو دی جائیں جب اللہ بھی عمدہ چیزوں کو حرام کر دیتا ہے اور لوگوں کو کھانے نہیں دیتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے نذر کے طور پر حرام کر دی تھی اللہ نے حرام نہیں کی تھی وہ تو حکم دیتا ہے کہ اچھی چیزوں کو کھاؤ اور اللہ کی راہ میں دو۔

فَمَنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩٤﴾
(وقف جبرئیل علیہ السلام)
قُلْ صَدَقَ ٱللَّهُ ۗ فَٱتَّبِعُوا۟ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف تو کہہ "سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا۔"

حقیقت میں یہ ہے کہ اپنے آپ کو پاکباز ثابت کرنے کے لئے چند اچھی چیزیں اپنے اوپر حرام کر ڈالیں تاکہ لوگ ان کے معتقد ہو جائیں اور اس وسیلہ سے ریاست پیدا کر کے لوگوں پر ظلم کریں قل صدق اللہ یعنی اللہ نے تو سچا حکم دیا ہے کہ ابراہیمی ملت اختیار کرو اس میں کوئی ظلم نہیں نہ اس میں ریاست بنانے کا موقعہ ہے جس سے پھر وہ شخص الوہیت کا درجہ حاصل کر سکے وہ تو شرک سے دور بھاگتا تھا۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى
لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُۥ

كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو۔ اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

بکہ بمعنی بکہ قیل بمعنی گردن توڑنا اور یہ نام اس جگہ کو اس لئے دیا گیا کہ جب کسی ظالم نے اس طرف رجوع کیا اس کی ہمیشہ گردن توڑ دی گئی اس آیت میں یہود کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ بیت اللہ کی طرف کر کے پڑھتے تھے کہ بیت المقدس ابراہیم علیہ السلام کے بعد بہت عرصہ کے بعد تعمیر ہوا حالانکہ بیت اللہ مکہ میں ابراہیمؑ سے بہت پہلے موجود تھا اس واسطے درحقیقت خدا کی بندگی کرنے کا سب سے پہلا گھر تھا اور ساتھ ہی یہ بابرکت گا اسے مبارک بھی کہا گیا مبارک اصل میں کہتے ہیں ایسی برکت جو ابدالآباد ہو اسی طرح یہ سب سے پہلے اور سب سے آخری گھر ہے جہاں دنیا بھر کی قومیں حقیقی ہدایت و تعلیم حاصل کر سکتی ہیں غرض چونکہ اب مسلمانوں کی جماعت یہود و نصاریٰ سے افضل ہو گئی اس لئے انہیں یہود وغیرہ کو ابراہیمی تعلیم کی طرف دعوت دینی چاہئے ابراہیمی ملت کی سب سے پہلی مسجد کی بنا حضرت اسمٰعیل نے رکھی اور بیت المقدس کی بنا حضرت اسحاق نے رکھی غرض ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے مکہ میں مسجد بنائی تو بنی اسماعیل کا قبلہ مکہ اور بنی اسرائیل کا بیت المقدس ہوا وھدی و رحمۃ للعلمین بین الاقوامی ہدایت کے لئے بین الاقوامی مرکز یہ مکہ کی مسجد ہے فیہ اٰیات الخ۔ اس مقدس گھر کی سب سے روشن دلیل یہ ہے کہ ابراہیم اس جگہ آباد رہے اور یہاں کھڑا کر اللہ کی عبادت کرتے تھے مقام ابراہیم سے مراد بیت اللہ اور مطاف ہے جہاں ابراہیم کھڑا کر عبادت کرتے تھے اور اس سے مراد ہر درجہ پر وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم کے پاؤں کا نشان ہے اس گھر میں وہ پتھر ہے جسے حجر اسود کہتے ہیں عہد ابراہیمی میں پیمان عام لینے کا یہ دستور تھا کہ ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا جس پر لوگ آکر اپنے ہاتھ مارتے اس کے معنی

یہ ہوتے کہ جس عہد کے لئے وہ پتھر رکھا گیا۔ ہے اس کو انہوں نے تسلیم کر لیا۔

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب اپنی خاص عبادت کے لئے کعبہ تعمیر کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس کی جنوبی اور مشرقی گوشہ پر یہ کالا پتھر لا کر نصب کر دیا کہ جو کوئی اس گھر میں جس کی بنیاد کے لئے معبود کی پرستش پر داخل ہو پہلے اس پتھر پر ہاتھ رکھے پھر طواف کرے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے توحید کا عہد باندھ لیا اب وہ اس ذاتِ پاک کی توحید پر جس کی عبادت کے لئے یہ گھر بنا ہے اپنے آپ کو نثار کرتا ہے اگر جان بھی دینی پڑے گی تو اس سے منحرف نہ ہوگا حجرِ اسود کی حقیقت یہی ہے نہ اس میں کوئی طاقت ہے نہ قوت اور جنت کی چٹان ہے نہ عرش معلی کا فرش بلکہ صرف تجدیدِ عہد ابراہیمی اور پیمانِ حقیقت و محبت کے لئے ایک نشان ہے اور بس دین اسلام ہی یہ طریقہ ہے کہ اس پتھر کو ہاتھ لگا کر طواف کرے اگر ہجوم ہو الخ چونکہ یہ توحید کا مقدس پیمان ہے اس لئے ہاتھ یا پتھر کو چوم بھی لیتے ہیں۔

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا حجرِ اسود پر ہاتھ رکھنا وغیرہ صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ توحید کا پیمان یعنی یہ تعظیم اور تقدیس اس پتھر کی نہیں ہے بلکہ اس توحید کی ہے جس کے عہد کیلئے پتھر نصب کیا گیا ہے۔

الغرض حجرِ اسود کو چومنا شرک کو ذبح کرنے کے لئے ہے اور بت پرستوں کا پتھروں کو پوجنا خالص شرک ہے غرض اس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اگر ابراہیمی طریقہ کا آدمی اس گھر میں اگر اچھی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اس کے علاوہ اگر اسے ابراہیمی طریقہ تعلیم درکار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے اس گھر کی برکت سے اس کو اس میں بھی کامیاب کرے گا جو بات انسان اپنے تجربہ سے حاصل کرے اسے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے اسے آیاتِ بینات کہتے ہیں۔

(ومن دخلہ) زمانہ جاہلیت سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جو شخص اس گھر کی حد کے اندر آگیا وہ مامون ہو گیا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ گنہگار اور اس کا عذاب اس کے سر پر ہوگا۔

(وللہ علی الناس) الخ جو بین الاقوامی مذہب کا بانی ہو اسے اس گھر میں ایک دفعہ آنا ضروری ہے تاکہ بین الاقوامی قانون کی تعلیم حاصل کر سکے (ومن کفر) اگر وہ نہ آئے تو قانونِ الٰہی پر عمل درآمد ہوتا رہے گا موضح القرآن میں ہے کہ یہ بھی یہود کا شبہ تھا کہ ابراہیم کا گھر ہمیشہ شام میں رہا اور بیت المقدس کو قبلہ رکھا تم مکے میں ہو اور کعبہ کو قبلہ کرتے ہو تو تم کیونکہ ابراہیم کے وارث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم کے ہاتھ سے اول عبادت خانہ اللہ کے نام پر یہی بنا اور اس میں بزرگی کی نشانیاں اور خوارق ہمیشہ دیکھتے رہے ہیں اصل مقام ابراہیم یہی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور اللہ کے روبرو ہے جو تم کرتے ہو۔

یہود اس گھر کو متبرک مانتے ہیں، مگر ہٹ دھرمی سے ادھر نہیں آتے اگر وہ اس طرف آئیں تو انہیں ملتِ ابراہیمی کا صحیح راستہ ملے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا

عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تو کہہ اے اہلِ کتاب، کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔

یہود و نصاریٰ اگر تورات و انجیل میں غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اس گھر میں آنا ضروری ہے مگر وہ آیات کی غلط تاویل کر کے کچھ کا کچھ مطلب نکالتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف نہیں آنے دیتے تورات کے لفظ ہیں کہ "خدا سینا سے نکلا ساعیر سے چمکا اور فاران سے ظاہر ہوا" کوہِ سینا کو موسیٰ علیہ السلام سے اور کوہِ ساعیر کو عیسیٰ علیہ السلام سے اور کوہِ فاران کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ (کتابِ حقوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وانتم شهداء، یہود کو یقین ہے کہ یہ گھر واقعی برکت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے بعضے اہل کتاب کا تو پھیر کر دیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر۔

اب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ یہی گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے اور جس کے حدود کے اندر ہر ایک کو امن ہے اے مسلمانو! اب تم یہود کی باتوں کو چھوڑ دو اپنے کام میں لگے رہو۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَ

مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط

پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے رستہ کی۔

تمہیں سیدھا راستہ دکھلا دیا گیا اس پر چلوگے تو کامیاب رہو گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان۔

بین الاقوامی قانون تمہیں دیا گیا ہے اس کی انتہا تک پابندی کرو اور پابندی بھی مکمل طور پر مرتے

دم تک اس پر ڈرتے رہو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَ

كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس

میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک

آگ کے گڑھے کے پھر تم کو نجات دی اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ۔

حبل اللہ قرآن ہے ولا تفرقوا فرقہ بندی مت اختیار کرو۔ واذکروا نعمۃ اللہ اسلام نے آکر

تم کو ملا دیا اب اگر تم پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو سمجھو کہ ملانے والی طاقت یعنی اسلام تم میں نہیں رہا۔

فاصبحتم مہاجرین وانصار اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے مگر قرآن نے

ان کو ملا دیا وانتم علی شفا ایک دوسرے کی مخالفت کر کے تباہ ہو کر جہنم کی طرف جا رہے تھے

یعنی جنگ کی آگ میں جا کر تمہاری تمام قوم تباہ ہو جاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے اہلِ

عرب ایک دوسرے سے ہمیشہ برسرپیکار تھے اسی طرح تمام ملک جنگ کی آگ سے تباہ و برباد ہو رہا تھا بکر اور تغلب کی لڑائی جس کا نام جاہلیت کے اشعار میں حرب بسوس ہے اس کی بنیاد یہ تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا کھیت والی عورت نے اسے مارا اونٹ والے نے عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی اس بات پر ۴۹۴ء سے ۵۴۵ء تک برابر لڑائی رہی اول یہ لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب میں شروع ہوئی تھی مگر رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے تھے اور ابتداء سے انتہا تک ستر ہزار آدمی مارے گئے اسی طرح حرب داحس عرب میں ۵۰۱ء سے ۶۳۰ء تک جاری رہی داحس ایک گھوڑا تھا جو گھوڑ دوڑ میں آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اسے بدکا دیا اتنی سی بات پر ایسی جنگ ہوئی کہ اس میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرے اور اس لڑائی کا خاتمہ بالکل اس وقت ہوا جب ان میں کے بعض قبیلے اسلام لائے مولانا حالی لکھتے ہیں (چند شعر عرب کی اس حالت میں ہیں) غرض عربی لغت اور قرآن مجید میں نار یا آگ ہمیشہ جنگ کی نشانی ہوتی ہے عرب ہمیشہ آگ جلاتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ اعلانِ جنگ ہے تاکہ تمام قبیلے جمع ہو سکیں اس لئے لفظِ نار کو ہمیشہ جنگ کے لئے استعمال کرتے تھے جیسا کہ سورہ مائدہ آیت ۶۴ میں ہے کلما اوقدوا نارا للحرب الخ ما نقذکم منہا من حفرۃ النار یعنی تم کو متحد و متفق کر دیا کذٰلک یبین تمہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ قرآن کی تعلیم نے تمہیں اس رتبہ پر پہنچایا کہ آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچے اور قانون پر عمل کر کے تم آپس میں متحد و متفق ہو گئے جس دن تم پھر اس گڑھے کی طرف گرنے لگو تو سمجھ لو کہ تم قانونِ الٰہی پر کاربند نہیں رہے یعنی تم مسلمان نہیں رہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس

کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

آیت سمجھنے سے پہلے تین چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے مدرسہ۔ استاد۔ کتاب۔ اب بتلا دیا کہ بیت اللہ بین الاقوامی تعلیم کا گھر ہے تمہیں بہترین معلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم عنایت کئے۔ بحر علوم کا خزانہ قانونِ الٰہی قرآن کی صورت میں دیا گیا ان تینوں کو مضبوطی سے تھامے رہو اب کسی فرقہ بندی کی یہاں گنجائش نہیں اپنے میں سے ایک بہترین جماعت کا انتخاب کرلو اور اس جماعت کے جو مرکزی کہلائے گی مطیع رہو اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرو خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں یہی کیفیت تھی مرکزی جماعت کے ماتحت سب معاون تھے اور اسی ایثار اور اسی مرکزی جماعت کی فرمانبرداری سے اسلام اسی سرعت سے بڑھا جس کی مثال تاریخ عالم میں ناپید ہے۔ اسی مرکزی جماعت کا کام یہ ہوگا کہ امر بالمعروف میں وہ حکم دے گی جب سے مسلمان مرکزی جماعت کو چھوڑ کر شخصی اطاعت میں لگ گئے فرقہ بندی میں پڑ کر برباد ہوگئے ولتکن منکم موضح القرآن میں ہے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے کہ ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کی بات کا تقید رکھنے کو تاکہ خلافِ دین کوئی نہ کرے جو اس کام پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں اور یہ کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدینِ خود یہ راہ مسلمانوں کی نہیں ہے موضح القرآن میں ہے کہ جہاد اور امر بالمعروف کا جو حکم فرمایا یہ ظلم نہیں خلق پر اس میں ان کی ....

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے منہ سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ ان کے ان سے کہا جائے گا کیا تم کافر ہوگئے ایمان لا کر اب چکھو عذاب بدلہ اس کفر کرنے کا۔ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ ان کے سو رحمت میں ہیں جو پارٹی بنا کر مرکزی جماعت کو توڑنے کی کوشش کریں ان کی یہ سزا ہوگی فاما الذین ابیضت الخ جو پارٹی اس غرض سے بنائیں کہ مرکزی کمیٹی کو تقویت ہو ان کی یہ جزا کہ مقابلہ کے وقت فتح یاب اور سرخرو ہونگے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر۔

اللہ نہیں چاہتا کہ بین الاقوامی پروگرام میں کسی قوم سے بے انصافی ہو مگر اللہ یہ چاہتا ہے کہ جو قوم آگے بڑھنا چاہے اسے تفوق دیا جائے اور دوسری اقوام پر برتر کیا جائے۔

ع ۱۱ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا۔

اللہ کی حکومت تمام دنیا پر ہے جو اس کے قوانین پر عمل کرے گا اللہ اسے ہی برتری دے گا کسی خاص قوم کو برتری نہیں دی جائے گی بلکہ قانون پر عمل کرنے والی قوم کو تفوق دیا جائے گا جس طرح اللہ کی حکومت تمام دنیا پر ہے اسی طرح اس نظامِ عالم کو چلانے کے لئے ایک مرکزی نظام کی ضرورت ہے جو اپنے ماتحت نظام کو سمجھائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لاتے اہلِ کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔

سب سے بہتر جماعت دنیا میں وہ ہے جو خدا کے قانون کی پابندی کرے اور اسے بلا رو رعایت چلائے اے مسلمانو تم ایک امی بدو تھے مگر قانونِ الٰہی کی پابندی سے تم نے اس قدر ترقی کی کہ اب نظامِ عالم کو چلانے کے قابل بن سکے اس لئے آج تمام دنیا کی بہترین امت ہو۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّا اَذًى ۚ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانا زبان سے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی۔

تمہارا یہود وغیرہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لئے کہ تمہارے پاس مکمل قانون موجود ہے اور ان کے

مقابلے کا بین الاقوامی پروگرام دنیا کی کوئی قوم نہیں لاسکتی۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ
مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ
ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (۱۱۲)

ترجمہ: ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا اور لازم کردی گئی ان کے اوپر حاجت مندی یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے۔

اگر یہود اس پروگرام پر عمل نہیں کریں گے اور اس کی مخالفت کریں گے تو ان کے لئے سوائے ذلت کے اور کچھ بھی نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے میں یہود بہت ذلیل ہو گئے اب بین الاقوامی پروگرام دینے پر وہ اس پر عمل کرنے سے اپنی حالت کو دوبارہ سدھار سکتے تھے مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اس لئے ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان کی حکومت چھین لی گئی اور ان کی بجائے ایک بہترین قانون پسند قوم کو دی گئی الا بحبل الخ موضح القرآن میں ہے کہ سوائے دست آویز یعنی یہود دنیا میں کہیں اپنی حکومت سے نہیں رہتے بغیر دست آویز اللہ کے کہ بعض اس میں تورات پر عمل کرتے ہیں ان کے طفیل سے پڑے ہیں اور بغیر دست آویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیت ہیں اس کی پناہ میں پڑے ہیں اور یعنی ایک رسی مذہب کی ان کے گلے میں ہے اور دوسری رسی غیر اقوام کی حکومت کی ایسی ذلت نتیجہ غضب الٰہی کا ہے۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ
اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (۱۱۳)

وہ سب برابر نہیں اہل کتاب ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں۔

یعنی ان میں چند آدمی ایسے بھی ہیں جو اس بین الاقوامی پروگرام پر ایمان رکھتے ہیں بقیہ اس مضمون کا آیت الذین ینفقون فی السراء الخ میں ہے یعنی ایسے اخلاق والی جماعت بین الاقوامی تحریک کا مرکز بن کر کام چلا سکتی ہے۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾

ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں۔

یعنی وہ دوسروں کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ تم اس پروگرام کے عامل بن جاؤ۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی۔

کوئی قوم بھی ہو جو اس قانون الٰہی کی پابندی کرے گی اللہ اسے اس کا معاوضہ ضرور دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی جس مکان کی بنیاد ہی ریت پر ہے وہ کتنے دن سلامت رہے گی۔ اسی طرح منکرین جو عمل کرتے ہیں ان کے نتائج عارض ہیں۔ عارضی

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ

وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اس قوم کی کہ انہوں نے اپنے حق میں برا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

یعنی ان کا خرچ اپنی دولت بڑھانے کے لئے ہے اور مساکین پر ظلم کر کے مال جمع کرتے ہیں اگر در حقیقت دیکھا جائے تو یہ ظالم اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں جب انقلاب آ جائے گا تو مظلوم جماعت ان کو تباہ کر دے گی انقلابات اقوام ان ظالم جماعتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں جب ظلم برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہتی تو مظلوم جماعت اٹھ کر انقلاب کر دیتی ہے جب تک قوم میں، عدل و مساوات اور رواداری مضبوط پایہ پر ہوتی ہے تو اس قوم کی حکومت قائم رہتی ہے مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج میں برابر عدالت و انصاف اور رواداری پر عمل کرتے رہے۔

نواب مرزا سمیع اللہ بیگ چیف جسٹس حیدر آباد دکن اپنی کتاب عہدِ اورنگ زیب میں کپتان ہیملٹی کے حوالے سے شروع سترہویں صدی کے کچھ حالات لکھے ہیں جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت ہندوستان سے شروع ہوئی اس زمانہ میں یورپ میں رومی کیتھ لک اور پروٹسٹنٹ عقیدوں کے گروہوں کے درمیان اختلاف کے باعث سخت کشت و خون ہوتے تھے حتیٰ کہ سلطنت کے حکم سے مخالف عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے بچوں کو زندہ جلا دینے کے واقعات پیش آتے رہتے تھے چارلٹ ینگ نے اپنی کتاب میں اسکے بہت سے حوالے دیئے ہیں اس کے برخلاف ہندوستان کے مختلف عقیدہ رکھنے والوں کو جب کپتان ہیملٹی نے پر امن زندگی بسر کرتے دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اس نے سندھ کے قدیم شہر ٹھٹھہ کی نسبت لکھا ہے کہ۔ یہاں سے ماست مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے ہندوؤں میں مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے وہ اپنے برت (روزے) رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانہ میں مناتے تھے جبکہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی آگے چل کر لکھتا ہے کہ پارسی بھی ہیں اور وہ بھی اپنے رسوم مذہب زردشت کے موجب ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں شہر سورت کی نسبت لکھا ہے کہ اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات و طریقہ عبادت کے متعلق نہیں ہوئے ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ کے مطابق اپنے معبود کی پرستش کرے۔

ڈاکٹر ٹیلر ڈھاکہ کے متعلق اٹھارویں صدی کے آغاز میں لکھتا ہے کہ ہندو مسلمان آپس میں بامن رہتے تھے اور ان میں اکثر آدمی ایک حقہ استعمال کرتے ہیں اور دونوں قوموں میں مذہبی بنا پر کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

مسٹر والٹر ہیملٹن نے بھی اس پرامن حالت کا نام ہندوستان میں ذکر کیا ہے اس نے ہندوستان (شمالی ہند) رنگ پور۔ مالابار۔ دکن۔ قلات (دارالحکومت بلوچستان) اور افغانستان کا ذکر مندرجہ ذیل عبارت میں کیا ہے۔ ہندوستان میں شمالی ہند اگرچہ مسلمانوں نے کئی صدیوں سے اس جگہ حکومت کی مگر انہوں نے ہندوؤں کے رسم ورواج یا ان کے مذہبی عقائد میں کسی طرح تبدیلی نہیں کی بلکہ مسلمان ان کے بزرگوں کا ادب کرتے ہیں۔ رنگ پور کے دونوں مذاہب کے پیرو آپس میں نہایت پرامن طریقہ سے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرتے ہیں اور ان کے فیض حاصل کرتے ہیں۔ مالابار جب پرتگیز مالابار میں آئے تو اس جگہ کا حاکم ہندو تھا مگر اس کے ماتحت مسلمان پوری آزادی سے رہتے تھے۔ دکن دونوں مذاہب کے لوگ اس جگہ دوستانہ طریقہ پر رہتے تھے۔ افغانستان۔ برہمن کابل میں کثرت سے پائے جاتے ہیں وہ زیادہ پشاور سے آئے ہیں اور آڑھتی۔ تاجر۔ بنکر۔ پنسار اور غلہ فروشی کے کام وہ کرتے ہیں" کابل" حکومت ہندوؤں کی بہت خاطرداری اور دلجوئی کرتی ہے ان کے معابد میں ان کو عبادت کرنے کی پوری آزادی ہے مگر جب ہندوستان میں انگریز حکومت آگئی تو حکمران جماعت کے بعض افراد نے حکومت کی جو پالیسی اختیار کی وہ مندرجہ بالا پالیسی سے مختلف تھی ان میں دو خیال کے اصحاب تھے ایک وہ جو ہندوستان کی بہبودگی کو انگلستان کی بہبودی سمجھتے تھے اور دوسرے اپنے فوری نفع کو آئندہ کے نفع پر ترجیح دیتے تھے اور حکومت میں اس خیال کے لوگوں کو غلبہ حاصل ہو گیا ۱۸۲۱ء میں کارنے ٹکس نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغے کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی و حربی نظم ونسق سے یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے کہ تفرقہ ڈالدو اور حکمرانی کرو۔ سر جان مینارڈ جو پنجاب کونسل کا مینسٹر ممبر تھا اس نے لکھا ہے کہ "ہندوؤں مسلمانوں کے درمیان عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی ہم سے پہلے وہ نہایت صلح صفائی سے رہتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ان دونوں قوموں کے درمیان مخالفت پیدا کرنے میں ہم کامیاب نہ ہوتے تو ہماری حکومت قائم نہ ہو سکتی اور نہ ہی برقرار رہ سکتی" غرض سر جان مینارڈ کے اس قول سے بڑھ کر اس امر کی اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ ہندو مسلم تنازعات انگریزی عملداری میں شروع ہوئے

سر جان مینارڈ کے قول کی تائید میں صدہا تاریخی واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں سے ایک بطور نمونہ کے یہ ہے کہ جب احمد شاہ ابدالیؒ سے مرہٹوں کی لڑائی ہوئی تو مرہٹوں کا توپ خانہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا توپ خانہ ایسی اہم چیز تھی کہ اس پر لڑائی کا تمام تر دارومدار ہوتا ہے چنانچہ آج تک انگریزوں نے اپنے توپ خانہ کو ہندوستان کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔

اس مذہبی رواداری کا نتیجہ تھا کہ اہل یورپ ہندوستان میں آکر اطمینان سے رہے جب کہ انکے اپنے وطن میں مذہبی اختلاف کی بنا پر زندہ جلا دیا جاتا تھا ہندوستان میں مختلف مذہبوں اور عقیدوں کے لوگ ملے جلے آبادیوں میں مثل عزیزوں اور رشتہ داروں کے امن کے ساتھ یکجا رہتے تھے مگر جس بے رحمی کے ساتھ انگریز حکمرانوں کی ایک مخصوص جماعت نے ذاتی اقتدار اور منافع کے لئے ہندوستان کی اس اجتماعی قومی حالت کو منتشر کیا ہے اس کی نظیر دنیا میں مشکل سے ملے گی اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں مذہبی عناد کی بنیاد کب سے پڑی ہے غدر ۱۸۵۷ء تک اس ملی اختلافات کا وجود نہ تھا جب فوجوں میں بغاوت شروع ہوئی تو ہر مقام کے سپاہی اپنی چھاؤنی میں آگ لگا کر برباد کر کے دہلی کے معزول اور معطل بادشاہ کی طرف دوڑ پڑے یہ سپاہی بہار تک سے آئے تھے ان میں ہر مذہب و ملت کے ہندوستانی تھے ہندو سپاہی بہادر شاہ کی جے پکارتے تھے غرض سب کے سب بلا تفریق مذہب معزول و بے جان مسلمان بادشاہ (دہلی بہادر شاہ ظفر) کے گرد جمع ہو گئے اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جو ظلم و ستم اور جبر و تعدی پچھلی سلطنتوں سے منسوب کی جاتی ہے وہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ حالت اس کے برعکس تھی ورنہ بادشاہ سے رعایا کی اس قدر گرویدگی کی جبکہ اس کی سلطنت جاتی رہی تھی کوئی وجہ نہ تھی۔ لارڈ ڈاسینا گورنر جنوبی ہند نے ۱۸۴۲ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو چٹھی لکھی تھی کہ "میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے اس لئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی رضا جوئی کرتے رہیں۔" اس قسم کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ڈاسینرا کی قسم کے انگریز اس قدر کمزور تھے کہ مسلمانوں جیسی خود دار اور آزاد طبیعت (قوم) پر حکومت نہ کر سکتی تھی انہیں چونکہ اپنی قوت پر بھروسہ نہ تھا اس لئے اپنی حفاظت کی غرض سے ہندوؤں کو گانٹھنے پر مجبور ہوئے اس قسم کی پالیسی کو لارڈ ڈانف سائٹن گورنر بمبئی نے ۱۴ مئی ۱۹۵۵ء کو ایک یادداشت میں لکھا تھا کہ "نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہئے۔"

اور واقعہ یہ ہے کہ اسی خیال کی جماعت انجام کار غالب آئی اور نفاق کے بارہ میں ہندوستان کی

وہ حالت ہوگئی جو ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہے نفاق پھیلانے کے اصول پر عملدرآمد کرنے
کے لئے غالباً سب سے اول اسکولوں کے لئے ایسی تاریخیں انگریزی اور اردو میں لکھائی گئیں جن میں مسلمان
بادشاہوں کے مذہبی تعصبات اور مظالم کے حالات درج کئے اور جس قوم نے کم و بیش آٹھ سو (۸۰۰) سال ہندوستان
میں حکومت کی اور حکومت کے بعد رعایا کے دلوں پر ایسا گہرا نقش چھوڑا کہ غدر کے باغی پرانے سلطنت
کے بعد بھی برائے نام بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) کے گرد جمع ہوگئے ایسی قوم کی مشکل سے کوئی خوبی ان تاریخوں میں دکھلائی گئی
اس موجودہ نظام سلطنت (ہند) کے متعلق لارڈ میکالے نے لکھا ہے کہ زمانہ سابق میں جس طرح دربار
اور با اثر لوگوں کو افیون کے پوست پلا کر کاہل اور پست ہمت اور بدعقل بنا دیا گیا تھا ہماری نظام سلطنت
اسی طرح اہل ہند کو بے کار کردے گا چنانچہ اس نظام کے قائم ہونے کے وقت ہندوستان دنیا میں سب سے
زیادہ دولت مند ملک تھا اس کی دولت لازوال سمجھی جاتی تھی اور وہ دنیا کا باغ ارم بنا ہوا تھا یہاں کی
اخلاقی حالت اس اعلیٰ پایہ پر پہنچی تھی کہ ڈاکو۔ اور ٹھگ بھی جھوٹ بولنے پر موت کو ترجیح دیتے تھے اور
آج دو سو (۲۰۰) سال میں یہ ملک اپنے درجہ سے گر کر افلاس کے اعتبار سے نمبر اول پر آگیا ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ
مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ
حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ
تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے تم جسقدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے سن تو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے۔

مسلمانوں کی مرکزی جماعت ہے اس کے مختلف ممبر ہیں اگر ان میں سے کوئی ممبر کفار سے دوستی کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور اگر کفار یہ کوشش کریں اس طرح مسلمانوں کو فائدہ پہنچا کر یعنی اسے شخصی فائدہ پہونچائیں تو اس ممبر کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے بلکہ اس کے لئے واجب ہے کہ وہ تمام جماعت کا فائدہ دیکھے اس لئے کہ کفار کی خفیہ کمیٹی کی کوشش تو یہی ہوگی کہ اسے فائدہ پہنچا کر اسے کمیٹی سے نکال لیں اسی طرح دوسرے ممبران کو بھی نکال لیں اسی طرح اس مرکزی جماعت کو تباہ کر کے مسلمانوں کو ضرر پہنچائیں مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں اسی طرح برباد ہوگئی کہ کبھی میر محلہ[1] دشمن سے ملتا ہے کبھی[2] میر جعفر کبھی نظام[3] حیدرآباد (میر صادق) سلطان فتح علی (ٹیپو) مرحوم والی میسور کے خلاف مدد دیتا ہے اور کبھی[4] نواب محمد علی والی کرناٹک۔ نتیجہ کیا ہوا۔ نہ کرناٹک کا نواب رہا نہ میر جعفر ہی بنگال نہ میسور رسا زرخیز علاقہ مسلمانوں کے پاس حتیٰ کہ نادار نظام کے علاقے بھی یکے بعد دیگر علاقے لیتے لیتے اسے ایک محدود چھوٹے سے حلقہ کے اندر بند کر دیا گیا غرض اس میں بتلایا گیا کہ کفار سے اگر دوستی کرو تو من حیث القوم فائدہ دیکھو اپنے شخصی فائدہ سے باز رہو۔ موضح القرآن میں ہے کہ اکثر منافق بھی یہود میں تھے اور اس جگہ لفظ من دونکم آیا ہے یعنی اگر رکن جماعت میں رہ کر ان سے ملو تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی ان سے ملو اور جو بات چیت ہو وہ فوراً اپنی مرکزی کمیٹی کے روبرو آکر پیش کر دو اور اگر اپنی جماعت سے بالا بالا ہی کفار سے سمجھوتہ کرو گے تو برباد ہو جاؤ گے۔

اس جگہ مرکزی طاقت کو مضبوط کرنے کا قانون بتلا دیا گیا ہے اس مرکزی کمیٹی کا ذکر سورہ توبہ آیت ۱۰ اور سورہ الحشر آیت ۹ و ۱۰ میں بھی ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

یہ جنگِ اُحد کے واقعات کا ذکر ہے ۳ھ ابوسفیانؓ نے تین ہزار فوج کی جمعیت میں مدینہ پر چڑھائی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا اکثر کی رائے شہر میں رہ کر لڑنے کی تھی مگر بعض نوجوان کہنے لگے کہ یہ عار ہے بلکہ ہم میدان میں مقابل ہوں گے آخر یہی مشورہ مقبول ہوا آپ ایک ہزار آدمی کی جمعیت میں باہر نکلے جن میں سے ایک تہائی عبداللہ بن ابی کے ماتحت تھی وہ ایک تہائی آدمیوں کو لے کر مدینہ میں واپس آگیا مسلمانوں نے دشمنوں کو شکست دی مگر مسلمانوں کے پچاس تیرانداز جن کو مورچے پر کھڑا کیا گیا تھا وہ نادانی سے اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شامل ہو گئے دشمن مسلمانوں پر دوبارہ ٹوٹ پڑے جو اس وقت پراگندہ حالت میں تھے انہیں نقصان پہونچا کر میدانِ جنگ سے چلے گئے اس جنگ میں نہ مسلمان غالب رہے نہ ہی قریشِ مکہ [illegible]

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیئے بھروسہ کریں مسلمان۔

مطلب یہ ہوا کہ جب بزدلی کے آثار دیکھے جائیں تو انہیں سمجھانا چاہیئے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو۔

یہ فتح اس لئے ہوئی کہ ان کا انتظام نہایت کمال کا تھا فانصروا اللہ قانونِ الٰہی کی پابندی کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ
مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾

جب تو کہنے لگا مسلمانوں! کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے

اخلاقی کمزوری کو دور کر کے ان میں طاقت و جوان مردی بھر دی جائے تو یہ قوتِ ملکی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو سوائے اپنے رب کے کسی دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا ایک، کمزور انسان ہر وہ اپنی کمزوریوں سے بخوبی آگاہ ہے وہ عاجزی سے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ اسے تقویتِ دلی دینے کے لئے اپنی طرف سے مدد دیتا ہے یعنی اس کی اخلاقی کمزوری کو دور کر کے اس کے بجائے دلیری وجرأت دیتا ہے اس کے متعلق سورۂ انفال آیت ۱۰ میں مفصل ذکر ہے آیت ۱۰ میں ہے وماجعله الله الا بشریٰ الخ یعنی فتح تو صرف اللہ کی طرف سے ہے اسی سے اگلی آیت اس مضمون کو زیادہ واضح کرتی ہے اذ یغشیکم النعاس الخ غرض اس سے مدعا یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی حالت کو مضبوط کر دیا جائے اس بیان کی تصدیق اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے اذ قال ربك للملٰٓئكة انی معكم الخ غرض اس طرح مسلمانوں کے دلوں کو تقویت دی گئی اور ساتھ ہی کفار کے دل پر دہشت ڈالی اور اس طرح فرشتوں کے بھیجنے کا مطلب پورا ہوا اس طرح مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت نے دشمن کی تین گنا طاقت کا کچومر نکال ڈالا بعض علماء کا خیال ہے کہ فرشتوں کو اصل صورت میں دیکھ سکتے ہیں مگر بہت عرصہ کے بعد بعض کا خیال ہے کہ انسان اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کو متمثل دیکھتا ہے جیسے پانی گلاس میں اگر گلاس کا رنگ سرخ ہے تو پانی بھی سرخ دکھائی دے گا اگر سبز ہے تو سبز۔

بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ
الربع رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾

البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر۔

ڈٹے رہو و تتقوا قانون کو لازمی طور پر پورا کرو اس آیت میں فرشتوں کی مدد کا مکرر بار ذکر آیا ہے۔

اس دفعہ تمام قبائل قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے یہ جنگِ احزاب کا واقعہ ہے جب کہ دس ہزار آدمیوں نے مدینہ پر یک لخت حملہ کر دیا اس قدر عظیم الشان فوج کو صرف ایک ہزار مسلمانوں کا شکست دینا واقعی قدرت خداوندی تھی۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو اس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا۔

فرشتوں کا ذکر صرف تمہارے مضبوط اور دلیر بنانے کے لئے کیا وما النصر الا من عند اللہ اللہ تعالیٰ تو اسے مدد دے گا جو اس طرح اپنا دل مضبوط کرلے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا ان کو ذلیل کرے تو پھر جاویں محروم ہو کر۔

اگرچہ کفار کا مقصد جنگ سے مسلمانوں کو تباہ کرنا تھا مگر اس جگہ بتلایا کہ مشیتِ ایزدی کفار کو جنگ میں تباہ کرنے کی نہیں تھی بلکہ ان کے ایک حصہ کو تباہ کرنا مقصود تھا اس طرح جب ان کے سردار مارے گئے تو باقی خود ہی ناامید ہو گئے اس جنگ سے مکہ کی واپسی کے رستہ میں ان کا سردار خالد بن الولید مسلمان ہو گیا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے خدائے تعالیٰ یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔

انسان ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے سزا کے خواہاں تھے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف طور پر بتلایا جاتا ہے کہ آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں کیونکہ اگرچہ وہ ظالم ہیں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے اس میں شک نہیں کہ وہ سزا کے مستحق ضرور

ہیں مگر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر غالب ہے کہ ممکن ہے وہ معاف کر دے نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور بندے کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور انتہائی قوت اور اختیار اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اے رسولؐ تیرا اس میں کچھ اختیار نہیں اللہ جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے سزا دے ان کے گناہ وجرم حد سے زیادہ ہیں اور وہ سزا کے مستحق ہیں لیکن اللہ کی ذات غفور و رحیم ہے وہ جسے چاہے بخش دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

جنگ کی حالت میں روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور سود سے روپیہ پیدا ہو سکتا ہے اور مسلمانوں میں جوانوں کی قلت نہیں تھی فقط نفقات اور روپیہ کی قلت تھی تو ایسے وقت رباؔ کی طرف خیال آنا ضروری ہے جیسے یہود روپیہ پیسہ ربا سے پیدا کر رہے تھے تو یہاں کہہ دیا گیا کہ ربا سے بچو کیونکہ ربا ایک آگ ہے یعنی ربا کھانے کے سبب سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارے دل سے رحم چلا جائے گا پھر بین الاقوامی حکومت آپ لوگ قائم نہیں کر سکتے اسی طرح جنگی اخراجات کے لئے سود پر روپیہ پیسہ لینا بھی حرام ہے مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہی کا یہی نشانی تھی کہ انہوں نے قرض سود پر روپیہ لیا اور اس طرح غیر ملکی لوگوں کو ان کے معاملات میں دخل دینے کا موقع مل گیا اور اس طرح مسلم حکومتیں برباد کر دی گئیں یہود میں ربا پر مال لینا اور دینا عام تھا تو اس برائی سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ یہود کی برائیوں میں نہ پڑیں جن میں سے ایک سود خواری تھی جس نے یہود

کے اخلاقی پہلو پر ایک کاری ضرب لگائی تھی۔

غرض احد کے جنگ کے بعد مسلمانوں کو جنگی تیاری کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی ادھر یہود کے پاس روپیہ تھا وہ سود پر دیتے تھے اور سود کا معاملہ دینا اور لینا دونوں اللہ تعالٰے نے بند کر دیئے تو ضرور اب مسلمان اپنی سعی سے روپیہ پیدا کریں گے یہ حکمت تھی۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ﴿۱۳۱﴾

اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے۔

سود ایک آگ ہے اس سے بچو اور اگر تم اس بری عادت میں پڑ گئے تو تباہ ہو جاؤ گے۔

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تا کہ تم پر رحم ہو۔

جنگِ احد کے نقصان کا باعث مورچہ چھوڑ کر رسولؐ کی نافرمانی تھی قریش مکہ کی حملہ آور فوج جو مکہ کو واپس جا رہی تھی مورچہ کو خالی دیکھ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی اسی طرح بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجروح ہوئے۔

وَسَارِعُوٓا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے۔

یہ خوبی نہیں کہ کفار کو مثلہ کیا جائے مگر شرافت اس بات کی مقتضی ہے کہ دشمن کو فتح کے بعد اس کے بربریت پر سزا دی جائے احد کے میدان میں کفار کے مثلہ کرنے پر صحابہ کا خیال تھا کہ ہم فتح پائیں برد وگنا مثلہ کریں گے یہ آیت اس کا رد معلوم ہوتی ہے اعدت للمتقین قانونِ الٰہی کا بھی یہی مدعا ہے اور قانونِ الٰہی کے عامل کے لئے جنت ہے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ
عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً
اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں۔

فیہ بیان امور یستحق بہا الانسان الجنۃ یعنی غریبوں کی مدد مستقل عادت ہونی چاہیئے تنگی و فراخی دونوں حالت میں والکاظمین الغیظ الخ اگر قانون پر زد پڑ رہی ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا اگر ان کی ذات پر حملہ ہے تو اسے معاف کر دیتے ہیں حضرت علیؑ کا مشہور واقعہ ہے کہ دشمن کے ساتھ عین جنگ کی حالت میں جب اس پر قابو پا لیا تو اس نے آپ پر تھوک دیا تو اس وقت فوراً اس کو چھوڑ دیا اس نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں تجھ سے جنگ کر رہا تھا مگر تیرے تھوکنے سے مجھے غصہ آیا تو اسی حالت میں جنگ کرنے میں میری ذاتی غرض بھی ہے آگئی۔ ایسے میں پیچھے ہٹ گیا ہوں اور آپ کے صاحبزادے امام حسینؑ کا ذکر ہے کہ یعنی غلام سے ....

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

انہی کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان ان اخلاق والے لوگوں کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ جنت ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ۔

اگر نیک بن کر لوگوں سے برائی کے کام چھوڑاؤ گے تو اللہ تعالٰے تمہیں کامیاب کرے گا اور اگر اس کی تکذیب کرو گے تو تم سے پہلے بہت امتیں گزری ہیں دنیا میں پھرو اور دیکھو کہ انکا کیسا حشر ہوا ۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو ۔

یہ کتاب بین الاقوامی قانون واضح طور پر بتلاتی ہے پھر کام کرنے کا رستہ دکھاتی ہے اور عدالت پر کاربند ہونے والی جماعت کے لئے ایک وعظ ہے جس سے نصیحت پذیر ہوتے ہیں غرض تمہیں یہ رستہ بتلا دیا گیا اس پر چلو گے تو کامیاب رہو گے ۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ
الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنے والوں سے ۔

علی الہزیمة کیونکہ جن کے دل مضبوط ہوتے ہیں اللہ پر ان کا پورا بھروسہ ہوتا ہے وہی دنیا اعلیٰ مرتبہ حاصل کرتے ہیں ان کنتم مؤمنین پابندِ قانون ولیعلم اللہ الذین امنوا الخ ایک آدمی دیکھ رہا ہے کہ میدانِ جنگ میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں مگر باوجود اس کے وہ قتل گاہ میں آتا ہے اور شہید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں یہ دیکھتا ہے کہ اس کا ایمان باللہ کس قدر مضبوط ہے کہ قتل دیکھ کر قتل

گاہ کی طرف بڑھا چلا جارہا ہے واللہ لا یحب الظالمین تمہارے آدمی شہید کرانے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تمہارے آدمی شہید کرا کر ظالموں سے ہمدردی رکھتا ہے بلکہ اس میں تمہارا امتحان منظور ہے کہ کون کون آدمی ثابت قدم رہتے ہیں۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو۔

ہر ایک آدمی اور ہر ایک قوم کی آزمائش ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کھوٹے کھرے کی تمیز نہیں ہو سکتی تم پر جو یہ مشکل وقت آن پڑا ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ تم کو نتھار دے جیسے مسلمانوں کو منافقین سے علیحدہ کر دے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔

یعنی ان میں امتیاز ہو جائے جنت حاصل کرنے کی یہ شرط ہے کہ کام کی تکمیل کرو اگر تم نے پروگرام کو مکمل کر دیا تو یہی تمہاری جنت ہے پھر تم اللہ کی نعمتوں کے وارث ہو مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کام کو مکمل کرنے سے پہلے تم اپنے آپ کو جنت کے کیسے حقدار سمجھ سکتے ہو۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴

اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے۔

تم بہت جلدی باتیں بناتے تھے کہ ہم لڑیں گے اس لئے تم کو اس جنگ میں بتا دیا گیا کہ موت کیا ہے ایک آدمی کس بات کو حق سمجھتا ہے تو اس کے لئے خواہ اسے میدانِ قتال میں آنا پڑے وہ اس سے کبھی دریغ نہ کرے اس فلسفے کو آرین قوموں نے اور خاص کر ہندوستان کے راجپوتوں نے بہت اچھی طرح سمجھا تھا وہ جب سمجھ لیتے تھے کہ وہ حق پر ہیں تو پھر اس کے لئے رزم جوہر کرتے تھے اور یہ انسانی اخلاق

کا بہت اعلیٰ معیار ہے اس جنگ میں پہلے فتح کے آثار تھے پھر مورچہ چھوڑنے پر مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچا پھر فتح کے آثار دکھائی دیئے درمیان میں حضورؐ کے شہید ہونے کی افواہ غلط پھیلی مسلمان اس سے بہت بددل ہو گئے اس طرح ان کی حالت ابتر ہو گئی تو اب بتلایا کہ اگر حضورؐ لڑائی میں شہید ہو جائیں تو انہوں نے اپنا مشن پورا کر دیا اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس کے مشن اور پروگرام کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتے رہو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک مرکزی نظام ہو اس کے ماتحت رہ کر مسلمان ترقی کریں شخصی اطاعت سے ہمیشہ بزدلی پیدا ہوتی ہے "جماعتی انتظام" کے تابع رہو اور اللہ کی اطاعت یعنی اس کے قانون کے پابند رہو اسی کی طرف آیت ع ۱۵۸ وشاورھم فی الامر میں اشارہ ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہر گز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ بھی اور اللہ ثواب دیگا شکر گذاروں کو۔

یعنی آپ کی شخصیت باقی انبیاء سے بہت بزرگ وافضل ہے مگر آپ کو شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ رسالت کے باعث امام سمجھتے ہیں آپ کی طرح کے رسول آپ سے پہلے بہت گذر چکے ہیں۔ فلن یضر اللہ اللہ کے قانون کو نقصان نہیں پہنچا سکتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ احد میں سخت ضربیں آئیں اور مشہور ہوا کہ آپ شہید ہو گئے اگر آپ شہید بھی ہو جاتے تو مسلمان اپنے عقائد میں اس قدر بالاتر تھے گروہ اپنے پرانے مذہب کی طرف نہ جائے حقیقت واقعی حقیقت تھی اگرچہ اس کے پرچار کرنے والے کسی جنگ میں شہید ہو جائیں مگر سچائی اور حقیقت کو ترک نہیں کر سکتے تھے نہ اس کے لئے جھوٹ باطل ہو سکتا تھا اگرچہ ان کے پرچار کرنے والے کافی ایک عارضی لمحہ کے لئے کامیاب ہو جائیں اس آیت میں اگرچہ اسلام کی صداقت پر جہاں بہت زور دیا گیا ہے وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بھی اعلان فرمایا گیا ہے۔ کہ آپ بھی بالآخر دنیا سے انتقال فرمانے والے ہیں۔ اس سے لوگوں کو حضورؐ کی وفات کا یقین ہو گیا جس طرح پہلے انبیاء وفات پا گئے انبیاء بشر تھے ان کی بشری زندگی کا

دوسرے بشر کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاتمہ ہوتا تھا غرض اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابو بکرؓ نے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیویں ہم اس کو دنیا ہی سے اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا اس میں سے دیویں گے ہم اس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو۔

قانونِ خداوندی کی وقتِ معین شدہ میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی موٹر میں جس قدر پٹرول ڈال دیا گیا ہے اس انداز سے موٹر چلے گی پٹرول کے خاتمہ پر موٹر کا رک جانا لازمی امر ہے اگر دل میں انسان یہ یقین کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ موت کا ڈر۔ اس سے دور ہو جائے گا انسان کو ایک اجتماعی زندگی کا پروگرام دیا گیا ہے اس کی تعمیل اس پر فرض ہے اس کو موت کا ڈر دل سے نکال کر اس میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ و من یرد ثواب الدنیا نظام عالم میں جس طرح کا عمل کرے گا اس کو اس کا پورا معاوضہ دیا جائے گا دنیا کے خریدار کو دنیاوی ترقی اور آخرت کے خریدار کو دنیا و آخرت دونوں کی ترقی اللہ دے گا۔ کیونکہ وہ شکر گذاروں کو ضرور معاوضہ دیتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں کو۔

ربیون دین کے معلم فما وھنوا لما اصابھم (من المصائب) فی سبیل اللہ (فی ترویج قانون اللہ و فی تکمیل پروگرام یعنی نہ ان کے قدم ڈگمگائے نہ حوصلہ چھوڑا بلکہ نہایت دلیری سے پروگرام کی تکمیل میں کوشاں رہے واللہ یحب الصابرین اس طرح ڈٹ کر کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۴۷﴾

اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر۔

عند المصائب فی تکمیل پروگرام۔ الا ان قالوا ربنا اغفر لنا ذنوبنا (الخ فی تکمیل ھذا پروگرام)۔ وثبت اقدامنا علی تکمیل پروگرام۔

فَآتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۸﴾ ع

پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے

اس لئے اللہ نے ان کو ہمت و توفیق دی تاکہ وہ اس پروگرام کو مکمل کر کے دنیا میں بھی کامیابی حاصل کی اور آخرت میں اللہ کی رضا حاصل کی المحسنین پروگرام کو پورا کرنے والے۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم نقصان میں۔

یعنی اے مسلمانو! تم حق پر ہو اس پروگرام کی تکمیل میں اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو دشمن تمہیں یہ یقین دلاتا ہے کہ تمہارا پروگرام ہی غلط ہے اس لئے تم سے یہ غلطی ہوئی پروگرام تو تمہیں مکمل و درست دیا گیا ہے اس میں شک نہیں اگر تم دشمنوں کی بات پر یقین کرو گے تو وہ تم کو پھر گڑھے میں لے جائیں گے اور تباہ کر دیں گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے۔

اللہ نے اپنا قانون تمہیں اس پروگرام کی صورت میں دیا ہے اس پر عمل کرو اگر اس میں لغزش ہو جائے تو پھر دوبارہ اس میں کوشش کرو اور اپنی غلطی کی اب اصلاح کرو اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے وہ تمہیں توفیق دے گا کہ اسے سرانجام دو۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۱﴾

اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کا۔

انہوں نے اپنے اندازے سے ظلم کے قانون بنا رکھے ہیں جن کی بنا جھوٹ پر ہے مسلمانوں اگر تم سچ پر ڈٹے رہو اور اس پروگرام کی تکمیل میں مصروف رہو تو فقط تمہارا رعب بھی ان کو کھا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری کمزوری کے زمانہ میں بھی تم کو مدد دے گا اور تمہارا رعب برقرار رہے گا اس بیان کی تصدیق جنگِ اُحد میں حرف بحرف ہوئی ہے کفار مسلمانوں کی نسبت چار گنا تھے ان کا سامانِ جنگ وغیرہ بھی مسلمانوں کی نسبت مکمل تھا حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹی شہادت کی افواہ سے مسلمان بہت بددل ہو گئے تھے اس لئے بہت پراگندہ حالت میں تھے مگر اس کے باوجود کفار میدانِ جنگ سے بھاگے اور مدینہ پر حملہ نہ کر سکے جو اس وقت بالکل بے پناہ تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ کفار نے تیراندازوں کے مورچہ چھوڑنے کے بعد مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا مگر اس کے باوجود ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دہشت بیٹھی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے اسی میں بچاؤ سمجھا کہ مکہ کو واپس سلامت چلے جائیں اور

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۚ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزماوے اور وہ تم کو معاف کر چکا اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر۔

المذکور فی آیت ۱۲۳ فی غزوۃ احد لکن جنگ احد میں اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے کہ تم اس فتح سے فائدہ نہ اٹھا سکے منکم من یرید الدنیا الخ اس جگہ دو گروہوں کا ذکر ہے دنیا کا خواہاں آخرت کے خواہاں پچاس تیر اندازوں میں یہ دو گروہ تھے۔ (دوسرے آخرت کے خواہاں شہید ہوئے)

ثم صرفکم الخ دشمن مورچہ خالی دیکھ کر لوٹ آئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا اگر تیر انداز مورچے سے نہ ہٹتے تو نقصان نہ اٹھانا پڑتا اب دکھلایا جا رہا ہے کہ پروگرام میں کسی قسم کی غلطی نہیں مگر اس کی تکمیل میں تم سے غلطی ہو گئی اس غلطی میں بھی چند فوائد تھے جن کا سبق مسلمانوں کو دیا گیا آدمی اگر کھو کر کچھ سیکھ جائے تو اسے غلطی نہیں کہنی چاہیے بلکہ مستقبل کے لئے ایک اعلیٰ سبق مل گیا۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ
فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(حاشیہ: اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو)

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آ جاوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں مگر تم بھاگ رہے ہو اور جنگ کے شور میں کچھ سنتے ہی نہیں اس طرح تمہارا غم پر غم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ لکیلا تحزنوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نہ آنے کے غم سے پہلے دونوں غم یعنی (مال غنیمت لوٹنا اور ستر آدمیوں کا شہید ہونا) بھول گئے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً
مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۵۴﴾

پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ اور اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا ہے

یعنی اس غم کے بعد سکون دیا چونکہ مسلمان اپنی غلطی کو سمجھ گئے تھے اس لئے اپنے آپ پر انتہائی ملامت کر رہے تھے اس لئے اللہ نے ان پر نیند کا غلبہ کر دیا اور نیند کے بعد وہ دلیرانہ جذبات کے ساتھ بیدار ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی تھی اگر شکست ہوتی تو کفار کی تین ہزار فوج ضرور مسلمانوں کو سات سو پراگندہ فوج کا تہس نہس کر دیتی یہ بات ہوئی کہ مورچہ کی جگہ خالی دیکھ کر دشمن نے دوبارہ حملہ کیا اب مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ان کی پراگندہ فوج دوبارہ جمع ہوئی اور دشمن تب میدانِ جنگ سے چلا گیا اس کے بعد مسلمانوں کو غنودگی سی آئی اور ہمت و دلیری سے بیدار ہونے کے بعد عود کر آئی کیونکہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ دشمن میدانِ جنگ میں ہو اور مسلمانوں کی فوج جو تعداد میں قلیل اور بے سر و سامان ہو وہ دشمن سے نڈر ہو کر سو رہے۔

وطائفۃ قد اھمتھم الخ یعنی وہ لوگ جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن ان میں سے کچھ مسلمانوں کے ساتھ تھے انہوں نے جب مسلمانوں کے خلاف اپنے دلی خیالات کا اظہار کیا خدا کی نسبت جو ان کے برے خیالات تھے وہ یہ تھے کہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی ویسی مدد نہ کی ظن الجاھلیۃ جاہلیت کے لوگوں یا زمانہ جاہلیت کے خیالات۔ یقولون ھل لنا الخ وہ اپنی ناراضگی کا اظہار اس لئے کر رہے تھے کہ ان کا مشورہ کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے تسلیم نہ کیا گیا کثرت رائے اس طرف تھی کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے باہر کیا جائے قل ان الامر الخ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے اور جو اس کے قانون پر عمل کرتا ہے اس کی ہمیشہ مدد کرتا ہے مسلمانوں کے تیر اندازوں نے چوں کہ اس جگہ غلطی دکھلائی اس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا یخفون ان کے دل میں ایک غلط خیال ہے یقولون لوکان الخ وہ یہ کہ مسلمانوں کو اس قدر نقصان ہمارے مشورہ کہ شہر کے اندر رہ کر جنگ کریں پر عمل نہ کرنے سے ہوا۔ قل لو کنتم الخ ان کا یہ خیال غلط ہے اس نظامِ عالم میں انسان کی جس قدر عمر لکھی گئی اس سے ذرہ بھر کی بیشی ناممکن ہے اگر ان کی موت اس میدانِ جنگ میں تھی تو وہ سوچ کر کاٹ کر بھی میدانِ جنگ میں آکر حصہ لیتے ولیبتلی اللہ الخ سوال یہ تھا کہ تمہارے بس میں جس قدر تھا تم نے پوری قوت و دلیری سے اس کا میدانِ جنگ میں مظاہرہ کیا اگر تم دلیری اور فرمانبرداری سے لڑتے تو یہ ایک بات تھی مگر تم نے اس جنگ میں اپنے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اس کا نتیجہ تم نے دیکھ لیا۔

واللہ علیم بذات الصدور۔ اے صدور کم مگر وہ ان کا دوسروں کے سامنے مظاہرہ

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ

ع ۱۶ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا ج وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾

جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو ان کو بہکا دیا شیطان نے ان کے گناہ کی شامت سے اور ان کو بخش چکا اللہ اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا۔

یعنی ان کی غلطیوں کی وجہ سے شیطان نے ان کو پھسلا دیا ولقد عفا اللہ الخ آپ کی وفات کی خبر غلط مشہور ہونے سے مسلمان پریشان ہو گئے بہتوں نے میدانِ جنگ چھوڑ دیا مگر اس میں بھی بہتوں نے حوصلہ دکھلایا اور چند آدمی میدان میں ڈٹے رہے اور پھر باقی بھی ڈٹ رہے نہ بہت حوصلہ کا کام ہے

اس لئے اللہ نے ان کے گناہ معاف کر دیئے اگر سب کو سزا دی جائے تو سزا سے کوئی بھی نہیں بچے گا اس لئے سب کو معاف کر دیا یہ اس نظامی قوت کو سمبھالنے کا بہترین نمونہ ہے کہ کن حالتوں میں سزا دینی چاہیئے اور کن میں معاف کر دینا چاہیئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے۔

اس غلطی کے بعد جب معاف کر دیا گیا تو پھر بھی بعض آدمی اپنی پہلی حماقت پر بدستور اڑے ہوئے تھے ان سے اب مسلمانوں کو روکا جاتا ہے کہ اب تم ان سے نہ ملو اور ان کا ساتھ مت دو ولو کانوا عندنا انسان کو موت تو ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی مگر یہ فضول خیال ہے کہ اگر وہ اس جنگ میں نہ جاتے تو نہ مرتے مسلمانوں کو حکم تھا کہ اس پروگرام کی صحیح تعمیل دل و جان سے کریں خواہ کتنے ہی مصائب اٹھانے پڑیں خواہ جان ہی قربان کرنی پڑے اس ایثار کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے لیجعل اللہ ذلك حسرۃ مگر اب انہیں افسوس ہوا کہ کیوں وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل نہ ہوئے اسی طرح اسلام کی ترقی میں وہ حصہ لیتے واللہ یحیی ویمیت اس میں نہ از لنا کا دخل ہے نہ جنگ و سفر کا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾

اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اس کی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ

اس بات کا ہر ایک کو یقین ہے کہ موت ضرور آئے گی اس لئے بہتر ہے کہ حقانیت پر لڑتے لڑتے مریں اور بہترین شکل میں اس کا استقبال کریں

رہ جان بجانان رہ وگرنہ از تو مستاند اجل ، خود تو منصف باش حافظ این نکو یا آن نکو

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب ۔

تو پریشان مت ہو کیونکہ اللہ کے ہاں سب نے جانا ہے وہاں حساب وکتاب ہوگا ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے ۔

یعنی اگر تجھ میں غصہ وسختی ہوتی تو تجھ سے سب بھاگ جاتے وشاورھم فی الامر اس شکست کے بعد سوسائٹی کے اصول بتلائے کہ اس طرح عمل کرنا چاہئے اس اصول پر مسلمانوں نے جب تک عمل کیا ہمیشہ کامیاب رہے یہاں اصول بتلا دیا کہ مشورہ کر کے ہر ایک کام کو کرنا چاہئے ۔ مسلمانوں نے اس نظام پر عمل کیا اور خلافت راشدہ آل پارٹیز پروگرام پر چلتے تھے اس کے بعد آل پارٹیز کے بجائے ایک پارٹی (خاندان بنو امیہ) برسر اقتدار آئی تو اس نے بھی اسی پروگرام پر عمل کیا اس پارٹی کو شکست کے بعد دوسری پارٹی (خاندان عباسیہ) برسر اقتدار آئی وہ بھی اسی پروگرام پر کاربند رہی مگر جب سے مسلمانوں نے اس نظام کے ماتحت کام کرنا چھوڑ دیا تو تباہ ہو گئے ۔

" آج آل پارٹیز پروگرام کے بجائے پارٹی پالٹکس ہے اس کے ماتحت قرآن پر عمل کر کے ہم آج بھی کام کر سکتے ہیں اگرچہ آل پارٹیز پالٹکس ہو آج کل عملدرآمد نہیں ہو سکتا مگر نصب العین یہی ہے ۔

آج آل پارٹیز پالٹکس اس لئے کامیاب نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک ملک اپنی قومیت اور اپنی زبان

لئے بیٹھا ہے مگر برسرِ اقتدار آنے کے بعد "مرکزی طاقت" کو مضبوط کر کے "آل پارٹیز پالٹکس کامیاب ہو سکتا ہے۔

فاذا عزمت الخ انسان کی اخلاقی تعمیر کا نہایت اہم عنصر اپنے اندر "خود اعتمادی" کا جوہر پیدا کرنا ہے جس کے بغیر نہ کوئی شخص کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی قوم خود اعتمادی سے مقصود اپنے اندر فیصلے کی قوت سے مستحکم عزم پیدا کرنا اور پھر اس عزم کے مطابق خدا کے بعد خود اپنی ذات پر بھروسہ کر کے کام شروع کر دینا اور اس کو کامیابی تک پہنچانا ہے قرآن نے اس نکتہ کو صرف دو لفظوں میں ادا کیا اذا عزمت فتوکل علی اللہ یعنی جب عزم کر لے تو پھر خدا پر بھروسہ کر اس سے پہلے مشورہ کا حکم ہے مشورہ کے بعد فیصلہ ہو جائے۔ اس پر مستحکم عزم کی تاکید ہے پھر اس عزم کے مطابق اس کو کر گزرنا اور اس کی کامیابی کے لئے خدا کی توحید اور نصرت پر بھروسہ کرنا مسلمانوں کا یہی جوہر تھا جس سے متصف ہو کر ایک غریب مسافر ہمت کی کمر باندھ کر تنہا کھڑا ہوتا تھا اور "اعتماد علی النفس" و "توکل علی اللہ" کا جوہر ان میں درخشاں تھا۔

ایک فرنچ نے "اینگلو سیکسن* قوم کی ترقی کے راز" میں لکھا ہے کہ "انگریزی قوم کی ترقی کا بڑا راز یہی خود اعتمادی کا جوہر ہے" ایک اور فرانسیسی مورخ نے لکھا ہے کہ "ماں کی گود سے لے کر کالج کی اعلیٰ تعلیم تک لڑکوں میں جس وصف کے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے وہ خود اعتمادی ہے" ڈیوک آف ولنگٹن کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "ہم نے انگلستان کے فٹ بال کے میدانوں میں خود اعتمادی اور ثبات اور استقلال کا جوہر اپنے اندر پیدا کیا تھا وہ نپولین کے مقابلہ میں ہمارے کام آیا۔"

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے مسلمانوں کو

تم سے جس قدر کوشش ہو سکی تم نے اس پروگرام کے مکمل کرنے میں کی اب نتیجہ اللہ کے ہاتھ چھوڑ دو اس صداقت کو حاصل کرنے کے لئے قانونِ الٰہی کی پابندی کرتے رہو و علی اللہ فلیتوکل جو قانون تمہیں دیا گیا ہے اس پر پورے یقین سے ڈٹ کر کام کرو اللہ اس میں تمہیں مدد دے گا۔

وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ: اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاوے گا ہر کوئی جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

مالِ غنیمت سے یعنی قومی خزانے سے چوری کرنے کو غلول کہتے ہیں سارق ہر پرائیویٹ ملکیت کی چوری کرنے والا ہے جنگ کے مالِ غنیمت کے پانچ حصے ہوتے ہیں چار فوج پر تقسیم ہوتے ہیں خمس بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اس خمس کے پھر پانچ حصے ہوتے ہیں چار حصے بیت المال میں اور پانچواں حصہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے تو کل مال کا جمع شدہ کا ۱/۲۵ آپ لیتے تھے جسے آپ پھر مسلمانوں پر خرچ کر دیتے تھے اور آپ یہ ۱/۲۵ حصہ متفقہ فیصلہ سے لیتے تھے اب اگر کوئی متفقہ فیصلہ سے خرچ کرے تو وہ خدا کا دوست ہے اگر جس قدر چاہے اپنی مرضی سے لے تو وہ خدا کا دشمن ہے

وما کان لنبی ان یغل الخ غرض حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جماعت کے ایک رکن و فرد ہیں وہ جو کچھ لیتے ہیں وہ جماعت کے متفقہ فیصلہ سے لیتے ہیں اور اپنے آپ کو جماعت سے ممتاز نہیں کرتے۔

ومن یغلل الخ یعنی وہ قیامت کے دن چور کی حیثیت سے پیش ہو گا وہاں کسی قسم کا امتیاز نہیں ہو گا

ثم توفی کل نفس الخ جنگِ احد کے نقصان کی وجہ یہ تھی کہ چند تیر اندازوں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ان کو مالِ غنیمت سے حصہ نہ ملے اس لئے ان کو بتلایا جا رہا ہے کہ ایک معمولی کمانڈر ممکن ہے کہ اس قسم کی حرکت کرے مگر ایک نبی سے یہ توقع نہیں ہو سکتی جو کہ صرف لوگوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا تھا۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پہنچا۔ لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں

قانونِ الٰہی کے پابند دنیا میں کامیاب اور قانون شکن ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے ھم درجات اے اہل درجاتِ مختلفہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ۱/۲۵ حصہ نہیں لیا اور کہا کہ حضورؐ کے لئے تھا دونوں خلفاء صرف روٹی کا خرچ لیتے تھے اور وفات کے وقت جس قدر بیت المال سے لیا حساب کر کے واپس کر دیا اور بیت المال میں جمع کر دیا اور بعض ہیں کہ انہوں نے صرف روٹی کپڑا!

بیت المال سے لیا جس طرح ان کے مراتب ہیں اسی طرح ظالموں کے بھی مراتب ہیں واللہ بصیر بما یعملون جو قرآن پر چلیں گے ان کو مراتب عطا کر دیئے جائیں گے اور اسکے خلاف چلنے والوں کی سزا جہنم ہے۔ وزر کمالات

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

النصف

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

ثم بین احسانہ بقولہ اذ بعث فیھم رسولا الخ ان کی جماعت میں سے ایک رسول بھیجا جو صحیح صحیح علم سکھلاتا ہے غرض احد میں تمہاری غلطی سے اس کو اور مسلمانوں کو کس قدر تکلیف ہوئی مگر اس نے پھر بھی تم سے بہت نرمی سے برتاؤ کیا اس کے ساتھ اس نے کس قدر عظیم الشان قانون تمہیں دیا اگر وہ تم کو یہ قانون نہ سمجھاتا تو تمہارا اس قانون کو سمجھنا ناممکن تھا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

کیا اس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دوچند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

والمراد من المصیبۃ ما اصابھم من خلاف حکم الرسول یعنی مورچہ چھوڑنے کے سبب، مثلیھا (فی بدر و ابتداء غزوۃ احد) قل ھو من عند انفسکم یعنی تمہاری اپنی غلطی کا نتیجہ ہے علی کل شیء قدیر جب تک تم نے اس کے قانون یعنی اس کے رسول کی فرمانبرداری کی تو تمہارے نظام کی یہ خوبی تھی کہ تم نے نہایت کمزور حالت میں اپنے دشمنوں پر دو دفعہ فتح حاصل کی مگر جب تم نے احد میں غلطی کی تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔

قانونی ضرورت بھی اس بات کی مقتضی تھی کہ ایک ایسی صورت پیدا کر دی جائے (خواہ تمہاری شکست کی حالت میں) جس سے مسلمانوں اور منافقوں میں امتیاز ہو سکے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ
اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے اور کہا گیا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں۔

لکنہ لیس بقتال بل ھو ذھاب الی قسم الموت لا محالۃ لان المسلمین قلیلون مع قلیۃ الاسباب وضعفھم اور دشمن نے خوب لیس ہو کر حملہ کیا تھا تو ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے۔

ھم للکفر یومئذ ان کے دل میں تو اس دن مسلمانوں کی دشمنی بھری ہوئی تھی اور یہ صرف عذر خواہی کے طور پر بہانے بنا رہے تھے یقولون بافواھھم وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں ان کا منشا یہ تھا کہ

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ
فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے تو کہہ دے اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے تو شہر پناہ کے اندر رہ کر جنگ کرتے تو اس قدر نقصان نہ

ہو تا قل فادرءوا تمہارا خیال غلط ہے موت کا وقت مقرر ہے آگے پیچھے ہرگز نہیں ہو سکتی اگر تمہارا خیال سچا ہے تو امن کی حالت میں لوگ کیوں مرتے ہیں تم لوگ موت کے فلسفہ سے ہی واقف نہیں ہو۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾

اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے۔

موت سے زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد اس زندگی کی تکمیل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اعلیٰ اخلاق سے مزین کیا اب یہ نہیں کہ موت پر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے موت کے بعد اس کے اخلاق اور کمال کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اب اس کی ترقی شروع ہوگی اور یہ زندگی اس کی دائمی ہوگی دنیا کی ہر قوم اسی اصول کو کسی نہ کسی رنگ میں مانتی ہے اہلِ ہنود بھی اسی ترقی کے قائل ہیں گو وہ تناسخ کے ذریعہ اس پر ایمان رکھتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس ترقی کے لئے ہر ایک قوم نے مختلف ذرائع سے سمجھ رکھے ہیں لیکن بہرحال اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کے جو دائمی ہے کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہے دنیا میں اس خیال کے دو مختلف سکول ہیں۔ اول آرین سکول جس میں اہلِ ہنود۔ بدھ۔ پرانے چینی اور پرانے ایرانی اور پرانے یونانی شامل ہیں۔ دوسرا سکول سامی کہلاتا ہے اس میں موسوی تعلیم اور اسلامی تعلیم کے پیرو ہیں یہ دونوں سکول آئندہ زندگی کے قائل ہیں گو الگ الگ رنگ میں مگر نقطہ نظر دونوں کا ایک ہی ہے یعنی دوسری زندگی میں انسان کی ترقی اور اس کے اخلاق کا کمال۔

پہلا سکول یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نیک لوگ سیدھے سُرگ یعنی جنت میں چلے جائیں گے اور وہیں سے ان کے اخلاقی کمال کی ابتداء ہوگی گنہگاروں کو سزا کے طور پر مختلف جُونوں میں جانا پڑے گا حتیٰ کہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر وہ بھی جنت میں جائیں گے اور نیک لوگوں کی مانند ان کے اخلاقی کمال کی ابتداء ہوگی۔ دوسرے سکول کا عقیدہ یہ ہے کہ نیک لوگ آرین سکول کے خیال کی مانند سیدھے جنت میں جائیں گے اور گنہگاروں کو ان کی سزا کے بعد اور ان کے رسولوں کی سفارش کے بعد نجات دی جائے گی اس کے بعد ان کے اخلاقی کمال کی ابتداء ہوگی اب اصل آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اللہ کی رضائے کے سوا دوسرا کوئی کام نہیں کرتے ان کی ہر وقت یہی خواہش ہے کہ قانونِ الٰہی کی تکمیل میں جان و دل سے مصروف رہیں اور اگر ان کی جان بھی اسی مقصد میں چلی جائے تو وہ اس بات

دریغ نہیں کرتے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے کارنامے بھی دنیا میں زندہ رہینگے
دیکھو سورۃ الانعام آیت ۳۷ یا ۳۰۔

فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِٱلَّذِينَ
لَمْ يَلْحَقُوا۟ بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ وقف لازم

خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور ان کو غم۔

اللہ نے ان کو اچھے اخلاق دیئے جن کے نتیجہ میں انہیں آج اللہ تعالیٰ سے یہ نعمت ملی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو کر آئے۔ ویستبشرون الخ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ہمارے پیچھے جو دنیا میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایسے ہی اخلاق حسنہ دے الاخوف الخ جو اللہ کے روبرو سرخرو ہو کر آئے یعنی اس کے راستہ میں شہید ہوئے تو انہیں اب کس بات کی فکر نہیں قاعدہ ہے کہ جب کوئی لڑکا امتحان میں پاس ہو جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور اس خوشی میں اپنے عزیز و اقارب کے ہاں پھولا نہیں سماتا اسی طرح یہ لوگ امتحان میں کامیاب ہو کر اپنے اللہ کے ہاں آئے ہیں اب انہیں کسی بات کا ڈر ہے۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ
أَجْرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾ ع ۱۷ ۸

خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی

نعمت: بادشاہی جو اخلاق کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے و فضل ان اخلاق حسنہ کے ساتھ اللہ نے انہیں اپنا فضل بھی عنایت کیا پھر آئندہ دنیا میں بتدریج ترقی - ہوتی رہے گی۔

ٱلَّذِينَ ٱسْتَجَابُوا۟ لِلَّهِ وَٱلرَّسُولِ مِنۢ بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ ٱلْقَرْحُ
لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ مِنْهُمْ وَٱتَّقَوْا۟ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾ ٱلَّذِينَ قَالَ
لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا۟ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا

مع عند المتقدمین ۱۷

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے۔ جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔

القرح ای الجمداء الاسن یعنی لتعاقب الکفار بعد احد للذی احسنوا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانا اجر عظیم غرض اب سمجھا یا گیا کہ مسلمانوں کو یقین تھا کہ موت اپنے مقررہ وقت پر آئے گی زندگی و موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ انسان موت کو ملنے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہے اور اپنے فرائض کے پورا کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتا رہے۔ الذی قال لھم الناس الخ ابوسفیان جنگِ اُحد سے ایک قسم سا فارغ ہو کر نکلا مگر اسے خطرہ تھا کہ مسلمان تعاقب کریں گے اس لئے اس نے چند آدمی پروپگنڈا کرنے کے لئے روانہ کئے تاکہ وہ مسلمانوں پر رعب ڈالیں کہ ابوسفیان کے ساتھ عربی طاقت ہے تاکہ مسلمان اس کے تعاقب سے باز رہیں مگر دشمنوں کے اس پروپگنڈا نے مسلمانوں کو بیدار کر دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ حیات و ممات تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ مقررہ وقت سے آگے پیچھے ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتی تو کیوں خواہ مخواہ اس سے ڈریں جب اس نے ایک نہ ایک دن ضرور آنا ہے تو کیوں نہ خندہ پیشانی سے اس سے ملیں بلکہ اس سے پہلے پہلے اپنے فرض کی تکمیل کر دیں واقعی سے عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد خیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است۔ خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ دشمنوں نے تو مسلمانوں کو دہشت زدہ بنانے کے لئے پروپگنڈا کیا تھا مگر اس سے مسلمانوں میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے قالوا حسبنا اللہ یعنی ہم تو اللہ کے قانون کی پابندی اور اس کے رسولؐ کا حکم مان رہے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ ہماری مدد کرے اور اس سے بڑھ کر مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے غرض دنیا میں بھی دستور ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو کسی کام پر روانہ کرے تو اگر کوئی اس ملازم سے خواہ مخواہ برسرِ پیکار ہو تو آقا ضرور اس ملازم کی پاسداری کرے گا اسی طرح مسلمان بھی اپنے اللہ کے قانون پر عمل کر رہے تھے اور دنیا کو اس کے قانون کی دعوت دے رہے تھے تو لازمی امر ہے کہ ان کے نیک و بد کا خیال اللہ تعالیٰ ضرور کرے گا اور پھر جس کا وہ محافظ ہو اس کی خوش قسمتی کا کیا کہنا سب سے

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ (۱۷۴)

پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچی ان کو بُرائی اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔

غرض ابوسفیانؓ کی فوج کا مسلمانوں نے تعاقب کیا اور اس کی فوج کا سامان جس قدر ایک منزل رہ گیا تھا اس کو قبضہ میں کر لیا ابوسفیانؓ سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی مکہ کو روانہ ہو چکا تھا مسلمانوں کو بغیر کسی جنگ کے یہ مالِ غنیمت مل گیا اور مدینہ کو واپس آتے وقت راستہ میں ایک میلہ تھا وہاں سے انہوں نے تجارت کے مال سے بہت فائدہ اٹھایا واتبعوا رضوان بتعاقب الكفار بعد ما اصابو م مااصابهم فی أحد. آہ قیل لهم للتعاقب فوثبوا اليه اس لئے کہ مسلمانوں کا مقصد یہی تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کریں ذوفضل عظیم مسلمانوں کو بغیر کسی کشت وخون کے اب مالِ غنیمت دلایا۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۷۵)

یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اولیآءہ یعنی ابوسفیان کی طرف سے پروپگنڈا کرنے والے وخافون یعنی میرے قانون پر عمل کرو اور مجھ سے ہی ڈرو ان کنتم مومنین دیکھو تم کس قدر کمزور حالت میں تھے مگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی تعمیل کا یہ نتیجہ نکلا کہ بغیر کسی جنگ وجدال کے اس نے تم کو مالِ غنیمت دلایا اس لئے تمہیں صرف اللہ کے قانون پر عمل کرنا چاہئے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۷۶)

اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا۔

تمہیں عظیم الشان ومکمل نظام دیا گیا تم اس کی پیروی کرو اور دشمن کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرو

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۷۷)

جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور ان کے عذاب ہے دردناک ۔

جو اس نظام و پروگرام کی مخالفت کریں گے وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے خود اپنا ہی نقصان کریں گے ۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۱۷۸)

اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ہم تو مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کے لئے عذاب ہے خوار کرنے والا ۔

اگر مسلمانوں کو دشمن سے آج تکلیف پہنچی ہے تو دشمن یہ خیال نہ کرے کہ اللہ نے ان کو مہلت دے دی ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں اس میں انہیں فخر کرنے کا کوئی موقع نہیں انما نملی لھم خیر

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۱۷۹)

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے ۔

بل ینشاء حالۃ یمیز بھا بین المؤمنین والمنافقین والان انتم مخلوطون

وما کان اللہ لیطلعکم یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ رسول کو غیب سے بتلا دے کہ فلاں آدمی نیک ہے فلاں بد فلاں مسلمان ہے فلاں کافر اس لئے کہ اس سے شخصی ذمہ داری پیدا ہوتی ہے اور اللہ چاہتا ہے

کہ شخصی ذمہ داری کے بجائے تم میں اجتماعی ذمہ داری پیدا ہو کوئی قوم شخصی ذمہ داری سے ترقی نہیں کر سکتی جب تک اجتماعی ذمہ داری اس کے ساتھ نہ ہو فآمنوا باللہ ورسلہ ہاں تمہیں استاد دیا جاتا ہے جو اس کام کی پوری اہلیت رکھتا ہے اس کی اطاعت سے تم میں یہ جوہر پیدا ہو جائے گا یعنی اجتماعی طور پر ترقی کرنے کا جوہر اس جگہ رسول نہ کہا بلکہ رسل کہا یعنی بہت سے رسول تو اس لئے آئے تاکہ اجتماعی ترقی پیشِ نظر رہے وان تومنوا الخ تمہارا کام یہ ہے کہ جو قانون رسولؐ کے ذریعہ تمہیں دیا جائے اس پر عمل کرو اس کا نتیجہ یہ ہو گا تمہیں اس کا اجر یعنی بہت درجے ملیں گے اور بین الاقوامی حکومت قائم کر سکو گے

اگلی آیات میں بتلایا جائے گا کہ تم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک نظام پیدا کیا تھا مگر اس کے پیرو اب برباد ہو گئے اس لئے تمہیں بہت سوچ سمجھ کر چلنا چاہیئے۔ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی ایک روحانی قوم تھی یعنی اہلِ ہنود مگر ان کی بھی آج یہود کی سی حالت ہے اگر یہود سود خوری میں مشہور ہیں تو ہندوستان کے ہندو بھی ان سے پیچھے نہیں ہندوؤں کی تو یہ حالت ہے کہ دولت کی لچھمی "لچھمی دیوی" کے نام سے پرستش ہوتی ہے وہ روپے کی غرض ان آیات میں سرمایہ داری کی مذمت کی جاتی ہے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ
خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۱۸۰ ع ۱۸ ۹

اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے

یعنی ان کے پاس روپیہ ہے مگر اس طرف آتے ہی نہیں کہ کسی محتاج و مستحق کو مدد دیں یہ نہ سمجھیں کہ مستحق کو مدد نہ دینا ان کے حق میں بہتر ہے بل ھو شر لھم بلکہ یہ عادت ان کے لئے بہت بری ہے یہ جانتے ہی نہیں کہ قوموں کی زندگی کا راز ہی یہی ہے کہ ایک دوسرے کو غربا و مستحقین۔ مساکین کو امداد دی جائے سیطوقون الخ کما فی قولہ و کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ۱۰ لہ (سورۃ بنی اسرائیل) غرض ایک آدمی اپنے عمل کی سزا و جزا اسی دنیا میں پا لیتا ہے اور قیامت کے دن

اس کا اثر بہت واضح طور پر دکھلائی دے گا غرض یہ آیت اس مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی کیفیت بیان کرتی ہے جو بخل سے سخت متنفر تھا جیسا کہ معتبر روایات سے ظاہر ہے کہ اس نے کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا اور سب سے زیادہ سخی تھی۔

غرض اس سے اسی اصول کا پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک عمل کوئی نہ کوئی اثر و ثمرہ پیدا کرتا ہے جسے انسان کی گردن کے ساتھ لٹکا دیا جاتا ہے اور یہی اثر قیامت کے دن ایک واضح کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں پیش ہوگا انسان کے عمل کا اثر پیدا ہونے پر یہ جامۂ تحریر میں لایا جاتا ہے اور یہی اثر ہے جو انسانی اعمال کو ایک کتاب کی شکل میں لایا جائے گا گلے سے لٹکنا ظاہر کرتا ہے کہ ایک چیز جو دوسرے سے اس طرح چمٹ گئی ہے کہ وہ اب کسی صورت سے اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتی اور اسی سے قانون ثابت ہوتا ہے و اللہ میراث السمٰوٰت بعد الموت فلا یذہب المال معہ احد۔ واللہ بما تعملون خبیر یعنی انسان کے ساتھ اس کے اعمال جائیں گے دولت سب یہیں رہ جائے گی اور اللہ کو معلوم ہے کہ تم کیا عمل کر رہے ہو۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ
سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

بے شک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار اب لکھ رکھیں گے ہم ان کی بات اور خون کئے ہیں انہوں نے اپنے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا۔ یہ بدلہ اس کا ہے

یہود مسلمانوں کی غربت کا تمسخر اڑاتے تھے کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے ہم سے قرض مانگتے ہیں کیا ان کا خدا مفلس ہے مسلمان اپنی حفاظت کے لئے جب چندہ فراہم کرتے تھے تو یہود مذاق اڑاتے تھے اسی بات کو سورہ مائدہ آیت ۶۴ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے سنکتب ما قالوا آیت ۱۷۹ میں بتلا دیا گیا ہے کہ تحریر کرنے سے کیا مراد ہے یعنی ان کا اثر وہ ہے اس دنیا میں بھی دیکھ لیں گے اور یہی ہوا کہ یہود عرب سے بھی فقط ذلیل و خوار کر کے نہیں نکالے گئے بلکہ ان کی آج تک کسی جگہ بھی حکومت اور مستقل ثروت قائم نہیں ہو سکی۔ وقتلھم الانبیاء ان کے یہ غدر معقولیت کے بہت بعید

ہیں اور ان کا یہ غدر "غدر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے اصل میں بات یہ ہے کہ صداقت کو قبول
کرنے کا مادہ ہی اب ان میں نہیں رہا یہ اب تباہ و برباد ہو گئے ہیں پہلے جب اللہ کے رسول ان کے پاس
کلمۂ صداقت لے کر آئے تو انہوں نے ان کو بھی جھٹلایا اور بعض کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا کہ حق بات
کی دعوت دیتے تھے ونقول ذوقوا الخ یہود کو اس دنیا میں عذاب مل گیا کہ ان سے نعمت حکومت چھین
لی گئی ذلك (سلب الحکومة) بما قدمت الخ نتیجة اعمالکم لو اتبعتم القوانین الالهیة
لما سلب منکم نعمة الحکومة لان الله لیس بظلام للعبید قانون پسندوں کی ہمیشہ ترقی
اور مفسدوں یعنی قانون کی تابعداری نہ کرنے والوں کو ہمیشہ سزا دیتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ
وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس
قربانی کہ کھا جاوے اس کو آگ تو کہہ تم میں آ چکے کتنے رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے
کہا پھر ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو

اب جب کہ اس قسم کی عالمگیر انقلابی تحریک پیدا کی گئی جو اسلام کے ذریعہ دی گئی تو ضرور ہے کہ
اس کے مدمقابل بھی ایک مخالف پارٹی ہو وہ اسی عالمگیر پارٹی میں نہ آنے کے لئے اسے بودے بہانے
بناتے ہیں موسوی قانون میں تھا کہ جس قربانی کو آگ کھا جاتی اسے مقبول بارگاہ سمجھا جاتا تھا اب یہود بھی اس
قربانی کا اصرار کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی قربانی کی تعلیم دیں جس کو آگ سیاہ کر دے اس کا
مطلب یہ تھا کہ جس نبی کی آمد کے متعلق پہلے انبیاء شہادت دیتے چلے آئے ہیں بنی اسرائیل میں سے ہو
کیونکہ قربانی سوختنی یہ کرتے ہیں اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے گوشت کھانے کا حکم دیتے ہیں اور بنی
اسرائیل کا اس سے یہ مقصد تھا کہ موسوی قانون کو دنیا میں دوبارہ زندہ کرے حالانکہ زندہ کرنے کے یہ معنی ہیں
کہ اساسی اصول میں وہ متفق ہوں نہ جزئیات میں جیسے حنفی و شافعی اساسی اصول میں متفق ہیں اور فروعی
اور مجتہد فیہ مسائل میں جزوی اختلاف ہے اس لئے ائمہ کو ایک مذہب کہا جاتا ہے اور جو بنی اسرائیل
کے ساتھ وعدہ تھا وہ صرف یہی تھا کہ ان کی برادری میں سے وہ نبی ہو گا یعنی اسماعیلی اور وہ نبی مثیل

موسٰی ہوگا اس کا نتیجہ نکلا کہ وہ بنی اسماعیل سے ہوگا اور صرف موسوی قانون کا ہی تابع نہ ہوگا بلکہ وہ قانون الٰہی کو مکمل صورت میں پیش کرے گا بالبینات یعنی واضح پروگرام لائے گا وبالذی قلتم یعنی قربانی سوختنی کا حکم کرتے تھے و معنیٰ قتلتموھم غرض اب بتلایا گیا کہ انہوں نے موسٰی کے قانون کے تابع انبیاء کو قتل کر دیا اس لئے ان کا جھٹلانا انبیاء کے واضح دلائل کی کمی کے باعث نہ تھا بلکہ انکی سنگدلی کے باعث

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُو بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾

پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلا دیں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن۔

• زبر کتب جو عام لوگوں کے جذبات سے اپیل کریں الکتاب المنیر وہ مکمل قانون جس سے نظم امم سلطنت چل سکے یعنی تجھ سے پہلے بھی رسول مکمل ہدایت لے کر آئے مگر انہوں نے ان کی تکذیب کر دی بنی اسرائیل میں اولو العزم پیغمبر آئے ہر طرح کی نشانیاں لے کر مگر ان میں سے بہت لوگ پھر بھی انکی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾

ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی۔

موت ہر انسان کے لئے ضروری ہے انسان کے جس طرح کے اعمال ہوں گے اسی حساب سے وہ آئندہ زندگی میں ترقی بتدریج کرے گا یاد رکھو اگر اس پروگرام کی مخالفت کروگے تو برباد اور اس پر عمل کروگے تو کامیاب ہوگے وما الحیوۃ الدنیا الخ انسانی زندگی میں لاکھوں قسموں کے دھوکے کے سامان ہیں اگر انسان قانونِ الٰہی پر کاربند ہو کر اس دنیا میں سعی کرے تو وہ دنیا ہی میں کامیاب زندگی گذارے گا جو قانون کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں پڑ جائے تو وہ نقصان اٹھائے گا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِىٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ
تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

البتہ تمہاری آزمایش ہوگی مالوں میں اور جانوں میں اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

جس وقت کامیاب ہو جاؤ گے تو تمہارے مال و اولاد میں اللہ برکت دے گا اس وقت تمہاری آزمایش ہوگی اگر اس وقت تم کامیاب نہ نکلے تم بھی یہود کی طرح اس دنیا کی محبت میں پھنس گئے اور اگر تم نے اس سمجھ سے کام لیا جو تمہیں حق نے دی ہے اور مال و اولاد کی کثرت کے باوجود تم حق کے آگے جھک گئے تو کامیاب زندگی بسر کرو گے۔ ولتسمعن الخ تمہیں اسقدر پریشان کریں گے کہ تم برداشت نہیں کر سکو گے موجودہ وقت سے زیادہ اس بیان کی صداقت کا غالباً کوئی زمانہ نہیں گزرا پچھلی صدی سے لے کر آج تک مسلمانوں کو حتی الوسع ان کے گھروں سے نکالا جا رہا ہے اور ان کی ریاستیں اور حکومتیں ہضم کی جا رہی ہیں اور لاکھوں مسلمان لقمہ موت بنائے گئے ہیں عیسائی مبلغ اور پولیٹیکل لوگوں اور دیگر اقوام نے نہایت فحش کلامی سے کام لیا ہے وان تصبروا اگر تم اس کو برداشت کر لو اور ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہو گے۔ وتتقوا اور عدالت قائم کرنے کے لئے سعی کرتے رہو اور اپنے قانون کو نہ چھوڑو اور پروگرام کی تکمیل میں ڈٹ کر لگے رہو فان ذٰلک انبیاء تین قسم کے ہیں نبی۔ رسول۔ اولوالعزم من الرسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیسری جماعت میں سے تھے پہلا درجہ یہ تھا کہ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرنا۔ دوسرا اس جگہ بیان کیا جا رہا ہے کہ دشمن تمہارے خلاف زبردست پروپگنڈا کرے گا مگر تم اگر قانون الٰہی پر ڈٹ کر عمل کرتے رہے تو یہ نہایت اولوالعزم کام ہوگا اور بڑے کاموں میں سے ایک بہت بڑا کام ہوگا کہ تم دشمن کے پروپگنڈا سے مرعوب نہ ہو اور اپنا کام ڈٹ کر کرتے رہو۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ
وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے تھوڑا سا مول سو کیا برا ہے جو خریدتے ہیں۔

دشمن نے جو پروپگنڈا کیا اس کا جواب دیا جا رہا ہے یعنی ان سے تو یہ وعدہ تھا کہ احکام الٰہی کو واضح طور پر بغیر کسی آمیزش کے لوگوں کو سمجھا دو انہوں نے اپنے ذاتی اغراض کے لئے اس عہد کو توڑ دیا اور ریاست اور دنیا کی گرا وری کے لئے ٹوٹ پڑے تو جہان میں خوار ہوئے اس لئے اگر مسلمان بھی ان کے نقشِ قدم پر چلے تو دنیا میں ذلیل ہو کر برباد ہو جائیں گے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ ان کو کہ چھوٹ گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

اہل کتاب اس بات پر بہت خوش ہیں کہ ان کی کتاب بہت اعلیٰ درجہ کے احکام رکھتی ہے اور عمدہ تعلیم دیتی ہے پھر اس کی تبلیغ نہیں کرتے اور خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ ان کے نبی اور کتاب کی تعریف کریں ایسی جماعت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ الٹا یہ جہنم کی آگ میں جائیں گے غرض حقیقت کو چھپاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ ان کو لوگ عالم کہیں اور ان کی اور ان کے نبی و کتاب کی تعریف کریں کہ یہ خوب عالم ہیں اور دیندار حق پرست ہیں پھر ان کی کتاب و نبی بہت اچھا ہے فلا تحسبنھم وہ برابر مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے گی سزا بھی معمولی نہیں بلکہ ان کو دردناک

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بے شک آسمان اور

زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والو۔

اس نے کسی کو اتنا اختیار نہیں دیا کہ جس طرح وہ چاہے کرے یہ سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے۔ حکمراں ہے ایک وہی باقی بتاں آذری۔

اب اس آیت کی تعلیم سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ بتلائے جا رہے ہیں ان فی خلق السمٰوٰت الخ یعنی خدا کے بندے کائنات کے نظام میں فکر کرتے ہیں کہ دن ہے تو اس کے بعد رات ہے اور رات کے بعد دن غرض دن رات کے تبدیل ہونے سے وہ سبق حاصل کرتے ہیں اور اسی طرح قانونی روح کے ماتحت رہ کر وہ اپنے قانون میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں حسب حالات۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے اے رب ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا اور نہیں کوئی گنہگاروں کا مددگار۔ اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لے آئے اے رب ہمارے اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔

یعنی قانونِ الٰہی کو نہیں بھولتے ربنا ما خلقت الخ تیری پیدائش حکمت پر مبنی ہے ہماری حاجت روائی کے لئے پیدا ہوئے ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں کہ تیری تعلیم میں ایسی کوئی بھی نہیں کہ

جس سے ہمیں آگ میں گرنے کا خوف ہو غرض قرآن حکیم نے تدبر کرنے والی ایک جماعت پیدا کی ہے جو تمام دنیا کے نظام کو نہایت اعلیٰ طور پر چلا سکتی ہے غرض یہ ایک جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہے یعنی قوانینِ الٰہی کی پابندی کرتی ہے اور اس کی مخلوق میں تدبر یعنی فکر و سوچ کرتی ہے کہ اس زمین و آسمان بنانے سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہماری اپنی حالت کیا ہے اور ہم اسے کس طرح سدھار سکتے ہیں ربنا انک من تدخل النار تیرے قانون کے مخالفوں کے لئے ہلاکت ہے یا اللہ ہمیں ظلم کا حامی نہ بنا تاکہ ہم آگ میں نہ پڑیں ربنا اننا سمعنا جہاں کسی نے منادی دی کہ دیکھو یہ ظلم ہو رہا ہے تو وہ جھٹ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ربنا فاغفر لنا اب آواز تو سن لی مگر ممکن ہے کہ انسانی فطرت کے سبب سے پروگرام کی تکمیل میں کچھ غلطی ہو جائے اس لئے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں معاف کیجئے وکفر عنا پروگرام کی تکمیل میں غلطی ہو جائے تو اس سے آگاہ کر دیں تاکہ ہم مرنے سے پہلے اس کی اصلاح کر لیں۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطے سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

رسولوں کے ذریعہ تیرا وعدہ ہے کہ اس پروگرام پر عمل کرنے والے دنیا میں کامیاب رہیں گے یا اللہ

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد

یا عورت، تم آپس میں ایک ہو پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کروں گا میں ان سے برائیاں ان کی اور داخل کروں گا ان کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ۔

اللہ نے دعا منظور کر کے کہا کہ میں تمہارے کسی عمل کو ضائع نہیں کروں گا اس لئے کہ تم سب ایک ہی سوسائٹی کے مختلف افراد ہو خواہ مرد ہو یا عورت جو اس نظام کو چلانے کا ٹھیکہ لے چکے ہو تم نے قانون کی روح کو سمجھ لیا ہے اور اب اس پر عمل کر رہے ہو قانون کو لے کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نکمے نہیں بیٹھے ہوئے ہو بلکہ جس جگہ اس قسم کا موقع دیکھتے ہو کہ وہاں قانون کی روح کام کرے گی اس پر عمل کرتے ہو فالذین ھاجروا قانونِ الٰہی پر عمل کرنے میں بہت سے مشکلات بھی پیش آئیں گے تمہیں وطن سے بے وطن کیا جائے گا۔ اور طرح طرح کی دشمن تکلیفیں دیں گے تمہیں دشمن سے لڑنا بھی پڑے گا ممکن ہے کہ جنگ میں شہید بھی ہو جاؤ لاکفرن الخ اگر ثابت قدمی دکھلائی تو اللہ تمہاری غلطیاں معاف کر دے گا لادخلنھم الخ لا یکتفی علی مجرد تکفر السیئات بل یعطیکم الحکومۃ والدولۃ والثروۃ اس لئے کہ تم قانونِ الٰہی کی پابندی میں ثابت قدمی دکھلائی ثوابا من عند اللہ۔ ھذہ الحکومۃ والثروۃ معاوضۃ اتباعِ القانون من اللہ تعالیٰ غرض اس میں وعدہ ہے کہ تمہیں وہ علاقے دیئے جائیں گے جو دریاؤں اور نہروں سے زرخیز ہوں گے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مصر، شام اور عراق کی فتح میں پورا ہوا واللہ عندہ حسن الثواب مصر و شام وغیرہ کے علاقے تو تمہیں اس زندگی میں عطا کئے گئے اور جو آخرت میں تمہارے لئے انعام ہے وہ اس سے بدرجہا اعلیٰ و بہتر ہے۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

تجھ کو دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں۔

اگر تمہارے دشمنوں کو عارضی طور پر چند دنوں غلبہ حاصل ہو گیا تو اس سے پریشان مت ہو اور اپنی حقانیت میں کسی قسم کا شک مت لاؤ۔

مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

مستقل نہیں بلکہ چند روزہ نفع ہے ماوٰیھم جھنم بسبب مخالفۃ الحق۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں مہمانی ہے اللہ کے ہاں سے اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے

ف: یعنی لمتبعی القانون الالٰہی تکلیف عدۃ ایام ثم بعد ذٰلک فرحۃ و سرور۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا ان کی طرف عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا یہی ہیں جنکے لئے مزدوری ہے انکے رب کے ہاں بیشک اللہ جلد لیتا ہے حساب۔

ف: ایک استثنار بتلائی کہ سب یہودی ایسے نہیں بلکہ اہل کتاب میں سے ایک جماعت اپنے فرائض کو پورا کر رہی ہے اور دوسری تمہاری جماعت ہے جو فرائض کو پورا کر رہی ہے اس اصول پہ جو جماعت بھی کام کریگی اسکا درجہ یکساں ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ۲۰ ع ۱۱

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

ف: ڈٹ کر کام کرو وصابروا قانون الٰہی پر عمل کرنے کی تربیت کرتے رہو ورابطوا سرحدی چوکیوں کی حفاظت کے لئے بیٹھے رہو موضح القرآن میں ترجمہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور تھام رکھو ایک دوسرے کو اور لگے رہو بیچ لڑائی کے اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے تو کہ تم چھٹکارا پاؤ۔ فائدہ ثابت رہو یعنی دین پر اور مقابلہ میں یعنی جہاد میں اور لگے رہو یعنی کافروں کے سامنے اور غرضی لڑائی ہمیشہ نہیں رہتی مگر سرحدوں کی حفاظت ہر وقت و ہر لمحہ ضروری ہے غرض ہر وقت لڑائی کے لئے آمادہ رہنے کی ہدایت کی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جہاد ایک ضروری چیز ہے اور میدان جنگ میں جانا ایک وقتی چیز ہے واتقوا اللہ قانون پر مضبوطی سے عمل کرو لعلکم تفلحون یقیناً تم ہی کامیاب رہو گے

تفسیرِ سندھی

جلد اول

سورۃ الفاتحۃ سے سورۃ البقرۃ تک

قیمت ۱۵۰/- روپے

مفسر: امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

املاء: مولانا محمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(مسجد الحرام میں لکھی گئی)

زیر نگرانی:

ابو سعید علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی صاحب

ازطرف: شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد۔ سندھ

نوٹ: اس عظیم الشان تفسیر کی دوسری جلد بھی زیر طباعت ہے

اہلِ خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے